فتنے اور اختلافات

قرآن و حدیث کی روشنی میں

- فتنہ کی تشریح اور دورِ فتن کی علامات
- فتنوں کی قسمیں
- منافقین کی صفات
- علم اور علماء کا فتنہ
- مال آل اور عیال کا فتنہ
- بے حیائی کا فتنہ
- علامات قیامت
- تشابہات اور مشتبہات کا فتنہ اور فتنہ سے حفاظت کی صورتیں
- اتحاد کے فوائد و تدابیر اور اختلاف کے نقصانات
- اختلافات اور ان کے اسباب
- اسلام و کفر اور اصول تکفیر
- اختلاف کی اقسام اور ان کے احکام

افادات: شیخ طریقت مفسر قرآن فقیہ العصر حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث دار العلوم شکاگو و بانی رحمت عالم فاؤنڈیشن

فتنے اور اختلافات

قرآن وسنت کی روشنی میں

- فتنہ کی تشریح اور دور فتن کی علامات
- فتنہ کی قسمیں
- منافقین کی صفات
- علم اور علماء کا فتنہ
- مال آل اور عیال کا فتنہ
- بے حیائی کا فتنہ
- قیامت کی علامات
- متشابہات اور مشتبہات کا فتنہ اور فتنوں سے حفاظت کی صورتیں
- اتحاد کے فوائد و تدابیر اور اختلاف کے نقصانات
- اختلافات اور ان کے اسباب
- اسلام وکفر اور اُصول تکفیر
- اختلاف کی اقسام اور ان کے احکام

افادات

شیخ طریقت مفسرِ قرآن فقیہ العصر حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث دارالعلوم شکاگو وبانی رحمت عالم فاؤنڈیشن

ناشر: شریعہ بورڈ آف انڈیا

حقوقِ طباعت بحقِ ناشر محفوظ ہیں

طبع اول ۱۴۳۹ھ مطابق مئی ۲۰۱۸

نام کتاب : فتنے اور اختلافات

افادات : مفسرِ قرآن فقیہ العصر شیخ طریقت حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

صفحات : ۴۱۹

ناشر : شریعہ بورڈ آف انڈیا

ای میل : info@shariahboardofindia.org

فون نمبر : 7032100200 / 9989478786

ملنے کے پتے:

مکتبہ کلیمیہ ناملی حیدر آباد۔ 9885655591

فیضی کتب خانہ ڈسٹری بیوٹرس، سعید آباد۔ 9849766790

	فہرست عناوین	صفحہ نمبر
•	کلمات بابرکات	۲۷
•	ابتدائیہ	۲۸
•	عرض مرتب	۳۲
	فتنہ کی تشریح اور دورِ فتن کی علامات	
•	تمہید	۳۲
•	فتنہ کے لغوی اور اصلاحی معنیٰ	۳۷
•	قرآن مجید میں فتنہ کے مصداقات	۳۷
•	فتنوں کے متعدی وبال سے بچیں	۴۰
•	فتنوں کا وبال متعدی کیوں؟	۴۰
•	فتنۂ سامری	۴۱
•	بنی اسرائیل محبت سے عاری تھے	۴۲
•	دنیا کے نظام میں خود فتنہ ہے	۴۳
•	امت محمدیہ کا دورِ عافیت	۴۴
•	حضور ﷺ کی پیشین گوئی اور حضرت عدی ابن حاتم کی شہادت	۴۵
•	امت کا دورِ فتن	۴۶
•	مصیبتوں کے لامحدود خزانے	۴۶
•	عافیت بہت بڑی نعمت ہے	۴۶
•	فتنوں سے مومن کو ہلاکت کا تصور ہوگا	۴۷
•	حصیر کی پتیوں کی طرح فتنے آئیں گے	۴۷
•	اندھیری رات کی طرح فتنے ہوں گے	۴۸

•	صبح کو مومن تو شام کو کافر ہو جائے گا	۴۹
•	زمانۂ فتن میں عافیت کا راستہ	۵۰
•	فتنوں میں جھانکنا فتنہ کو دعوت دینا ہو گا	۵۰
•	دور فتن کی چار علامات:	۵۱
•	پہلی علامت	۵۲
•	دینی تقاضوں کو مقدم کریں	۵۲
•	دوسری علامت	۵۳
•	خواہشاتِ نفس لوگوں میں کتے کے زہر کی طرح سرایت کر جائیں گی	۵۳
•	جائز خواہشات پر بھی کنٹرول ضروری ہے	۵۳
•	صحابہ کی جائز چیزوں میں احتیاط	۵۴
•	دینی امور میں احتیاط سے کام لیں	۵۴
•	تیسری علامت	۵۵
•	چوتھی علامت	۵۵
•	ایک شبہ کا ازالہ	۵۵
•	زمانۂ فتن میں نیک عمل کرنے والوں کا اجر	۵۶

فتنہ کی قسمیں

•	نفس کا فتنہ	۵۹
•	قساوت قلبی کا اثر	۶۱
•	قساوت قلبی سے بڑی کوئی سزا نہیں	۶۱
•	قساوتِ قلبی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک شعر	۶۱
•	قساوت قلبی کا علاج	۶۲
•	فتنہ کی تحریکات	۶۲

•	حق تعالیٰ سے ڈرنے کی مطلوب سطح	۶۳
•	جنت تک پہنچنے کے لئے درکار طاعت	۶۴
•	صحابہ کی نبی سے محبت اور جنت کا شوق	۶۴
•	سجدوں کے ذریعہ حضور کی مدد کا مطلب	۶۵
•	کثرتِ نماز کا فائدہ	۶۶
•	حضور کے اس جملہ کی بہترین تمثیل	۶۶
•	رفاقتِ نبی طلب کرنے کی وجہ	۶۷
•	قلب عقل اور نفس کے متعلقات	۶۷
•	عقل دل اور طبیعت کے احوال اور اثرات	۶۸
•	نفس کی تین قسمیں	۶۸
•	قلب، نفس اور عقل کی خرابی کا نقصان	۶۹
•	گھریلو زندگی کا فتنہ	۶۹
•	مملکت کے بگاڑ کا فتنہ	۷۰
•	ملی فتنہ	۷۰
•	فتنہ مستطیرہ	۷۱
•	حادثات کا فتنہ	۷۱
•	علامات قیامت کا فتنہ	۷۱
•	فتنۂ امارۃ علی الاقذاء	۷۲
•	فتنۂ احلاس	۷۲
•	فتنۂ سراء	۷۲
•	فتنۂ دہیماو تلاطم جمیع الناس	۷۳

منافقین کی صفات

•	نیک بخت کون ہے؟	٧٦
•	فسق وفجور کا عام ہونا بھی فتنہ ہے	٧٧
•	برائیوں کا عام ہونا لوگوں کو برائی کرنے پر جری بنا دیتا ہے	٧٨
•	اعتقادی اور علمی فتنہ عملی فتنہ سے بڑا ہوتا ہے	٧٩
•	موجودہ زمانہ ہی ہمارے لئے بہتر ہے	٧٩
•	منافقین کا نور قیامت کے دن سلب کر لیا جائے گا	٨٠
•	مومنین کا نور ان کے ایمان اور اعمال کے اعتبار سے ہوگا	٨١
•	نمازوں کی پابندی نور اور نجات کا ذریعہ ہے	٨١
•	منافقین کا نور بطور دھوکہ سلب ہوگا	٨١
•	حق تعالیٰ کے لئے دھوکہ کا لفظ بطور صنعتِ مشاکلت ہے:	٨٢
•	مومنین کا ڈر	٨٢
•	مومن کی موت کے وقت کیفیت	٨٣
•	ندامت کی آگ جہنم کی آگ پر بھاری ہے	٨٣
•	منافقین کے خسران کے چار اسباب	٨٤
•	معاصی اور شہوات کا فتنہ	٨٥
•	مسلمان پر مصیبت سے خوش ہونا نفاق کی علامت ہے	٨٥
•	مومنین کے فائدہ سے ابن عباس کی خوشی	٨٧
•	دو چیزوں میں آدمی عمر گنوا دیتا ہے	٨٧
•	نظر نہ آنے والے حقائق میں شک نفاق ہے	٨٨
•	اس خیال سے اپنے آپ کو بچائیں	٨٨
•	دل پر مہر لگنے نہ دیں	٨٩

•	آرزوؤں میں پڑ جانے کا فتنہ	۸۹
•	طولِ امل دین میں سستی کا سبب ہے	۸۹
•	لمبی لمبی آرزوؤں کی ایک مثال	۹۰
•	راہ حق سے ہٹانے کا فتنہ	۹۰
•	مداہنت کا فتنہ	۹۳
•	فتنہ کی تلاش منافقین کی صفت ہے	۹۵
•	بہانہ تراشی کر کے احکام شرع سے تخلف نفاق اور فتنہ ہے	۹۵
•	شریعت پر عمل سے رکاوٹیں فتنہ ہیں	۹۷
•	دنیا کی طرف میلان اور حق تعالیٰ کی تنبیہ	۹۷
•	یہود و نصاریٰ بھی اس کا مصداق ہیں	۹۸
•	حضور کی باتیں ہی ہمارے لئے کافی ہیں	۹۸
•	آج کی انجیل کی حقیقت	۹۹
•	حضرت عبد اللہ ابن مبارک کی زاہدانہ زندگی کا واقعہ	۱۰۰
•	حضرت فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا واقعہ	۱۰۰

علم اور علماء کا فتنہ

•	قربِ قیامت علم اٹھالیا جائے گا:	۱۰۲
•	خاندان کے اقبال واِدبار کی علامت:	۱۰۳
•	گمان سے کہنے والوں سے پہلے علم حاصل کرو:	۱۰۴
•	اباحیت کا فتنہ:	۱۰۵
•	علم کے ذریعہ جھگڑنے اور فخر کرنے کا فتنہ:	۱۰۷
•	نماز کے اختلافی مسائل کی تعداد	۱۰۹
•	اسلام کا عائلی نظام:	۱۱۰

•	اسلامی نظام اور اس کی خصوصیت:	۱۱۲
•	حدود اور تعزیرات کا تعلق قیمت سے نہیں معاشرہ سے ہوتا ہے	۱۱۳
•	جرائم کے سدباب کے دو بنیادی جزء:	۱۱۳
•	اسلام کا نظامِ تعزیرات:	۱۱۳
•	حضرت فاطمہ بنت اسود رضی اللہ عنہا کا واقعہ	۱۱۴
•	اسلام کا نظامِ امن اور اس کی پیشین گوئی:	۱۱۴
•	خود سے قرآن دانی اور حدیث فہمی کا غلط تصور:	۱۱۶
•	امریکہ میں مکس ”گیدر نگز کی حقیقت“	۱۱۸
•	غیر اللہ کے لئے حصولِ علم کا عذاب:	۱۱۹
•	علم کے دو خواص:	۱۲۰
•	علم کے پانچ حقوق:	۱۲۰
•	عالم کی بد عملی کے تین منفی اثرات	۱۲۱
•	بد بختی کی تین علامتیں:	۱۲۱
•	علم کی زکوۃ ادا کریں:	۱۲۲
•	علماءِ سوء کا فتنہ:	۱۲۳
•	نوادراتِ علماء سے بچو:	۱۲۴
•	لا اعلم نہ کہنے کا فتنہ:	۱۲۴
•	رخصتوں کی تلاش کا فتنہ:	۱۲۵
•	علماء کی ایک دوسرے پر یلغار کا فتنہ:	۱۲۵
•	دین کی تباہی علماء اور دنیا کی تباہی امراء سے ہوگی:	۱۲۶
•	بے فائدہ علم اور فاجر عالم کے فتنہ سے پناہ مانگیں:	۱۲۶
•	عالم کی بے عملی کا فتنہ	۱۲۷

•	قیامت میں سب سے زیادہ حسرت بے عمل عالم کو ہو گی:	۱۲۷
•	بے عمل علماء اور خطیبوں کا انجام:	۱۲۷
•	علماء سوء کو اس وادی میں ڈالا جائے گا جس سے جہنم پناہ مانگتی ہے:	۱۲۸
•	بے عمل عالموں کے عذاب کی بدبو سے اہل جہنم پریشان ہوں گے:	۱۲۹

مال آل اور عیال کا فتنہ:

•	تقدیر پر ایمان کا دینی اور دنیوی فائدہ:	۱۳۲
•	آزمائش سے کسی کو مفر نہیں	۱۳۳
•	حالات بھی اللہ کی مخلوق ہیں	۱۳۴
•	مال کا فتنہ:	۱۳۴
•	بھوکے بھیڑیے سے زیادہ فساد کن صفات	۱۳۵
•	بوڑھے کی جوان صفات	۱۳۵
•	متقی کے لئے غنیٰ نقصان دہ نہیں	۱۳۶
•	مال کے فتنہ کی صورتیں	۱۳۶
•	آل و اولاد کا فتنہ	۱۳۷
•	آیات کا شان نزول	۱۳۷
•	انسان کے دو سب سے بڑے دشمن:	۱۳۸
•	بیوی بچوں کی محبت احکامِ الٰہی میں رکاوٹ بن جائے تو دشمنی ہے:	۱۳۹
•	حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کا واقعہ:	۱۳۹
•	شوہر بھی فتنہ ہوتے ہیں:	۱۴۰
•	اہل وعیال کی غلطیوں سے درگزر کریں:	۱۴۰
•	ایک نکتہ:	۱۴۰
•	اہل وعیال کے فتنہ کی تین صورتیں:	۱۴۱

•	اہل وعیال کی آزمائش کی پہلی صورت:	۱۴۱
•	بیوی بچوں کی قدر کریں:	۱۴۱
•	اہل وعیال کی قدر کا مطلب	۱۴۲
•	رہبانیت اور نفسانیت دونوں سے بچیں:	۱۴۲
•	خواب کی حیثیت:	۱۴۳
•	عبادات کے لئے رکاوٹوں کو جھیلنے کا اجر:	۱۴۳
•	اولاد کی آزمائش کی دوسری صورت:	۱۴۴
•	اہل وعیال نیکیاں کھالیں گے	۱۴۴
•	اولاد غم، بزدلی، جہالت اور بخل کا سبب ہوتی ہے	۱۴۵
•	انسان کو فرشتوں سے برتری کیوں؟	۱۴۶
•	انبیاء علیہم السلام مقرب فرشتوں سے بھی افضل ہوتے ہیں:	۱۴۶
•	آزمائش کی تیسری صورت:	۱۴۷
•	بیوی سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی	۱۴۷
•	حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا قصہ:	۱۴۸
•	آدمی کی ہلاکت اہلِ خانہ کے ذریعہ ہوگی:	۱۴۹
•	معیشت کا حصول بغیر معصیت کے نہیں ہوگا:	۱۵۰
•	اہل وعیال اور پڑوسی دین کے لئے رکاوٹ بن جائیں گے:	۱۵۰
•	سود سے بچنا مشکل ہو جائے گا:	۱۵۱
•	قناعت اختیار کریں:	۱۵۲
•	بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کا فتنہ:	۱۵۳
•	ایک لطیفہ:	۱۵۳
•	شوہر کو حاکم ہونا چاہیے:	۱۵۳

•	مردوزن میں عدم مساوات کا اعتراض اور اس کا جواب:	۱۵۴
•	عورتوں کے ساتھ مشورے اور حسن سلوک کا حکم کیوں؟	۱۵۵
•	مردوں کی افضلیت کی وجوہات:	۱۵۶
•	بہترین مرد کون ہے؟	۱۵۷
•	عورتوں کی اطاعت اور حاکمیت کا فتنہ:	۱۵۷
•	عورتوں میں مساوات کا دھوکہ اور اس کے منفی اثرات:	۱۵۸
•	کیا مساوات برہنگی اور نوکر بنانے کا نام ہے؟	۱۵۹
•	حاکمیت اور تعلقات میں اعتدال چاہیے	۱۶۰
•	طلاق کی کثرت کا فتنہ:	۱۶۱
•	حتی الامکان طلاق دینے سے بچیں:	۱۶۲
•	اختلاف ختم کریں رشتہ ختم نہ کریں:	۱۶۲
•	شادی کے بعد کا اصول	۱۶۲
•	ایک مہتمم صاحب کا واقعہ:	۱۶۳
•	طلاق نجات نہیں بلکہ الجھن کا سبب ہے:	۱۶۳
•	ایک عورت کا واقعہ:	۱۶۴
•	ناموافق حالات میں پہلا مرحلہ صبر کا ہے	۱۶۵
•	ہمارے لڑائی جھگڑے پر شیطان کی شاباشی:	۱۶۶
•	گھروں میں نااتفاقی شیاطین کی آمدورفت کی علامت ہے	۱۶۶
•	غصہ میں عافیت والا راستہ:	۱۶۶
•	غصہ ایک انگارہ ہے:	۱۶۷
•	غصہ کی حالت میں زمین سے چپکنے کا حکم کیوں؟	۱۶۷
•	غصہ دور کرنے کی مختلف تدابیر:	۱۶۸

•	عورتوں کی اصلاح کے درجات:	۱۶۹
•	حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ	۱۷۰
•	شرفاء کا کام ہاتھ اٹھانا نہیں ہے:	۷۰
•	تعلقات کے سدھار میں مسنون دعاؤں کی اہمیت:	۱۷۱
•	زن وشوہر کے تعلقات میں اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے:	۱۷۲
•	بہترین عورت کی صفات:	۱۷۳
•	نیک بیوی کے لئے پرندے درندے مچھلی اور فرشتوں کی دعائے مغفرت:	۱۷۴
•	خواتین صفائی کا خیال رکھیں:	۱۷۴
•	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظافت ونفاست:	۱۷۵
•	ہم نے بے ڈھنگے پن کو سادگی کا نام دے رکھا ہے:	۱۷۵
•	تعلقات کی خرابی کی وجہ رشتوں کے صحیح انتخاب کا فقدان ہے:	۱۷۶
•	گھریلو حالات کے سدھار کے لئے کامیاب ترکیب:	۱۷۷
•	حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کا ایک واقعہ:	۱۷۷
•	گھر کی تعلیم کیسی ہونی چاہیے؟	۱۷۸
•	نبیِ رحمت کے تذکرہ سے رحمت کا نزول ہوتا ہے	۱۷۹
•	صحابہ اور اولیاء اللہ کے واقعات پڑھنے کے اثرات	۱۷۹

بے حیائی کا فتنہ

•	اس امت سے سب سے پہلے حیاء اور امانت اٹھالی جائے گی:	۱۸۲
•	لباس ایک نعمت ہے:	۱۸۲
•	لباس کے دو بنیادی مقصد:	۱۸۳
•	لباس کا دوسرا مقصد:	۱۸۳
•	ایک نکتہ:	۱۸۳

•	شیطان کا سب سے پہلا حملہ:	۱۸۴
•	اسلام کے بعد سب سے پہلا فرض:	۱۸۵
•	بے ستری کی صورتیں	۱۸۵
•	پچاس عورتیں ایک آدمی کے پیچھے ہوں گی:	۱۸۶
•	زن، زر اور زمین فتنہ ہے:	۱۸۶
•	عورتیں راستے میں پڑے ہوئے جوتے کو پہچان لیں گی:	۱۸۷
•	راستوں پر زنا سے روکنے والا وقت کا ابو بکر و عمر جیسا ہو گا:	۱۸۷
•	حیاء نہ ہو تو پھر کچھ بھی نہیں	۱۸۸
•	لباس پہنتے وقت دعا کی ترغیب:	۱۸۸
•	نیا لباس پہن کر پرانا لباس صدقہ کرنے کا اجر:	۱۸۹
•	جدید فلسفہ اور نظریہ ارتقاء کا رد:	۱۸۹
•	تقویٰ کا لباس:	۱۹۰
•	تقویٰ کا لباس نہ پہنیں تو ذلت کا لباس پہننا پڑے گا:	۱۹۰
•	ہماری برہنگی کو شیطان اور اس کا قبیلہ دیکھتا اور دکھاتا ہے	۱۹۱
•	کفار مکہ کا ننگا طواف اور اس کی شیطانی وجہ	۱۹۲
•	اتباع قرآن وسنت کی ہو گی آباء واجداد کی رسومات کی نہیں	۱۹۳
•	مردوں کے لباس کے حدود:	۱۹۴
•	لباس میں مرد وزن کی نقالی اور مشابہت کا فتنہ	۱۹۵
•	عورتوں کے لباس کے حدود:	۱۹۶
•	مسلمان کی پہچان اس کی وضع قطع اور اس کا لباس ہے	۱۹۷
•	ظاہری دین کی حفاظت مذہب کی بقاء کا ذریعہ ہے:	۱۹۸
•	اسلامی تہذیب کی ایک بہترین مثال:	۱۹۸

•	اسلامی تہذیب سے دوری ارتداد کا سبب ہے:	۱۹۹
•	فساق اور فجار ہمارے لئے نمونہ بن گئے:	۲۰۰
•	سنتوں سے دوری ایمان کی کمزوری کی علامت ہے:	۲۰۱
•	علانیہ گناہ کرنے والوں کی معافی نہیں:	۲۰۱
•	گناہ چھپانا بھی رحمت کا سبب ہے:	۲۰۲

قیامت کی علامات

•	قیامت بہت قریب ہے:	۲۰۳
•	دنیا کی عمر:	۲۰۴
•	قیامت کی علامات کبریٰ:	۲۰۵
•	دھواں ظاہر ہو گا:	۲۰۵
•	کیا دھویں کا واقعہ پیش آچکا ہے؟	۲۰۶
•	سورج مغرب سے طلوع ہو گا:	۲۰۶
•	یاجوج ماجوج اور ان کے احوال:	۲۰۷
•	دابۃ الارض کا خروج:	۲۰۸
•	زمین کے جانور کا تین مرتبہ ظہور ہو گا:	۲۰۹
•	دابۃ الارض کیا کرے گا:	۲۱۰
•	امام مہدی کا ظہور اور ان کی صفات واحوال:	۲۱۰
•	دجال کا ظہور:	۲۱۴
•	دجال کی صفات:	۲۱۵
•	دجال کے نکلنے کے وقت کے حالات:	۲۱۶
•	دجال کا لشکر:	۲۱۹
•	چار جگہوں میں دجال داخل نہ ہو پائے گا:	۲۱۹

•	دجال کے کام:	۲۲۰
•	دجال سے بچنے کی تدابیر:	۲۲۲
•	دجال کے ظہور کے وقت نبوی ہدایات:	۲۲۳
•	دجال کا قتل:	۲۲۵
•	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول:	۲۲۵
•	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام نزول:	۲۲۶
•	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حُلیہ مبارک:	۲۲۷
•	حضرت عیسیٰ کی تین تجاویز اور امتِ محمدیہ کے بے تاب لشکر کا جواب:	۲۲۸
•	دجالی فتنہ کی سرکوبی:	۲۲۸
•	حضرت عیسیٰ کے زمانے میں امن اور خوش حالی کی چند جھلکیاں:	۲۲۹
•	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدتِ قیام اور مقامِ تدفین:	۲۳۱
•	قیامت کی علاماتِ صغریٰ	۲۳۱
•	نمازوں کے ضیاع کا فتنہ:	۲۳۱
•	دعوت و تبلیغ کے اصول کے مآخذ:	۲۳۲
•	’’نماز‘‘ دین کا باب الداخلہ اور ’’معاملات‘‘ دین کا باب الخارجہ ہے:	۲۳۲
•	جھوٹ کا فتنہ:	۲۳۲
•	شرفاء کی عزت نہیں کی جائے گی:	۲۳۳
•	آدمی کے شر کے خوف سے اس کا اکرام کیا جائے گا:	۲۳۴
•	باندی اپنی مالکن کو جنے گی:	۲۳۴
•	حدیثِ مذکورہ کی ایک توجیہ:	۲۳۵
•	گانے اور باجے عام ہو جائیں گے:	۲۳۶
•	خواتین کو بے حیاء عورتوں سے دور رہنا چاہیے:	۲۳۶

•	لوگوں کا تحیہ لعن طعن ہو گا:	۲۳۷
•	اولاد کی زیادتی سے کراہیت کا فتنہ	۲۳۸
•	حمل گروائے جائیں گے:	۲۳۸
•	مساجد منقش ہوں گے:	۲۳۹
•	مال کی کثرت ہو گی:	۲۳۹
•	قحط سالی ہو گی:	۲۴۰
•	امانتیں ضائع ہوں گی:	۲۴۰
•	سود خوری عام ہو جائے گی:	۲۴۱
•	عورتیں تجارت میں مردوں کے ساتھ شریک ہوں گی:	۲۴۱
•	قرب قیامت کی ۲۰۰ سے زائد علامات:	۲۴۲

متشابہات اور مشتبہات کا فتنہ اور فتنوں سے حفاظت کی صورتیں

•	شہوت اور شبہات کا فتنہ:	۲۶۶
•	محکم کی تعریف:	۲۶۶
•	متشابہ کی تعریف:	۲۶۸
•	متشابہ کی دو قسمیں:	۲۶۸
•	ایک شبہ اور اس کا جواب:	۲۶۸
•	شان نزول:	۲۶۹
•	کج روی کا پہلا نقصان:	۲۷۰
•	کج روی کا سبب:	۲۷۰
•	کج روی کا دوسرا نقصان:	۲۷۱
•	متشابہات اللہ اور رسول کے درمیان راز ہے:	۲۷۲
•	کیا علماء متشابہات کی مراد جانتے ہیں؟	۲۷۲

•	دلوں کے ٹیڑھے پن سے بچنے کی دعا:	۲۷۳
•	جہنم میں مسلمانوں کا تہذیباً اور کافروں کا تعذیباً داخلہ ہو گا:	۲۷۵
•	حق کے اشتباہ کا فتنہ:	۲۷۶
•	حق کے اشتباہ کا فتنہ سب سے خطرناک ہوتا ہے:	۲۷۶
•	اندھے، گونگے اور بہرے فتنے ہوں گے:	۲۷۷
•	منکر معروف اور معروف منکر ہو جائے گا:	۲۷۷
•	مشاجراتِ صحابہ کی نوعیت:	۲۷۸
•	زمانۂ فتن میں حضرت ابو ہریرہ کا طرز عمل:	۲۷۸
•	جنگ صفین میں مقابل جماعت کی دوادارو اور جنازہ میں شرکت کا اہتمام:	۲۷۹
•	حضرت معاویہ کے نام شاہِ روم کا خط اور اس کا جواب:	۲۸۰
•	مقتول کیوں جہنمی ہے؟	۲۸۲
•	فتنوں سے کیسے بچا جائے؟	۲۸۲
•	فتنوں کو پہچانیں:	۲۸۲
•	حق کو تلاش کیا جائے:	۲۸۳
•	حق کی پہچان اہلِ حق سے کی جائے؟	۲۸۴
•	فتنوں سے بچنے کی دعا مانگیں:	۲۸۴
•	نماز اور صبر کا دامن نہ چھوڑا جائے:	۲۸۶
•	اعمالِ صالحہ اختیار کئے جائیں:	۲۸۷
•	حاکم اور امیر کی اطاعت کی جائے؟	۲۸۸
•	مسلمانوں کی اجتماعیت کے ساتھ وابستہ رہا جائے:	۲۸۸
•	حکام اور اہلِ حکومت سے دوری اختیار کی جائے:	۲۹۰
•	فتنوں سے حتی الامکان دور رہا جائے:	۲۹۰

•	خلوت نشینی اختیار کی جائے:	۲۹۱
•	زمانۂ فتن میں کمانوں کو توڑ دیا جائے اور تلواروں کو کند کر دیا جائے:	۲۹۱
•	زبان کو قابو میں رکھا جائے:	۲۹۲
	اتحاد کے فوائد و تدابیر اور اختلاف کے نقصانات	
•	تقویٰ کے تین درجے:	۲۹۳
•	تقویٰ کا حق کیا ہے؟	۲۹۴
•	تقویٰ کا حاصل اطاعت و ذکر و شکر ہے:	۲۹۴
•	نفل عبادت کے مقابلے میں نافرمانی سے بچنا اصل ہے	۲۹۴
•	جیسی زندگی ویسی موت:	۲۹۵
•	ایک شبہ اور اس کا جواب:	۲۹۶
•	اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں:	۲۹۷
•	غیر اختیاری امور کو اختلاف کی بنیاد نہیں بنانا چاہیے:	۲۹۷
•	اعتصام بحبل اللہ کے فوائد:	۲۹۸
•	اعتصام بحبل اللہ کا دوسرا فائدہ:	۲۹۹
•	اعتصام بحبل اللہ کا تیسرا فائدہ:	۳۰۰
•	اعتصام بحبل اللہ کا چوتھا فائدہ:	۳۰۰
•	دینی انقلاب کے لئے اعمال کے ساتھ اتحاد ضروری ہے:	۳۰۰
•	آپسی محبت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے:	۳۰۲
•	اپنے ساتھ دوسروں کی اصلاح بھی ضروری ہے:	۳۰۴
•	منکرات پر خاموشی بھی منکر ہے:	۳۰۵
•	منکرات پر خاموشی عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے:	۳۰۶
•	عذاب الٰہی کے نزول کے اسباب:	۳۰۶

•	دعوت الی الخیر کے تین درجے:	٣٠٧
•	دعوت کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:	٣٠٨
•	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے آداب:	٣٠٨
•	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حدود:	٣٠٩
•	اختلاف کے نقصانات:	٣١٠
•	کسی کی عزت و آبرو پر حملہ کا عذاب:	٣١١
•	اختلافات کا دوسرا نقصان:	٣١١
•	اختلاف کا تیسرا نقصان:	٣١٣
•	اختلاف کا چوتھا نقصان:	٣١٣
•	اختلاف کا پانچواں نقصان:	٣١٣
•	اختلاف کا چھٹا نقصان:	٣١٤
•	اختلاف کا ساتواں نقصان:	٣١٤
•	اختلاف کا آٹھواں نقصان:	٣١٤
•	آپس میں محبت اور اتحاد کی تدبیریں:	٣١٥
•	اتحاد اور محبت کا قرآنی نسخہ:	٣١٥
•	سلام کو رواج دیا جائے:	٣١٥
•	لفظِ سلام کے فوائد:	٣١٦
•	آمد و رفت کا اہتما کریں:	٣١٦
•	نرمی اختیار کریں:	٣١٧
•	عفو و درگزر سے کام لیں	٣١٧
•	صلح کی کوشش کریں	٣١٧
•	مصالحت کے شرعی حدود	٣١٨

•	ہدایا دینے کا اہتمام کریں	۳۱۸
•	برائی کا بدلہ اچھائی سے دیں	۳۱۸
•	اتحاد کی بنیاد ایمان پر رکھیں:	۳۱۹
•	ایذا رسانی سے بچیں:	۳۱۹
•	معاشرت کو درست کریں:	۳۱۹
•	اہل حق کو ان کا حق دیا جائے:	۳۲۰
•	معاملات میں گڑبڑ تعلقات کے بگاڑ کا سبب ہے:	۳۲۰

اختلافات اور ان کے اسباب و آداب

•	اختلاف اور اتحاد میں اعتدال کی راہ:	۳۲۲
•	صلحِ کل اسلامی تعلیم نہیں:	۳۲۲
•	قوم و نسل رنگ و زبان کا اختلاف بطور تعارف ہے:	۳۲۳
•	اختلاف کا مدار:	۳۲۴
•	ائمہ مجتہدین کا اختلاف مذموم نہیں بلکہ محمود ہے:	۳۲۵
•	کونسا اختلاف قابل مذمت ہے؟	۳۲۶
•	عقائد اور اعمال کا معیار:	۳۲۶
•	اہل السنۃ والجماعۃ کی تعبیر حدیث ہی سے ماخوذ ہے:	۳۲۷
•	اللہ کی نبی کے ساتھ اور نبی کی صحابہ کے ساتھ معیت:	۳۲۸
•	”اہل السنۃ والجماعۃ“ کی مختلف جماعتیں:	۳۲۹
•	محدثین:	۳۳۰
•	متکلمین:	۳۳۰
•	فقہاء:	۳۳۱
•	صوفیاء:	۳۳۲

•	مفسرین:	۳۳۲
•	ایک نکتہ:	۳۳۲
•	امت میں اختلاف کی ابتداء:	۳۳۴
•	خوارج کی پیشین گوئی:	۳۳۴
•	فتنۂ خوارج:	۳۳۵
•	صحابہ قرآن خواں بھی تھے اور قرآن داں بھی:	۳۳۵
•	فتنہ کی وجہ قرآن دانی کا نہ ہونا اور عقل سے مرعوبیت تھی:	۳۳۶
•	قرآن پاک کے جامع ہونے کا مطلب:	۳۳۶
•	شریعت کو عقل کے ترازو میں تولنا بے عقلی ہے:	۳۳۷
•	عقل کو معیار بنانے میں نقص:	۳۳۷
•	اعتقادی اختلاف کی تین صورتیں:	۳۳۸
•	عقائد کا اختلاف اور اس کے اسباب:	۳۳۹
•	اعتقادی اختلاف کا پہلا سبب:	۳۳۹
•	اعتقادی اختلاف کا دوسرا سبب:	۳۳۹
•	اعتقادی اختلاف کا تیسرا سبب:	۳۳۹
•	دنیوی اختلافات اور اس کے اسباب:	۳۴۰
•	دنیوی اختلاف کا پہلا سبب:	۳۴۰
•	بدگمانی میں سوء خاتمہ کا خطرہ ہوتا ہے:	۳۴۰
•	اہلِ حق کو برا بھلا کہنے کا دنیوی وبال:	۳۴۱
•	زبان درازی کا ایک اور نقصان:	۳۴۱
•	حسنِ ظن کے لئے نہیں بلکہ سوءِ ظن کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے	۳۴۱
•	بری خبر معلوم ہو تو اس کی تاویل کی جائے:	۳۴۲

•	تاویل کا معیار:	۳۴۲
•	رائے کے قیام سے پہلے تحقیق بھی ضروری ہے:	۳۴۳
•	سوشل میڈیا اور ہمارا افسوسناک طرز عمل:	۳۴۳
•	سوشل میڈیا کا غلط استعمال اور اس کا نتیجہ:	۳۴۴
•	حالات کی تحقیق کا حق کس کو ہے؟	۳۴۵
•	تحقیق میں تصحیحِ نیت بھی ضروری ہے:	۳۴۵
•	بدگمانی اور شکایت کی صورت میں اصلاح کا طریقہ:	۳۴۵
•	اصاغر اکابر کے مصلح بن گئے:	۳۴۶
•	یہ اصلاح نہیں عیب جوئی ہے:	۳۴۶
•	دنیوی اختلاف کا دوسرا اور تیسرا سبب:	۳۴۷
•	یہود ونصاریٰ کی دو بیماریاں:	۳۴۷
•	مارکٹ میں برکت کی وجہ:	۳۴۸
•	حسد اور کینہ میں فرق:	۳۴۹
•	دنیوی اختلاف کا چوتھا سبب:	۳۴۹
•	دنیوی اختلاف کا پانچواں سبب:	۳۵۰
•	زبان کا جو حکم ہے قلم کا وہی حکم ہے:	۳۵۰
•	دنیوی اختلافات کا چھٹا سبب:	۳۵۱
•	ناحق کے لئے جھگڑا چھوڑنے پر بھی اجر:	۳۵۱
•	حق دار کے لئے حق چھوڑنے کی فضیلت:	۳۵۱
•	اختلاف میں احقاقِ حق اور اظہارِ ظلم دونوں ضروری ہیں:	۳۵۲
•	نام نہاد غیر شرعی پنچایتوں سے بچیں:	۳۵۳
•	فقہی اختلاف اور اس کے اسباب:	۳۵۴

•	فقہی اختلاف کا پہلا سبب:	۳۵۴
•	فقہی اختلاف کا دوسرا سبب	۳۵۵
•	فقہی اختلاف کا تیسرا سبب:	۳۵۵
•	فقہی اختلاف کا چوتھا سبب:	۳۵۵
•	فقہی اختلاف کا چوتھا سبب:	۳۵۸
•	فقہی اختلاف کا پانچواں سبب:	۳۵۸
•	اجماع کی اقسام:	۳۵۹
•	اجماع کے درجے:	۳۵۹
•	فقہی اختلاف کا چھٹا سبب:	۳۶۰
•	اختلاف کے حدود و آداب:	۳۶۰

اسلام و کفر اور اصول تکفیر

•	اختلاف کی تکوینی حکمت:	۳۶۲
•	عقل کی پیدائش کیوں؟	۳۶۵
•	اختلاف کا فطری سبب:	۳۶۶
•	اختلاف کرنے والے رحمتِ الٰہی سے محروم ہوتے ہیں:	۳۶۶
•	اختلاف ایک فطری چیز ہے:	۳۶۷
•	داعی کی محنت اور بندہ کی طلب سے اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے:	۳۶۷
•	حضرت عمر کا خوف و رجاء:	۳۶۸
•	صحابہ کا ڈر:	۳۶۸
•	جنت اور جہنم کیسے بھرے جائیں گے؟	۳۶۹
•	اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے	۳۶۹
•	دنیاوی زندگی کافروں کو بھلی لگتی ہے:	۳۷۰

•	اہلِ ایمان کی تحقیر ہر زمانے میں رہی:	۳۷۱
•	مومنین کافروں کا قیامت میں استہزاء کریں گے:	۳۷۱
•	منافقین کی جرأت:	۳۷۳
•	کافروں کی ایذا رسانیوں پر مومنین کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟	۳۷۳
•	کثرتِ مال خدا کے راضی ہونے کی دلیل نہیں:	۳۷۴
•	اصحابِ صفّہ کی حالت:	۳۷۴
•	پہلے سب خدا کی وحدانیت پر متفق تھے:	۳۷۵
•	امت میں وحدت کا زمانہ کونسا تھا اور کب تک تھا؟	۳۷۵
•	انسانیت کی تقسیم:	۳۷۶
•	توحید کی بنیاد پر قومیت کی تقسیم عین منشأ قرآنی ہے:	۳۷۷
•	دعوت کا اصول بشارت و نذارت ہے:	۳۷۸
•	اُمت میں وعدوں اور وعیدوں کی تعلیم کے حلقوں کا فقدان:	۳۷۸
•	تعلیم کا مقصد:	۳۷۸
•	صحابہ کا مزاج:	۳۷۹
•	اصولی اختلاف فرض ہے	۳۸۰
•	حضرت ابراہیم کا نمونہ:	۳۸۱
•	کفر کی مختلف صورتیں:	۳۸۲
•	کفر کی دوسری صورت:	۳۸۲
•	کفر کی تیسری صورت:	۳۸۲
•	کفر کی چوتھی صورت	۳۸۳
•	کفر کی پانچویں صورت:	۳۸۳
•	تکفیر اور عدم تکفیر کے سلسلہ میں بے اعتدالی:	۳۸۴

•	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ:	۳۸۴
•	کسی کو کافر قرار دینے کے سلسلہ میں قرآنی تعلیم:	۳۸۵
•	کفر کا حکم لگانے میں نبوی تعلیمات:	۳۸۶
•	اہلِ ایمان کی تین علامتیں:	۳۸۷
•	کفر اور اسلام کی محتمل عبارتوں کا محمل:	۳۸۷
•	کفر اور تکفیر میں نزاکت:	۳۸۸
•	ایک غلط تعبیر کی اصلاح:	۳۸۸
•	تکفیر کا بنیادی اصول:	۳۹۰
•	آیاتِ قرآنیہ اور حدیثِ متواتر کے انکار کا حکم:	۳۹۱
•	سفر اسراء کے منکر کا حکم:	۳۹۲
•	کیا تکفیر کے لئے قطعی الثبوت کے ساتھ بدیہی ہونا بھی ضروری ہے؟	۳۹۳
•	غیر بدیہی امور میں تکفیر سے شرعی ہدایات	۳۹۴
•	دینی امور کے بدیہی ہونے کا معیار:	۳۹۴
•	زندیق کی تعریف؟	۳۹۴
•	اسلام اور کفر کی اجمالی صورت	۳۹۵
	اختلاف کی اقسام اور ان کے احکام	
•	اختلاف کی بنیادی دو قسمیں:	۳۹۷
•	اختلاف کی دس قسمیں:	۳۹۸
•	اختلافِ حقیقی:	۳۹۹
•	اختلاف غیر حقیقی:	۳۹۹
•	اختلاف حقیقی کی پہلی قسم اور اس کا حکم	۴۰۰
•	اختلاف کی دوسری قسم اور اس کا حکم:	۴۰۱

•	اختلاف کی تیسری قسم اور اس کا حکم:	۴۰۲
•	حدیث "اختلاف امتی رحمۃ" کی تحقیق:	۴۰۲
•	"اختلاف امتی رحمۃ" کی تشریح	۴۰۳
•	حدیثِ مذکور کی مرجوح توجیہ:	۴۰۴
•	اختلاف کے رحمت ہونے کی مثال:	۴۰۵
•	رفع یدین نہ کرنے کے دلائل اور وجوہات:	۴۰۷
•	مسئلہ تیمم:	۴۱۰
•	تیمم امت محمدیہ کی خصوصیت ہے:	۴۱۰
•	تیمم کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک	۴۱۰
•	اجتہادی مسائل میں اصل فیصل اللہ تعالیٰ ہیں:	۴۱۲
•	اجتہادی مسائل منکر میں داخل نہیں:	۴۱۳
•	اجتہاد کے شرائط:	۴۱۳
•	اختلاف کی چوتھی قسم:	۴۱۴
•	نفس پرست مسلمانوں کی دینی حالت کی مثال:	۴۱۵
•	اختلاف کی پانچویں قسم:	۴۱٦
•	اختلاف کی چھٹی قسم:	۴۱۷
•	اختلاف کی ساتویں قسم:	۴۱۷
•	اختلاف کی آٹھویں قسم:	۴۱۷
•	اختلاف کی نویں قسم:	۴۱۸
•	اختلاف کی دسویں قسم:	۴۱۸

کلماتِ بابرکات

پیرِ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

(صدر مجلس تحفظ ختم نبوت و دینی مدارس بورڈ و سرپرستِ اعلیٰ شریعہ بورڈ آف انڈیا)

موجودہ حالات کے تناظر میں زیرِ نظر کتاب ''فتنے اور اختلافات'' جو تقریبا چار سو انیس صفحات اور کئی ایک اہم اہم عناوین پر مشتمل نہات وقیع و ضخیم تصنیف کو متعدد مقامات سے تفصیلا دیکھنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا، مختلف کتابوں میں پھیلا ہوا اتنے وسیع مواد کا ایک جگہ جمع کر دینا برادرِ محترم مفتی محمد نوال الرحمن صاحب کے امت کے تئیں فکر مند رہنے اور حالات کی تمام نزاکتوں سے واقف رہنے کا کھلا ثبوت ہے۔

چنانچہ اس قابل قدر دیرینہ سعی وکاوش کے لئے یہ کہا جائے تو بعید نہ ہو گا کہ یہ پیاسے کے لئے سخت پیاس کی شدت میں پانی، بھوک سے جان کنی کے عالم میں غذا اور فتنوں کی شب تاریک کے بعد امید کی ہمت افزاء کرن کی حامل ہے۔ کیونکہ اکثر علماء کی رائے کے مطابق بظاہر یہی وہ زمانہ ہے جس کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے مختلف پیشین گوئیوں سے امت کو نہ صرف متنبہ کیا ہے بلکہ اس وقت امت کو کیا کرنا ہے اس کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے، ضرورت اس بات کی تھی کہ آیات وروایات کے ذخیرے سے اس مواد کو نکال کر امت کے سامنے پیش کیا جائے، نیز فتنوں کی اقسام، ان میں پایا جانے والا تنوع اس سلسلہ میں امت مسلمہ کی غفلت اور آیات وروایات وآثار کے ذریعہ اس کا علاج، موضوع سے متعلق مضامین کا استیعاب، پھر نہایت نکتہ سنجی کے ساتھ اس کی تہذیب وتنسیق، ہر عام وخاص کے فہم کو چھونے والی گوناگوں خصوصیات کی حامل یہ کتاب وقت کا عین تقاضہ اور امت کی عین ضرورت ہے۔

اللہ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادے مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد صاحب اور ان کے معاونین کو جنہوں نے اپنی جہد مسلسل اور سعی پیہم سے اس وقیع المرتبت تصنیف کو منظر عام پر لانے اور امت کی شدید پیاس کو بجھانے کا انتظام فرمایا، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے، اور لوگوں کو خوب استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد جمال الرحمن مفتاحی عفی عنہ

ابتدائیہ

حضرت مولانا سید احمد ومیض صاحب ندوی مدظلہ

خلیفہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی دامت برکاتہم و نائب سرپرست شریعہ بورڈ آف انڈیا

حضرۃ الاستاذ، مفسرِ قرآن، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی شاہ محمد نوال الرحمان صاحب دامت برکاتہم عصرِ حاضر کی ان عبقری شخصیات میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم و عمل، فقہ و بصیرت، فصاحت و بلاغت اور ورع و تقویٰ جیسی بے پناہ صفاتِ قبولیت سے نوازا ہے، آپ ایک جامع الکمالات شخصیت کے حامل ہیں، آپ جہاں ایک عظیم محدث ہیں اور عرصۂ دراز سے دارالعلوم شکاگو میں بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں وہیں ایک باکمال مفسر بھی ہیں جن کے دروسِ تفسیر سے ایک عالَم مستفید ہورہا ہے، آپ ایک کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ داعیانہ بصیرت کے حامل عظیم داعی بھی ہیں، رسوخ فی العلم آپ کا وصفِ امتیازی ہے، فقہ و افتاء اور حدیث و تفسیر کے علاوہ علومِ اسلامیہ میں غیر معمولی تعمق رکھتے ہیں۔

آپ کی ایک امتیازی شان یہ ہے کہ آپ جہاں علوم نقلیہ میں بے پناہ دسترس رکھتے ہیں وہیں علومِ عقلیہ منطق وفلسفہ کے میدان کے بھی شہسوار ہیں، قریب نصف صدی تک فقہ و افتاء کی مشغولیت کی وجہ سے آپ کا شمار ملک کے صف اول کے مفتیان کرام میں ہوتا ہے، ذاتی کمالات میں تنوع کی طرح آپ کی خدمات کا دائرہ بھی کافی وسیع اور ہمہ جہت ہے، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، بیعت وارشاد، درس و تدریس اور وعظ و بیان جیسی دینی خدمات کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جسے مفتی صاحب مدظلہ نے سیراب نہ کیا ہو، اپنی گوناگوں علمی و دعوتی خدمات سے امت کو مستفید کرنے کے لئے مفتی صاحب نے مختلف اداروں کا قیام عمل میں لایا ہے، اور ان کی سرپرستی فرمارہے ہیں، چنانچہ آپ دارالعلوم شکاگو کے بانی و ناظم اور شریعہ بورڈ آف امریکہ کے چیرمین ہونے کے ساتھ ساتھ امریکہ کی مختلف دعوتی تنظیموں اور علمی اداروں کے سرپرست ہیں۔

مفتی صاحب نے اپنی دینی خدمات کے لئے بڑی دور اندیشی کے ساتھ دیارِ مغرب کا انتخاب فرمایا۔ الحاد و دہریت کے گڑھ یعنی امریکہ کی سرزمین میں علم و دعوت کی شمع جلانا کوئی آسان کام

نہیں ہے، اسلام دشمن مغربی ماحول میں دعوت دین کا فریضہ وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو بے پناہ داعیانہ بصیرت کے ساتھ مادہ پرست مغربی تہذیب کا گہرا مطالعہ رکھتا ہو۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم گزشتہ ربع صدی سے مغرب کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں توحید ورسالت کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔ سرزمین امریکہ کے مختلف خطوں میں مفتی صاحب کے دعوتی دوروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اسی طرح شکاگو میں قائم اپنے مختلف علمی اداروں کی شاخیں بھی امریکہ کی مختلف ریاستوں میں قائم فرمایا ہے، اباحیت اور فکری آزادی کے مغربی ماحول میں مفتی صاحب اکابر دیوبند اور منہجِ سلف کی آبیاری فرمارہے ہیں۔

درس و تدریس کے علاوہ تفسیر قرآن اور اصلاحی و علمی خطابات خصوصاً میدان تفسیر اور علوم القرآن حضرت مفتی صاحب کا نہایت پسندیدہ موضوع ہے، آپ کو قرآنیات پر گہری نظر اور تفسیر قرآن کا طویل تجربہ حاصل ہے، شکاگو میں عرصۂ دراز سے مفتی صاحب کے درسِ تفسیر کا سلسلہ جاری ہے، مفتی صاحب کے موضوعاتی دورس قرآن اور دیگر علمی واصلاحی خطابات کے کئی مجموعے شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں، شریعہ بورڈ آف انڈیا اب تک مفتی صاحب مدظلہ کے درس قرآن اور خطابات کے متعدد مجموعے شائع کر چکا ہے، زیر نظر مجموعہ اسی مبارک سلسلہ کی کڑی ہے، ساڑھے چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل اس مجموعہ میں ان خطابات کو جمع کیا گیا ہے جو موجودہ دور کے فتنوں اور امت مسلمہ میں پائے جانے والے اختلافات سے متعلق ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے شریعہ بورڈ آف امریکہ کے آفس میں فتنوں سے متعلق سلسلہ وار خطبات دئے، جسے سامعین نے بے حد پسند کیا، فتنوں کا موضوع انتہائی حساس ہونے کے ساتھ عصرِ حاضر میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، فتنوں کا یہ وہی دور ہے جس کی نبی کریم ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ دنیا میں اس وقت جس قسم کے حالات رونما ہو رہے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب قیامت زیادہ دور نہیں، موجودہ دور کے مسلمان فتنوں کی لپیٹ میں آچکے ہیں، ہر دن ایک نیا فتنہ سر اٹھاتا ہے، علمی عملی اعتقادی اور تہذیبی فتنوں کی یلغار ہے، ان حالات میں جہاں مختلف قسم کے فتنوں سے واقفیت ضروری ہے وہیں ان فتنوں سے تحفظ کی تدابیر کیا ہیں اس کی جانکاری بھی ضروری ہے، زیرِ نظر مجموعۂ خطبات میں ایک طرف تفصیل کے ساتھ فتنوں کی اقسام

پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دوسری طرف ان سے بچنے کی تدابیر کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔

ویسے فتنوں سے متعلق اردو زبان میں کتابوں کی کمی نہیں ہے، کتبِ احادیث کے کتاب الفتن سے استفادہ کرتے ہوئے کئی معاصر شخصیات نے فتنوں پر قلم اٹھایا ہے لیکن خطبات کے زیرِ نظر مجموعہ میں فتنوں پر جس شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی گئی اور فتنوں سے متعلق جس قدر جزئیات کے احاطہ کی کوشش کی گئی اس کی نظیر کم ہی ملتی ہے، عصرِ حاضر کے فتنوں پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے بہت سی معاصر شخصیات کا قلم اعتدال سے ہٹ گیا ہے، زیرِ نظر خطبات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں صاحب خطبات نے ہر جگہ سلف کی تشریحات اور کتاب وسنت کے نصوص کو بنیاد بنایا ہے، اور معاصر فتنوں کی تعیین میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا، کتاب کا وہ حصہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے جس میں فتنوں سے تحفظ کی مختلف تدابیر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ سارے خطبات میں علمیت جھلکتی ہے، بے پناہ سلاست وروانی ہے۔ انداز بیاں دل کو چھونے والا ہے، اور دماغ کو اپیل کرنے والا ہے، موجودہ پر فتن دور میں ان خطبات کا مطالعہ علماء اور عوام دونوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہے، خطبات میں موجود احادیث و آیات اور واقعات کی تخریج کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ اس مجموعۂ خطبات کے مرتب حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے لائق فرزند جواں سال فاضل مفتی عطاء الرحمن ساجد نے اس کو بحسن وخوبی انجام دیا ہے۔ تخریج وحوالہ جات کے اہتمام نے خطبات کی اہمیت مزید دوبالا کر دیا ہے، حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے اس سلسلہ خطبات کی اشاعت کے لئے فالِ نیک یہ ہے کہ اس کام کو عارف باللہ محبوب العلماء والصلحاء مربی کامل استاذ الاساتذہ مخدومنا حضرت شاہ جمال الرحمان صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضھم کی سرپرستی حاصل ہے، اللہ تعالیٰ حضرت کو صحت و عافیت عطافرمائے، اور آپ کا سایہ امت پر تا دیر قائم رکھے۔ شریعہ بورڈ آف انڈیا مبارکبادی کا مستحق ہے کہ اس نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے ان قیمتی خطبات کو شائع کر کے علماء اور عوام کے لئے استفادہ کی راہ ہموار کر دی، اللہ تعالیٰ صاحبِ خطبات کا فیض عام فرمائے۔ (آمین)

عرضِ مرتّب

الحمدللہ و الصلاۃ و السلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔اما بعد۔

خالقِ کائنات نے دنیا کے اس نظام کو اختلاف سے زینت بخشی ہے، انسان ہو یا جنات اختلاف سب کی فطرت میں داخل ہے، سب سے پہلا اختلاف انسانیت کے ازلی دشمن شیطانِ مردود نے رب ذوالجلال کی نافرمانی اور علوی و سفلی کا فرق ظاہر کر کے کیا تھا، پھر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت اور صفاتِ جلالیہ و جمالیہ کے اظہار کے لئے لطافت و کثافت ، اسلام و کفر ، ہدایت و ضلالت ، عقائد و اعمال، علم و جہل، عدل و ظلم ،صفات و احوال ، رنگ و زبان ، غربت و ثروت اور صحت و مرض کا اختلاف رکھا۔ جو دراصل شانِ خالقیت کا اظہار اور حکمتِ الٰہی کا عین مقتضیٰ ہے۔

جس طرح کائنات کا یہ نظامِ اختلاف قدرتِ باری کا مظہر اور اس کی حکمت کے عین مقتضی ہے وہیں یہ انسان کے لئے فتنہ اور آزمائش کا ذریعہ بھی ہے کہ آیا انسان اس دارِ فانی اور اس کے نظام ہی کو سب کچھ سمجھ کر اسی میں محو ہو جاتا ہے یا پھر اپنے خالق اور مالک کو پہچان کر اس کے قرب کی کوشش کرتا ہے جو اس کی پیدائش کا مقصد ہے، اسی لئے حق تعالیٰ شانہ نے صحیح اور غلط کی پہچان اور اپنی معرفت کے لئے انسان کو عقل اور اختیار عطا فرما کر دنیا میں بھیجا تاکہ اس کو فتنوں کے ذریعہ آزما کر اس کے حق میں جنت و جہنم کا فیصلہ فرمائے۔

زیرِ نظر کتاب ’’فتنے اور اختلافات‘‘ محترمی و معظمی، مخدومی و مطاعی، مشفقی و مربی والدِ گرامی ، مفسرِ قرآن، فقیہ العصر شیخِ طریقت حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دام ظلہم العالی کے ان علمی اور دقیق افادات کا مجموعہ ہے جن میں حضرت اقدس نے حالات اور وقت کی ضرورت کے پیشِ نظر تقریبا دس سال قبل اختلاف اور فتنوں سے متعلق سہل اور منفرد انداز میں سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ علمی و عملی، دینی و دنیوی اور اعتقادی فتنوں کے اثرات اور ان سے بچنے کی تدابیر پر خوب روشنی ڈالی ہے۔

ان خطبات کی اہمیت اور احباب کے اصرار پر شریعہ بورڈ آف انڈیا بحمد اللہ اس مجموعہ کو زیور طبع سے آراستہ کر کے قارئین کی نذر کر رہا ہے، قارئین سے التماس ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ

سے قبل ان امور پر ایک نظر ڈال لیں جن کا دوران ترتیب لحاظ رکھا گیا ہے، تاکہ مطالعہ میں سہولت ہو اور استفادہ آسان ہو۔

(۱) قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ، واقعات اور تفاسیر کی المکتبۃ الشاملۃ کے موافق للمطبوع نسخوں کے ذریعہ حتی الامکان تخریج کی گئی ہے۔ اور بالخصوص نصوص کے عربی متن کو بھی نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۲) عربی عبارات پر اعراب کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۳) ربط و ترتیب کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۴) تصحیحِ املاء کی بھی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔

(۵) ممکنہ طور پر تحریری قالب میں ڈھالنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ان خطبات کا خطابی اسلوب بھی برقرار رہے، تاکہ قارئین ایک طرف حضرت والا کے خطابی انداز سے محظوظ ہوں اور دوسری طرف حضرت کے الہامی کلمات کی برکات سے مستفید بھی ہوں۔

(۶) موضوع سے متعلق عوام کی استعداد کے مطابق مواد باقی رکھا گیا ہے۔

(۷) کہیں کہیں حضرت کے ایماء پر موضوع سے متعلق کچھ مواد کا اضافہ کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ ایک بشری کاوش ہے، جس میں لغزش و خطا کا امکان بہر صورت باقی ہے، اس لئے اہل علم سے درخواست ہے کہ اگر اس میں کوئی بات قابلِ اصلاح نظر آئے تو اسے احقر کی کوتاہ دستی اور نااہلی سمجھ کر اس کی نشاندہی فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

اس موقع پر راقم الحروف شریعہ بورڈ آف انڈیا کے مؤقر علماءِ کرام مولانا عتیق الرحمن صاحب فاروقی، مفتی احمد عبد الرؤف صاحب قاسمی اور مفتی محمد انعام الرحمن جمیل صاحب قاسمی کا بے حد ممنون و مشکور ہے، جن کا بندۂ عاجز کے ساتھ تصحیح و ترتیب اور اہم مشوروں کے ذریعہ قابلِ قدر تعاون شامل رہا، نیز محترم جناب سید نذیر احمد صاحب قادری کا بھی بے حد ممنون ہے کہ اُنہوں نے کمپوزنگ اور کتاب کی زیب و زینت کے تمام مراحل بحسن و خوبی انجام دئے۔ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر محترم جناب عارف اقبال صاحب (مقیم شکاگو) کا شکریہ ادا نہ کیا جائے کہ جنہوں نے سفر و حضر میں حضرت کے تقریباً سبھی خطبات کو تواریخ کے ساتھ ریکارڈ کیا، اور اس مجموعہ کو کتابی

شکل دینے میں مفید مشوروں سے نوازا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک حضرت کا سایہ تا دیر ہم پر قائم رکھے، اور حضرت کو صحت عطا فرمائے، اور حضرت کے ان خطبات کو عوام و خواص ہر دو کے لئے مفید بنا کر شرفِ قبولیت سے نوازے، اور ہم سب کے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔

مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

(مدیر شریعہ بورڈ آف انڈیا)

بسم الله الرحمن الرحيم

فتنہ کی تشریح اور دورِ فتن کی علامات:

نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا۔ اَمَّا بَعۡدُ۔ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

”وَاتَّقُوۡا فِتۡنَۃً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَآصَّۃً وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ“

(الانفال:۲۵)

”اور تم ایسے وبال سے بچو جو خاص انہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

تمہید:

یہ آیت سورۂ اعراف کی ہے، اس کا انتخاب اس پس منظر میں کیا گیا ہے کہ یہ دور دورِ فتن ہے، اور ہم سب اس فتنہ اور ابتلاء والے دور سے گزر رہے ہیں، اور یہ نام ہم نے نہیں بلکہ حضور پاک ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ نے اس آنے والے دورِ فتن کی اطلاع دی بلکہ اُن فتنوں کی نوعیتیں، ان کی صورتیں، ان کی علامات، اور ان سے متعلق رہنمائی بھی فرمائی ہے، یہ حضور پاک ﷺ کی اس اُمت کے ساتھ مہربانی اور شفقت ہے کہ آپ نے پہلے ہی سے ان کی نشاندہی فرمادی، تاکہ یہ اُمت اُن فتنوں کو سمجھنے میں غلطی نہ کرے، اور ان سے اپنے آپ کو بچانے کی تدبیر کرے۔ اس لئے ارادہ ہوا کہ ان فتنوں کی آیات اور ان کی کچھ تفصیل آپ حضرات کے سامنے بیان کی جائے، تاکہ ہمیں فتنوں کی صورتوں اور ان کی نوعیتوں کا اندازہ ہو، اور ہمارے دل میں بھی یہ احساس اور فکر پیدا ہو کہ

ایسی صورتِ حال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے ؟ اور شریعت کی ایسے وقت ہمارے لئے کیا رہنمائی ہے ؟ اور ان سے ہمیں کیسے بچنا چاہئے ؟

فتنہ کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

اس کے لئے سب سے پہلے فتنہ کے معنیٰ کو سمجھنا چاہیے، اس کے معنیٰ ہیں سونے اور چاندی کو جانچنے کے لئے آگ میں ڈال کر پگھلانا، اور اُس کے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کرنا۔ فتنوں کی صورت میں انسان کو چونکہ مختلف حالات میں مبتلا کر کے اُس کے کھرے اور کھوٹے پن کو جانچا جاتا ہے کہ آیا وہ ان حالات میں تذبذب کا شکار ہو کر فتنے سے متأثر ہو کر اپنی خواہشات پر چلتا ہے اور ان سے متأثر ہو کر بُرائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ان حالات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے یا باہمت ہو کر اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے اور صبر و برداشت کرتا ہے، اور کوئی ناجائز کام نہیں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر کرتا ہے، اس لئے ایسی چیزوں کے لئے اور ہر اس چیز پر فتنہ کا اطلاق کیا جانے لگا جس میں امتحان اور آزمائش ہو یا وہ امتحان اور آزمائش کا سبب ہو۔ (تفسیرِ رازی: ۱۱۱/۵)

قرآن مجید میں فتنہ کے مصداقات:

قرآن مجید میں فتنہ کا اطلاق بہت سے منکرات پر کیا گیا ہے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) فتنہ کا اطلاق شرک پر کیا گیا۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ“ (الانفال:۳۹)

اور تم ان کفارِ عرب سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ یعنی شرک نہ رہے اور دین خالص اللہ ہی کا ہو جائے۔

حضرت حسن بصری، امام مجاہد، ابو لعالیہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مراد شرک ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵۶/۴)

(۲) فتنہ کا اطلاق نفاق پر کیا گیا۔ جیسے سورۂ حدید میں ہے: ”فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ“ (الحدید: ۱۴)

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں فتنہ کی تفسیر نفاق سے کی ہے۔ (روح المعانی: ۳۲۳/۲۰)

(۳) فتنہ کا اطلاق ضلالت و گمراہی پر کیا گیا۔ جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ" (الصافات: ۱۶۲۔ تفسیر بغوی: ۶۳/۷)

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہاں فاتن سے گمراہ کرنے والے لوگ مراد ہیں۔ ایسے ہی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَن يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ" (المائدہ: ۴۱) اس میں بھی ضلالت ہی کے معنیٰ مراد ہیں۔ (روح المعانی: ۴۹۱/۴)

(۴) راہِ حق سے روکنے پر کیا گیا۔ جیسے ارشاد ہے: "وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ" (المائدہ: ۴۹) اور ایک جگہ ارشاد ہے: "وَإِن كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ" (الاسراء: ۷۳)۔ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مراد راہِ حق سے روکنا ہے۔ (غریب الحدیث: لابراہیم الحربی: ۹۳۷/۳)

(۵) فتنہ سے مراد امتحان، آزمائش اور ابتلاء ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کے ارشادات ہیں: "وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ" (العنکبوت: ۲) "وَلَقَدْ فَتَنَّا" (العنکبوت: ۳) "وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا" (طٰہٰ: ۴۰) "وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً" (الانبیاء: ۳۵۔ غریب الحدیث: ۹۳۷/۳)

عکرمہ، حسن بصری اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں فتنہ سے مراد ابتلاء، آزمائش اور امتحان ہے۔

(۶) فتنہ کا اطلاق لوگوں کی جانب سے دی جانے والی تکالیف اور عذاب پر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ" (العنکبوت: ۱۰) ضحاک کہتے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مراد تکالیف کا پہنچانا ہے۔ ایسے ہی ارشادِ ربانی ہے: "ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِن بَعْدِ مَا فُتِنُوا" (النحل: ۱۱۰) یہاں فتنہ میں پڑنے سے مراد دنیا میں عذاب اور تکالیف کا دیا جانا مراد ہے۔ (غریب الحدیث: ۹۳۵/۳)

(۷) اسی طرح فتنہ کا اطلاق آگ میں جلانے پر کیا گیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ" (البروج: ۱۰) ایسے ہی ارشاد ہے: "يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ" (الذاریات: ۱۳) کے بارے میں امام مجاہد، عکرمہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مراد آگ میں جلانا ہے۔ (غریب الحدیث: ۹۳۴/۳)

(۸)فتنہ کا اطلاق عذر اور حجت پر بھی کیا گیا۔ جیسے حق تعالیٰ کے ارشاد:”ثُمَّ لَمۡ تَكُنۡ فِتۡنَتُهُمۡ“ کے بارے میں قتادہ کہتے ہیں کہ یہاں فتنہ سے عذر مراد ہے۔ اور بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ حجت مراد ہے۔(تفسیر اضواء البیان:۵۶۰/۴)

(۹)فتنہ کا اطلاق عذاب پر بھی کیا گیا۔(روح المعانی:۳۶۸/۱۹) جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:”ذُوقُوا فِتۡنَتَكُمۡ“(الذاریات:۱۴)

(۱۰)فتنہ کا اطلاق شماتتِ اعداء یعنی کسی کی تکلیف پر دشمن کی جانب سے خوشی پر کیا گیا۔ جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:”لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِينَ“۔ ابو مجلز، عکرمہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے:”رَبَّنَا لَا تُظۡهِرۡهُمۡ عَلَيۡنَا فَيَرَوۡنَ أَنَّهُمۡ خَيۡرٌ مِنَّا“ یا اللہ ان کو ہم پر غالب نہ فرما ورنہ وہ ہمارے مقابلہ میں اپنے آپ کو اچھا اور بہتر سمجھیں گے۔ اور فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ اور ان کی سرکشی بڑھ جائے گی۔(غریب الحدیث للحربی:۹۳۴/۳)

(۱۱)فتنہ کا اطلاق قتل پر کیا گیا۔ جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:”إِنۡ خِفۡتُمۡ أَنۡ يَفۡتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوٓا“(یونس:۸۵) ایسے ہی ارشاد ربانی ہے:”عَلٰى خَوۡفٍ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَإِيهِمۡ أَنۡ يَفۡتِنَهُمۡ“(یونس:۸۳)۔(غریب الحدیث: لابراہیم الحربی:۹۳۱/۳ تا ۹۴۰)

(۱۲)فتنہ کا اطلاق دنیوی مصیبت اور معیشت کی تنگی پر بھی کیا گیا۔ جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَإِنۡ أَصَابَتۡهُ فِتۡنَةٌ انۡقَلَبَ عَلٰى وَجۡهِهٖ خَسِرَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةَ“(تفسیر طبری:۵۷۶/۱۸)

(۱۳)حرمات اللہ کی بے عزتی اور بے احترامی پر بھی فتنہ کا اطلاق کیا گیا۔(تفسیر البحر المحیط:۳۴/۲)

(۱۴)ایسے ہی وطن سے نکال دینے پر فتنہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔(تفسیر البحر المحیط:۳۴/۲)

(۱۵)فتنہ کا اطلاق گناہ معصیت اور منکرات کے ارتکاب پر کیا گیا۔ جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:”وَاتَّقُوا فِتۡنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا“(روح المعانی:۵۶/۷۔ تفسیر قرطبی:۳۷۳/۷)

(۱۶)فتنہ کا اطلاق ذلت و رسوائی پر بھی کیا گیا۔ جیسے ارشاد باری ہے:”وَمَنۡ يُرِدِ اللّٰهُ فِتۡنَتَهٗ“(المائدہ:۴۱۔ تفسیرِ رازی:۱۸۵/۱۱)

(۱۷)مشتبہات میں پڑنے پر بھی فتنہ کا اطلاق کیا گیا۔ جیسے ارشادِ باری ہے:”فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَاءَ الۡفِتۡنَةِ“(آلِ عمران:۷۔ درمنثور ۱۴۸/۲۔ تفسیر بغوی:۴۱۱/۱)

فتنوں کے متعدی وبال سے بچیں:

خطبہ میں پڑھی گئی آیتِ مبارکہ میں حق تعالیٰ شانہ نے فتنہ سے بچنے کا حکم دیا ہے:

"وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنكُمْ خَآصَّةً"

فتنہ سے بچو، بالخصوص اس فتنے سے جس کا وبال صرف ظالمین اور گنہگاروں کو نہیں بلکہ اُس سے وہ لوگ بھی متاثر ہوں گے جو اس میں مبتلا نہیں ہیں۔

اس آیت میں فتنہ سے گناہ، جہاد میں سستی، بدعتوں اور خلاف شرع امور کے ظہور کے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر دینا اور مداہنت کرنا مراد ہے۔" (روح المعانی: ۵۶/۷ ۔تفسیر قرطبی: ۳۷۳/۷) یہ فتنہ ایسا فتنہ ہے کہ اس کا وبال خود ان پر بھی ہو گا جو اس میں مبتلا ہیں، اور ان پر بھی ہو گا جو اس میں مبتلا نہیں ہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

فتنہ کا وبال متعدی کیوں؟

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ گمراہی میں مبتلا ہوئے ان کو سزا دینا تو ٹھیک ہے، لیکن جو گمراہی اور گناہوں میں مبتلا نہ تھے ان کو سزا کیوں ہے جبکہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

"وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرىٰ" (الأنعام: ۱۶۴) "كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ" (المدثر: ۳۸) "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" (البقرة: ۲۸۶) ہر ایک کو اس کے کئے کی سزا ملے گی، دوسروں کی برائیوں کا عذاب اور ان کی سزا کسی اور کو نہیں دی جائے گی، اور یہاں اس کے بر عکس ہے، یہ تو ناانصافی اور ظلم ہے کہ کرے کوئی اور بھگتے کوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو نیک لوگ ہیں یا وہ لوگ جو گناہ میں مبتلا نہیں ہیں ان کے سامنے جب گناہ کئے جاتے رہے تو ان کا فرض تھا کہ لوگوں کو اس سے روکتے، اپنی زبان سے یا اپنے ہاتھ سے، یا اپنی تقریرات سے یا اپنی تحریرات سے، لیکن ان لوگوں نے اس سے روکا نہیں اس لئے وہ بھی گویا منکر کا ارتکاب کئے اس لئے ان کو سزا دی جائے گی، اور اس عذاب میں ان کو بھی مبتلا کیا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۳۷۳/۷)

اس کے بعد والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات جتلائے ہیں کہ تم مکہ میں بہت تھوڑے تھے، کمزور شمار کئے جاتے تھے، اور اپنے مخالفین سے ڈرتے رہتے تھے، اس وقت اللہ نے تم کو مدینے میں رہنے کے لئے جگہ دی اور تمہاری مدد و نصرت فرمائی، اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تاکہ تم اللہ کے شکر گزار بندے بن جاؤ، کیونکہ دنیا کا ایک اصول ہے: ''اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَانِ'' ''انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے'' اس لئے انسان کے سامنے احسانات گنوا دیے گئے تاکہ وہ اپنے محسن یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی بات مانے۔ آیت کے مختصر خلاصہ کے بعد فتنہ سے متعلق موضوع کی طرف آیئے۔

فتنہ ٔ سامری:

ان فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ کفر اور شرک ہے، اور قرآن پاک میں متعدد جگہ فتنہ سے شرک ہی مراد لیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں جو فتنہ برپا ہوا تھا وہ سامری کی وجہ سے ہوا، اس نے یہ فتنہ پھیلایا تھا کہ بنی اسرائیل بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہو جائے، واقعہ اس کا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی علیہ السلام کو تورات دینے کے لئے کوہِ طور پر آنے کا حکم فرمایا، اور ساتھ ہی ان کی قوم کے چند اور لوگوں کو بھی ساتھ آنے کا حکم دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام باری تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں سب سے پہلے پہنچ گئے، اور قوم کے افراد ان کے پیچھے رہ گئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اے موسیٰ آپ کو اپنی قوم سے آگے اور جلدی آنے کا کیا سبب بنا؟

انہوں نے کہا کہ وہ لوگ میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں، اور میں سب سے پہلے اس لئے چلا آیا تاکہ آپ زیادہ خوش ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے چلے آنے کے بعد ایک فتنہ میں مبتلا کر دیا، اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام غصہ کی حالت میں اپنی قوم کی طرف واپس آئے اور کہنے لگے کہ اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم تم کو ایک کتاب احکام کی دیں گے، کیا تم پر بہت زیادہ زمانہ گزر گیا تھا کہ اللہ کے اس وعدہ سے ناامید ہو کر اپنی طرف سے ایک عبادت

ایجاد کرلی، یا تم یہ چاہتے ہو کہ تم پر رب کا غضب ہو، اس لئے کہ تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا کہ میری واپسی تک کوئی نیا کام نہیں کریں گے اور ہارون کی اطاعت کریں گے لیکن پھر بھی تم نے اس کے خلاف کیا اور سامری کے فتنہ میں پھنس گئے اور اس کے کہنے پر اپنا زیور تم نے آگ میں ڈال دیا بعض روایات میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اس گڑھے میں زیورات ڈالنے کا حکم دیا تھا، اس کے بعد سامری نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اٹھائی ہوئی مٹی اس میں ڈال دی، کیونکہ اس نے دیکھا تھا کہ جہاں اس کا قدم پڑتا تھا وہیں مٹی میں نشو و نما اور آثار حیات پیدا ہو جاتے تھے، اس نے اس مٹی کو اٹھالیا تھا، اور شیطان نے اس کے دل میں اس وقت وسوسہ ڈالا کہ وہ مٹی اس میں ڈال دے، جیسے ہی اس نے وہ مٹی اس میں ڈالی اس کا اثر یہ ہوا کہ سونے اور چاند کا پگھلا ہوا ڈھیر اس مٹی کے ڈالنے کی وجہ سے ایک زندہ بچھڑا بن کر بولنے لگا، اس کے بعد اس نے لوگوں سے کہا کہ یہ بھی معبود ہے، اس کو پوجو، وہاں سے فتنہ پیدا ہوا، اور پھر اس نے لوگوں کو دوبارہ بت پرستی میں مبتلا کر دیا۔ (طٰہٰ:۸۳ تا ۹۷) یہ ایسی عجیب و غریب قوم تھی کہ اتنا طویل زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں رہنے کے باوجود بھی اس پر جو اثر ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہوا۔

بنی اسرائیل محبت سے عاری تھے:

بزرگوں نے لکھا ہے کہ دراصل اس کی وجہ یہ تھی کہ اس قوم میں محبت نہیں تھی۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اللہ کے ساتھ اور اللہ کے پیغمبروں کے ساتھ بھی بدتمیزی اور بے ہودگی کیا کرتے تھے۔

غرض اللہ پاک نے اس کو فتنہ سے تعبیر کیا ہے، اور وہ فتنہ ان کی گمراہی اور بت پرستی کا تھی۔ (اضواء البیان: ۴/۷۸)

یہاں اللہ پاک نے فتنہ اور آزمائش کی نسبت اپنی جانب کی، اور گمراہی کی نسبت سامری کی طرف، حالانکہ فتنہ میں مبتلا ہونا اور گمراہ ہونا حق تعالیٰ کی جانب سے ہی تھا، لیکن گمراہی کی نسبت اپنی جانب نہیں کی، کیونکہ ظاہری طور پر سامری ان کے گمراہ ہونے کا سبب بنا، اور

سامری نے گمراہ کرنے کی کوشش کی، اور لوگوں نے خود گمراہی اختیار کی، جب کہ ان کو سوجھ بوجھ سے کام لینا چاہیے تھا، ابھی گمراہی سے نکل کر آئے تھے، پھر اسی میں مبتلا ہو گئے، اس لئے اللہ نے اس کی کوشش اور ان کے ارادہ کے مطابق ان کو فتنہ میں ڈال دیا، اور گمراہی کی نسبت اس کی طرف کر دی۔ کیونکہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، یہاں جیسی کوشش اور محنت ہوتی ہے اسی اعتبار سے نتیجہ سامنے آتا ہے، اہلِ حق بھی کوشش کرتے ہیں، اور اہلِ باطل بھی، ہر ایک کی کوشش کے اعتبار سے نتائج سامنے آتے رہتے ہیں۔ اور فتنے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

دنیا کے نظام میں خود فتنہ ہے:

میں نے اپنے بہت سے ساتھیوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ بعض مرتبہ ہم کوشش کر کے بعض نوجوانوں کو صحیح راستے پر لاتے ہیں اور دوسرے لوگ اُن نوجوانوں کو بھٹکا دیتے ہیں، کیونکہ دنیا دار الاسباب ہے، دار الامتحان ہے، یہاں جیسا سبب اختیار کیا جاتا ہے عموماً ویسا ہی نتیجہ دیکھنے میں آتا ہے، آپ نے صحیح کوشش کی تو اس کا نتیجہ سامنے آگیا، اور دوسرے نے اس کو صحیح راستے سے ہٹانے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بھی سامنے آگیا، یہاں کا نظام ہی ایسا ہے، کبھی اِدھر ڈھلکتا ہے کبھی اُدھر ڈھلکتا ہے، اسی وجہ سے دنیا کو دارالامتحان اور آزمائش کی جگہ کہا جاتا ہے، اس دنیا کے نظام میں خود فتنہ ہے، یعنی اس نظام میں انسان کے لیے آزمائشیں ہیں، یہاں ایسی صورتحال ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ آزمائش میں مبتلا ہونے سے اس کی سمجھ بوجھ بھی ختم جائے، وہ تو باقی رہتی ہے، اس لئے یہاں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے اور اپنے آپ کو بچانے کا حکم ہے۔ جو آدمی بغیر سوچے سمجھے چلتا ہے وہ فتنوں سے نہیں بچ پاتا۔ اس کو انتہائی بیدار مغز، ہوشیاری، اور سمجھ بوجھ سے رہنا پڑتا ہے، اس کے لئے دینی سمجھ بوجھ اور دینی تعلیم کی بھی ضرورت پڑتی ہے، صرف اپنے آپ کو مسلمان کہہ لینا کافی نہیں ہوتا، اس کے ساتھ تعلیم اور تربیت دونوں ضروری ہوتے ہیں، ان کے بغیر عام طور پر فتنوں سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے احادیث میں آپ علیہ السلام نے فتنوں کو مفصل بیان فرمایا ہے۔

محدثین نے باضابطہ اس کے ابواب قائم فرمائے ہیں، اور ان میں فتنوں سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں۔ انہیں میں سے ایک حدیث حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لَمْ یَکُنْ نَبِیٌّ قَبْلِیْ إِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَیْهِ أَنْ یَدُلَّ أُمَّتَهٗ عَلٰی خَیْرِ مَا یَعْلَمُهٗ لَهُمْ وَیُنْذِرَهُمْ شَرَّ مَا یَعْلَمُهٗ لَهُمْ''

مجھ سے پہلے جتنے نبی آئے اُن سب پر یہ حق تھا کہ وہ اپنی اُمت کو وہ سارا خیر بتائیں جس کو وہ جانتے تھے اور اپنی اُمت کو اُس شر سے ڈرائیں جس کو وہ جانتے تھے، چونکہ نبی اللہ کے پیغمبر اور اللہ کے سفیر ہوتے تھے، اللہ کی طرف سے انسانوں کی بھلائی کے لئے بھیجے ہوئے ہوتے تھے اس لئے اُن کا فرض تھا کہ جو چیزیں بھلائی کی وہ جانتے تھے اپنی اُمت کو بتائیں کہ یہ چیزیں تمہاری بھلائی کے لیے ہیں، اور جو چیزیں بُرائی کی ہیں اُن سے اُمت کو ڈرادیں کہ اس کے قریب بھی مت جائیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان چیزوں کو کھول کر بیان فرمایا۔

اُمت محمدیہ کا دورِ عافیت:

اس کے بعد فرمایا: ''وَإِنَّ أُمَّتَکُمْ هٰذِهٖ جُعِلَ عَافِیَتُهَا فِیْ أَوَّلِهَا وَسَیُصِیْبُ آخِرَهَا بَلَاءٌ وَأُمُوْرٌ تُنْکِرُوْنَهَا'' بے شک تمہاری اس امت کی ابتداء میں عافیت رکھی گئی ہے، یعنی وہ زمانہ فتنوں سے پاک زمانہ ہوگا، اس میں امت کا دینی نقصان نہیں ہوگا، اور اس کے آخر میں بلائیں اور ایسے امور ہوں گے جن کا تم انکار کروگے۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ اول زمانے سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءِ ثلاثہ کا زمانہ مراد ہے، کیونکہ حضرت عثمان کے بعد اختلاف اور جنگ وجدال شروع ہوگیا تھا، بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ مراد ہے، کیونکہ اس میں خیر ہونے کی خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ'' (اتحاف الخیرۃ: کتاب علامات النبوۃ: ۶۹۹۴) سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان سے متصل ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے:

"عَلَيۡكُمۡ بِسُنَّتِيۡ وَ سُنَّةِ الۡخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيۡنَ الۡمَهۡدِيِّيۡنَ مِنۡ بَعۡدِیۡ" (دلیل الفالحین: ۱۴۵/۵ ۔المفہم: ۹۹/۱۲) میرے بعد میری اور میرے ہدایت یافتہ اور راہنما خلفاء کی سنت کو لازم پکڑنا۔

اس زمانے میں اتنا خیر غالب تھا، اتنی دین داری تھی، اتنی امانتداری تھی، اتنی سچائی تھی، اتنی ہمدردی تھی، اتنی خیر خواہی تھی، اتنا امن و سکون تھا کہ اس سے پہلے کبھی دنیا میں اتنا امن وسکون اور اچھائی ظاہر نہیں ہوئی تھی، اور نہ قیامت تک ہوگی، ہاں ایک زمانہ آئے گا جو حضرت مہدی کا زمانہ ہو گا، اس میں اس کی جھلک محسوس ہو گی، لیکن حضور پاک ﷺ نے جو اپنا قرن بتایا تھا تو اُس کی تو بات کچھ اور ہی ہے، اُس دور میں یمن کی کوئی عورت زیورات پہن کر اکیلی حج کے لئے چلے تو راستے میں اُس کو کوئی لوٹنے والا نہیں تھا، بلکہ اُس کی عزت و اکرام کرنے والے اور اس کے کھانے پینے کا انتظام کرنے والے تھے، بالفرض اگر عورت یہ سوچ کر کہ مجھے محرم کی ضرورت نہیں ہے سفر پر تنہا نکل جائے تب بھی اُس کے لئے کوئی مشکل نہیں تھی، نہ اُس کی عزت پر کوئی حملہ کر سکتا تھا اور نہ کوئی اُس کا مال چرا سکتا تھا۔

حضور کی پیشین گوئی اور عدی ابن حاتم کی شہادت:

جب حاتم طائی کے بیٹے عدی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور پاک ﷺ نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ تجھے اسلام لانے میں کون سی چیز مانع ہے؟ حالانکہ اسلام میں یہ خوبیاں ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تو دیکھے گا کہ صنعاء یمن سے ایک عورت چلے گی اور بیت اللہ آئے گی، وہ اتنے امن کا دور ہو گا کہ کوئی بھی اُس کو چھیڑنے اور ستانے والا نہیں ہو گا۔ (مستدرک حاکم: کتاب الفتن والملاحم: ۸۵۸۲) عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"فَاَشۡهَدُ لَرَاَيۡتُ الظَّعِيۡنَةَ خَرَجَتۡ مِنۡ صَنۡعَاءَ حَتّٰى نَزَلَتِ الۡحِيۡرَةَ لَا تَخَافُ شَيۡئًا اِلَّا اللّٰهَ تَعَالٰى" (دلائل النبوۃ: ۲۰۸۶) میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے حضور علیہ السلام کی اس پیشین گوئی کا مشاہدہ کیا کہ بوڑھی عورت صنعاء سے نکلی، یہاں تک حیرہ میں پہنچی، اور اسے اللہ کے علاوہ کسی کا ڈر نہیں تھا۔

اُمت کا دور فتن:

یہ ابتدائی دور کی بات تھی، بعد کے دور کے بارے میں فرمایا: ''وَسَیُصِیبُ آخِرَهَا بَلاَءٌ وَأُمُوْرٌ تُنْكِرُوْنَهَا'' عنقریب اس کے آخر میں بلائیں اور ایسے امور ہوں گے جو ناگوار ہوں گے۔ جس میں خلاف شرع کام ہوں گے، امت بٹ جائے گی۔ اور آپس میں اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔ (شرح حدیث الافتراق: ۱/۳۹) آج پوری دنیا میں یہ اُمت اجتماعی طور پر ہو یا انفرادی طور پر دنیوی اور دینی مصائب اور فتنوں میں گھری ہوئی ہے۔ عجیب بات ہے کہ اجتماعی طور پر بھی قوم پریشان ہے اور انفرادی طور پر بھی پریشان ہے۔ غریب بھی پریشان ہیں اور مال دار بھی پریشان ہیں۔ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی لوگوں کے اپنے مسائل ہیں۔ ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ اس وقت سب سے زیادہ دُکھی میں ہی ہوں، حالانکہ اللہ کا دیا ہوا اس کے پاس سب کچھ ہوتا ہے۔

مصیبتوں کے لا محدود خزانے:

ابھی ایک صاحب نے اپنے دل کی بات کہی، جو تقریباً سب کے دل کی بات ہے، کہہ رہے تھے کہ مجھے آپ کی ایک بات بہت پسند آئی، میں نے پوچھا کہ کونسی بات؟ انہوں نے کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس نعمتوں کے لا محدود خزانے ہیں اور مصیبتوں کے بھی لا محدود خزانے ہیں، میں مصیبتوں کے لا محدود خزانے دیکھ رہا ہوں۔

عافیت بہت بڑی نعمت ہے:

ہر آدمی یہ سمجھ رہا کہ میں ہی مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں، اِلّاماشاء اللہ بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے عافیت عطا فرمائی ہے، اور جس کو عافیت ملے وہ بہت بڑی نعمت ہے۔ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت عافیت کی ہے۔ اس کی بڑی قدر کرنی چاہیے، اور حق تعالیٰ سے جان، مال، عزت و آبرو، دین اور دنیا میں عافیت مانگتے رہنا چاہیے۔

فتنوں سے مومن کو ہلاکت کا تصور ہو گا:

آگے فرمایا: ”وَتَجِيءُ فِتْنَةٌ فَيُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا وَتَجِيءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ هٰذِهٖ مُهْلِكَتِي ثُمَّ تَنْكَشِفُ وَتَجِيءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ هٰذِهٖ هٰذِهٖ“

پھر اس کے بعد ایسے فتنے آئیں گے جن میں سے ایک دوسرے کے مقابلہ میں بڑا ہو گا، ہر آنے والا فتنہ پہلے فتنہ سے بڑا اور اس سے سخت ہو گا، اس لئے مومن پہلے فتنہ کو دوسرے فتنہ کے مقابلہ میں کم تر جانے گا۔ (شرح ریاض الصالحین: ۱/۵۱۷) ان کو دیکھ کر مومن کہے گا: ”هٰذِهٖ مُهْلِكَتِي ثُمَّ تَنْكَشِفُ“ یہ فتنہ تو مجھے ہلاک کر دے گا، پھر جیسے ہی وہ ختم ہو گا تو دوسرا آجائے گا۔ اور جب دوسرا آئے گا تو وہ کہے گا: ”هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ“ یہ تو بس ختم ہی کرنے والا ہے۔ اس فتنہ میں تو میں ہلاک ہی ہو جاؤں گا۔

حصیر کی پتیوں کی طرح فتنے آئیں گے:

تسلسل کے ساتھ یہ فتنے ہوں گے، ابھی ایک فتنے سے فارغ نہیں ہوں گے کہ دوسرا آجائے گا، دوسرے سے فارغ نہیں ہوں گے کہ تیسرا آجائے گا، ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

”تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْدًا عُوْدًا فَأَيُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ وَأَيُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتّٰى تَصِيْرَ عَلَى قَلْبَيْنِ عَلَى أَبْيَضَ مِثْلِ الصَّفَا فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ وَالْآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًّا كَالْكُوْزِ مُجَخِّيًا لَا يَعْرِفُ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا إِلَّا مَا أُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ“ (صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان ان الاسلام بدا غریبا، ۳۸۶)

دلوں پر فتنے چٹائی کی پتیوں کی طرح سے پیش کئے جائیں گے۔ جیسے چٹائی کی پتیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں اور ایک دوسرے سے جوائنٹ ہوتی ہیں اور بہت ہوتی ہیں، اور ان کو بننے والا یکے بعد دیگرے ان کو جوڑتا رہتا ہے اسی طرح فتنوں کی کثرت ہو گی، اور ایک فتنہ دوسرے فتنے سے بالکل ملا ہوا ہو گا، اور تسلسل کے ساتھ وہ فتنے ظاہر ہوں گے، اور جیسے حصیر سونے والے کے جسم سے مل جاتی ہے تو اس کے اثرات جسم پر پڑ جاتے ہیں، اسی طرح فتنوں کے اثرات قلوب میں پڑیں گے۔ (شرح النووی علی مسلم: ۱/۲۶۸)

جس دل میں اُس سے انسیت ہوگی، جو اس سے انجوائے کرے گا اور جو اس سے قریب ہوگا، وہ اس فتنہ میں داخل ہوگا اور اس کے دل پر ایک سیاہ نشان لگا دیا جائے گا، اور جو قلب ان فتنوں کا انکار کردے گا، ان سے غیر مانوس ہوگا، ان سے وحشت اختیار کرے گا تو اس کا دل ان فتنوں کا اثر قبول نہیں کرے گا، اور اس کے دل پر ایک سفید نقطہ لگا دیا جائے گا، یہاں تک کہ دل دو طرح کے ہو جائیں گے، ایک تو خالص چکنے پتھر کی طرح سفید روشن اور منور ہوگا جس کو آسمان و زمین باقی رہنے تک فتنے نقصان نہیں پہنچائیں گے اور اللہ پاک اُس کو اپنا محبوب بندہ بنالیں گے، اور دوسرا سیاہ اور مٹیالا اور الٹی صراحی کی طرح ہوگا، جو معاصی اور منکرات کا ارتکاب کرے گا تو اس پر ایک سیاہ نشان لگا دیا جائے گا، جس سے اس کے دل میں ظلمت چھاتی جائے گی، اور اسلام کا نور ختم ہوتا جائے گا، ایسا بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا جائے گا، اور حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت اُس میں سے ختم ہوتی جائے گی، ایک وقت ایسا آئے گا کہ ظلمت کی وجہ سے اس کا دل مٹھی کی طرح بند ہو جائے گا، جیسے دھیرے دھیرے کسی انسان کی مٹھی بند ہوتی ہے اور پھر کھل نہیں پاتی اسی طرح انسان کے دل کی یہ کیفیت ہو جائے گی، اس کے بعد اس کے دل پر مہر لگا دی جائے گی، جس کی وجہ سے اس کا دل صحیح اور غلط کی تمیز نہیں کرے گا، وہ نہ اچھائی کو پہچانے گا، اور نہ برائی کو، اور جب کوئی خیر یا نصیحت کی بات اس سے کی جائے گی تو وہ اسے قبول نہیں کرے گا۔ (شرح النووی علی مسلم: ۲۶۸/۱)

جو بات اور جو خواہش اس کے دل میں پیوست ہو چکی ہو اسی کی فکر میں رہے گا۔

اندھیری رات کی طرح فتنے ہوں گے:

ایک حدیث میں آپ نے ان فتنوں کی ایک اور کیفیت اور اثر کو بیان فرمایا:

”إِنَّ بَيْنَ يَدَى السَّاعَةِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ“

قیامت کے قریب ایسے فتنے آئیں گے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے، یہ فتنے قتل و غارت گری، لوٹ مار، مسلمانوں کے دینی اور دنیوی معاملات میں اختلاف، مذاہب، اعتقادات اور خواہشات و آراء میں فساد کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۳۴۴/۱۵ و فیض القدیر: ۲۷۵/۳)

علماء نے لکھا ہے کہ یہاں فتنوں کو اندھیری رات کی طرح قرار دیا گیا ہے، اندھیری رات سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے اندھیری رات میں انسان کو راستہ نظر نہیں آتا ہے، اسی طرح وہ فتنے ایسے ہوں گے کہ ان سے نکلنے کا راستہ اور اس کی تدبیر انسان کو دکھائی نہیں دے گی، اُن فتنوں کی نوعیت ایسی ہو گی کہ آدمی کو سمجھ میں نہیں آئے گا کہ رَسّی کون سی ہے اور سانپ کون سا ہے؟ صورتحال یہ ہو گی کہ آدمی دیکھنے میں بھلا چنگا ہو گا مگر دینی لحاظ سے اُس کو بڑی اُلجھن ہو گی کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ اچھا کیا ہے اور بُرا کیا ہے؟ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے؟

صبح کو مومن تو شام کو کافر ہو جائے گا:

”یُصْبِحُ الرَّجُلُ فِیْھَا مُؤْمِنًا وَیُمْسِیْ کَافِرًا. وَیُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَیُصْبِحُ کَافِرًا“

اس زمانۂ فتن میں آدمی صبح ایمان کی حالت میں کرے گا اور شام ہوتے ہوتے کافر ہو جائے گا۔ اور شام ایمان کی حالت میں کرے گا اور صبح ہوتے ہوتے کافر ہو جائے گا۔ ایک ہی دن میں اتنا بڑا انقلاب پیدا ہو جائے گا۔ (فیض: ۲۵۲/۳)

یہاں کفر یا تو کفرانِ نعمت پر محمول ہے کہ شکر کے بجائے انسان معاصی میں مبتلا ہو جائے گا، یا حقیقی معنیٰ میں ہے، اس کی شکل یہ ہو گی کہ اس حقیر اور قلیل سی دنیا کے عوض اپنا دین بیچ دے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے: ”یَبِیْعَ دِیْنَہٗ بِعَرْضٍ مِنَ الدُّنْیَا“ (صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الحث علی المبادرة بالاعمال قبل تظاهر الفتن، ۳۲۸)

یا صبح اپنے مسلمان بھائی کی جان، مال اور عزت پر حملہ کو حرام سمجھے گا تو شام میں اس کو حلال سمجھے گا۔ (عون المعبود: ۳۴۳/۱۱)

یا مسلمان کا مال اپنے لئے حلال سمجھے گا، یا ربا اور دھوکہ کو اپنے لئے حلال سمجھے گا، یا جو چیزیں بدیہیات دین میں سے ہیں اور جن کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے ان کو حلال سمجھے گا۔ (دلیل الفالحین: ۳۶۰/۱)

إلَّا مَنْ أَحْیَاہُ اللّٰہُ بِالْعِلْمِ (فیض القدیر: ۱۳۳/۴) مگر وہ آدمی جس کو اللہ پاک علم کے ذریعہ زندگی بخشے گا تو وہ اپنی علمی بصیرت کی بنیاد پر اس سے بچ پائے گا۔

"اَلْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَ الْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَ الْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي"

ان فتنوں میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے کے مقابلے میں اور کھڑا ہونے والا چلنے والے کے مقابلے میں اور چلنے والا دوڑنے والے کے مقابلہ میں بہتر ہو گا۔

زمانۂ فتن میں عافیت کا راستہ:

ان فتنوں سے آدمی جتنا زیادہ دور ہو گا اتنا زیادہ اس کے لئے اچھا ہو گا۔ اور اتنی اس کو عافیت نصیب ہو گی، ایسے فتنوں کے بارے میں آپ نے فرمایا:

"فَكَسِّرُوا قِسِيَّكُمْ وَ قَطِّعُوا أَوْتَارَكُمْ وَاضْرِبُوا بِسُيُوفِكُمُ الْحِجَارَةَ فَإِنْ دَخَلَ عَلَى أَحَدِكُمْ فَلْيَكُنْ كَخَيْرِ ابْنَيْ آدَمَ" (سنن ابن ماجه: كتاب الفتن: باب التثبت في الفتنة: ۳۹۶۱)

تم اس وقت اپنی کمانوں اور ان کی تانتوں کو توڑ دو، اور اپنی تلواروں کو پتھروں پر مار دو، یعنی پتھر کے ذریعہ ان کو کند کر دو، اور ان کی دھار کو ختم کر دو، اور اس وقت اگر تم میں سے کسی کے پاس کوئی آئے تو چاہیئے کہ وہ آدم کے دو بیٹوں میں سے بہتر کی طرح بن جائے، یعنی اپنے آپ کو ان کے حوالہ کرے، جیسا کہ ہابیل نے اپنے آپ کو قاتل قابیل کے سامنے پیش کیا تھا۔ (عون المعبود: ۲۷۷/۱۱)

صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ اس وقت کے بارے میں آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "كُونُوا أَحْلَاسَ بُيُوتِكُمْ" (سنن ابی داؤد: کتاب الفتن، ۴۲۶۴) اور بعض روایات میں ہے:

اِلْزَمُوا فِيهَا أَجْوَافَ بُيُوتِكُمْ (سنن ترمذی: کتاب الفتن، ۲۳۶۴)

اس وقت اپنے گھروں کے ٹاٹ بوریے، اور گھروں کے اندرونی حصوں کو لازم پکڑو۔ اور باہر نکل کر ان کو مت دیکھو، جو ان کو دیکھنے کے لے باہر نکلے گا تو وہ بھی ان سے متاثر ہو جائے گا۔

فتنوں میں جھانکنا فتنہ کو دعوت دینا ہو گا:

ان میں جھانکنا بھی خطرناک اور فتنہ سے متاثر ہونے کا سبب ہو گا، جیسے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: " سَتَكُونُ فِتْنَةٌ صَمَّاءُ بَكْمَاءُ عَمْيَاءُ مَنْ أَشْرَفَ لَهَا اسْتَشْرَفَتْ لَهُ

وَإِشْرَافُ اللِّسَانِ فِيهَا كَوُقُوعِ السَّيْفِ" (سنن ابی داؤد: کتاب الفتن: ۴۲۶۴)

عنقریب بہرے، گونگے اور اندھے فتنے پیدا ہوں گے، یعنی فتنہ سے نکلنے کا راستہ انہیں دکھائی نہیں دے گا، حق بات سننے سے ان کے کان بہرے ہو جائیں گے، اور حق بات زبان سے ادا نہیں کر پائیں گے۔ جو ان میں جھانکے گا تو فتنہ اس کے اندر آجائے گا اور وہ فتنہ سے متاثر ہو جائے گا۔ اور ان میں زبان استعمال کرنا تلوار مارنے کی طرح ہو گا۔ (فیض القدیر: ۴/۱۳۳)

ایسے فتنوں سے جو نجات چاہے گا، جنت میں داخل ہونا چاہے گا، جہنم سے بچنا چاہے گا تو اس کے لئے حکم ہے: "فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ" (صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: ۳۴۳۱)

وہ اللہ اور آخرت پر اپنا ایمان درست کرلے۔ اور اسی حالت میں اس کو موت آئے۔ اور وہ لوگوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے جیسا کہ وہ اپنے لئے کیا جانا پسند کرتا ہے۔ یعنی ان کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کرے۔ اُس کے بعد فرمایا: "وَمَنْ بَايَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ فَلْيُطِعْهُ إِنِ اسْتَطَاعَ فَإِنْ جَاءَ آخَرُ يُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الْآخَرِ" (صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: ۴۸۸۲)

جو آدمی کسی امامِ وقت یا امیر المؤمنین پر بیعت کرے اور ظاہر ہے کہ یہ بات مخصوص وقت کے لئے نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے لیے ہے، اور اُس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدے اور اپنے دل کے پھل کو بھی اُس کے حوالے کر دے یعنی اخلاص کے ساتھ یہ معاملہ کرے، ظاہر میں اس کے ساتھ ہاتھ اور باطن میں دل ملالے تو اُس کو چاہیے کہ اس امام کی اطاعت کرے۔ اگر کوئی دوسرا اُس امام کی مخالفت کرنے کے لیے آئے تو اُس کی گردن ماردے۔ کیونکہ حالات اس وقت ایسے ہوں گے کہ وہ قتل کئے جانے کا مستحق ہو گا۔ اور اس کا قتل جائز ہو گا۔

دورِ فتن کی چار علامات:

اسی طرح حضور پاک ﷺ نے فتنوں کے دور سے متعلق ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، یہاں تک کہ ایک زمانہ آئے گا:

"حَتّٰی إِذَا رَأَیْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًی مُتَّبَعًا وَ دُنْیَا مُؤْثَرَةً وَإِعْجَابَ کُلِّ ذِیْ رَأْیٍ بِرَأْیِهٖ فَعَلَیْکَ بِخَاصَّةِ نَفْسِکَ وَدَعْ عَنْکَ الْعَوَامَّ فَإِنَّ مِنْ وَرَائِکُمْ أَیَّامًا الصَّبْرُ فِیْهِنَّ مِثْلُ الْقَبْضِ عَلَی الْجَمْرِ لِلْعَامِلِ فِیْهِنَّ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِیْنَ رَجُلاً یَعْمَلُوْنَ مِثْلَ عَمَلِکُمْ" (سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم: باب الامر والنہی، ۴۳۴۳)

جب تم دیکھو گے کہ لوگ بخل کی اتباع کریں گے، خواہشات کی پیروی کریں گے، دنیا کو ترجیح دی جانے لگے گی، اور ہر ذی رائے اپنی رائے کو اچھی سمجھے گا تو تم اپنی ذات کو لازم پکڑ لینا اور عوام کو چھوڑ دینا۔ کیونکہ اس کے بعد صبر کے ایام ہوں گے، اور اس میں صبر کرنا انگارہ کو پکڑنے کے برابر ہو گا۔ اور اس زمانے میں عمل کرنے والے کے لئے پچاس آدمیوں کے برابر اجر دیا جائے گا جو اس کے عمل کی طرح عمل کریں گے۔

پہلی علامت:

پہلی چیز یہ ہے کہ طبیعت میں بخل ہو گا، اور لوگ اُس کے مطابق عمل کریں گے، اور مالی حقوق جو ان کے ذمہ ہیں اس کو ادا کرنے میں سستی کریں گے، خرچ کرنے کا موقع ہو گا، لیکن خرچ نہیں کریں گے، دین کے تقاضے آئیں گے لیکن اُن تقاضوں کی طرف توجہ نہیں دیں گے، یہ نہیں سوچیں گے کہ دین کی ذمہ داری ہماری ذمہ داری ہے، دین کے خرچے ہمارے ہی خرچے ہیں۔ جیسے بچوں کو دودھ پلانے کا خرچہ اور ہمارے کھانے کا خرچہ ہمارا خرچہ ہوتا ہے، ایسے ہی دین کے تقاضے ہمارے تقاضے ہوتے ہیں۔

دینی تقاضوں کو مقدم کریں:

صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ بات تھی، دینی تقاضے وہاں مقدم ہوتے تھے اور دنیوی تقاضے مؤخر ہوتے تھے، بعد کے زمانے میں یہ فرق آگیا کہ پہلے گھر میں اپنا چراغ جلایا جائے، اس کے بعد مسجد کی طرف دھیان دیں، پہلے دور میں پہلے مسجد میں چراغ جلتا تھا، اور پھر اس کے بعد گھر میں، یعنی پہلے دینی تقاضہ مقدم ہوتا تھا اور ذاتی تقاضہ مؤخر ہوتا تھا۔ اور آج ذاتی تقاضے تو مقدم ہوتے ہیں اور دینی تقاضوں کے بارے میں غور کیا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب ''شح'' آجائے، یعنی طبیعت میں بخالت اور حرص آجائے اور اس کی اتباع کی جائے تو یہ زمانہ بھی بڑا خطرناک زمانہ ہو گا۔

دوسری علامت:

''وَھَوًی مُتَّبَعًا'': ایک بیماری امت میں یہ پیدا ہو جائے گی کہ خواہشات کی پیروی کی جائے گی۔ کتنا ہی سمجھایا جائے طبیعت نہیں مانے گی اور نہ آدمی یہ فکر کرے گا کہ اپنی اس برائی کا علاج کروایا جائے۔

خواہشات نفس لوگوں میں کتے کے زہر کی طرح سرایت کر جائیں گی:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب خواہشات انسانوں میں اس طرح سرایت کر جائیں گی جیسے کتّے کا کاٹا ہوا زہر آدمی میں سرایت کرتا ہے۔

''یَخْرُجُ فِیْ أُمَّتِیْ قَوْمٌ یَھْوُوْنَ ھَوًی یَتَجَارٰی بِھِمْ ذٰلِکَ الْھَوٰی کَمَا یَتَجَارَی الْکَلْبُ بِصَاحِبِہٖ لَایَدَعُ مِنْہُ عِرْقًا وَلَا مَفْصِلًا إِلَّا دَخَلَہٗ'' (سنن ابی داود: کتاب السنة، ۴۵۹۹)

کسی بھی جانور کا زہر اس طرح نہیں چڑھتا جس طرح کتّے کا زہر چڑھتا ہے، آپ حیوانات کے ڈاکٹر سے پوچھ لیجیے، اس کے کاٹنے کے بعد جب اُس کا زہر آدمی کے اندر سرایت کرتا ہے اور وہ علاج نہیں کرواتا ہے تو وہ کتّے کی سی حرکت کرنے لگتا ہے اور زہر رَگ رَگ میں چلا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے اندر خواہشات ایسی سرایت کر جائیں گی جیسے کتّے کے کاٹنے کا اثر ہوتا ہے، اس کے بعد طبیعت اس کے موافق ہی چلنے لگتی ہے، کسی اور چیز کا اثر لینے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

جائز خواہشات پر بھی کنٹرول ضروری ہے:

میرے دوستو! ایسے وقت میں اُس کی تہذیب اور اُس کی کاٹ چھانٹ کی ضرورت پڑتی ہے اور اُس پر محنت کر کے علاج کروانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر آدمی نے ایسی خواہشات کا علاج نہیں کروایا تو وہ خواہشات کا مارا ہوا ہو جائے گا۔ آج کل یہ بیماری بڑی عام ہو گئی ہے۔

اس لئے جو خواہشات شرعی حدود میں ہوں تو اس کو اس کے حدود میں رہتے ہوئے پورا کرنا چاہیے، اور جو خواہشات شرعی حدود میں نہ ہوں اُنہیں ترک کرنا چاہیے، بلکہ ہر جائز خواہش پوری کرنے کی بھی نہیں ہوتی، وہاں بھی نفس کو اور خواہشات کو کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔

صحابہ کی جائز چیزوں میں احتیاط:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سود کے خوف کی وجہ سے حلال کے دس حصوں میں سے نو حصے ہم چھوڑ دیتے تھے: "تَرَكْنَا تِسْعَةَ أَعْشَارِ الْحَلَالِ مَخَافَةَ الرِّبَا" (مصنف عبد الرزاق: کتاب البیوع: ۱۴۶۸۳)

جو چھوڑ رہے ہیں وہ حلال ہے، وہ جائز ہے، لیکن احتیاطا اس جائز اور حلال چیز کو بھی وہ ترک کرتے تھے، پتہ چلا کہ ہر جائز خواہش اور ہر جائز کام پورا کرنے کا نہیں ہوتا، اگرچہ کہ وہ حلال ہو، اس میں احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، صحابہ میں یہ وصف پایا جاتا تھا، اُن کے اندر خواہشات سرایت کی ہوئی نہیں تھیں، اور نہ خواہشات کی اتباع کرتے تھے، وہ زمانہ کے بہترین لوگ تھے۔ "خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي" کا لقب حضور نے انہیں عطا فرمایا تھا۔ (صحیح بخاری: کتاب الشہادات، ۲۶۵۲)

دینی امور میں احتیاط سے کام لیں:

یہ انسان کی فطرت ہے کہ دنیوی چیزوں میں تو بہت ساری حفاظتی تدابیر اختیار کرتا ہے، لیکن دین کے سلسلہ میں پیچھے ہوتا ہے، آپ دیکھئے کہ گاڑی کی خرابی سے بچنے کے لیے کیسی کیسی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ ایسے ہی آدمی مکان بناتا ہے تو بنانے میں اس کی پختگی اس کی مضبوطی اور آئندہ اس کی حفاظت کے لئے کئی تدابیر اختیار کرتا ہے، ایسا کرنا غلط نہیں ہے، مکان بنانا صحیح ہے، مکان کے اوپر پلاسٹنگ کروانا صحیح ہے، پلاسٹنگ کے اوپر پینٹ کروانا صحیح ہے، اس لیے کہ پینٹ سیمنٹ کی اور سیمنٹ دیوار کی حفاظت کرتی ہے، یہ دنیا کا اصول اور ضابطہ ہے، یہاں پر ہر چیز کی حفاظت کا نظام بچوں کی حفاظت کا نظام، ٹریفک کی حفاظت کا نظام اور دوسری چیزوں کی حفاظت کا انتظام اتنی دور بینی سے کیا جاتا ہے کہ آدمی سوچ بھی نہیں سکتا، جب دنیا میں یہ بات ہے کہ آپ کے نفع اور نقصان کی چیزوں میں بہت دور سے حفاظتی تدابیر اختیار کرنی پڑتی ہیں تو دین کے سلسلہ میں کیوں نہیں؟ شریعت مطہرہ

میں جو حدود بتلائی ہیں وہاں تک آپ جاسکتے ہیں، لیکن اس مکمل حد تک جانا مناسب نہیں ہوتا، اس سے پہلے ہی اپنے کو کنٹرول کر کے رکھنا پڑتا ہے، کیونکہ جو آدمی اپنے جانوروں کو چراہ گاہ کے کنارے چراتا ہے تو اُس کا جانور مالک کے کھیت میں چرتے چرتے ایک آدھ منہ دوسرے کے کھیت میں مار ہی دیتا ہے، ایسے ہی اگر ہم لوگ دین اور اسلام کے بالکل بارڈر پر چلنے کی کوشش کریں گے تو کبھی کبھی بارڈر کے باہر بھی پیر رکھ دیں گے، یہ آدمی کی فطرت اور مزاج کی بات ہے۔ اسی لئے صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ناجائز چیز سے بچنے کے لئے نو جائز چیزوں اور جائز خواہشات کو چھوڑ دیتے تھے۔

تیسری علامت:

اس کے بعد آپ نے فرمایا: "وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً" کہ وہ زمانہ ایسا ہوگا جس میں دنیا ہی کو ترجیح دی جارہی ہوگی، دنیا اور دنیا کی راحت ہی ان کے لئے سب کچھ ہوگی، یہ کافر کی سوچ ہے، مؤمن کی سوچ نہیں ہے، مؤمن کی سوچ تو اصلاً آخرت کی ہوتی ہے اور ہونی چاہیے، دنیا تو اس کے لئے ضمنی چیز ہے۔

چوتھی علامت:

چوتھی چیز یہ بیان فرمائی: "وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَأْيٍ بِرَأْيِه" ہر آدمی کو اپنی رائے اچھی معلوم ہوگی، اور وہ اپنی رائے ہی کو فیصل سمجھے گا۔ جو کچھ اس کی سمجھ میں آیا اسی کو صحیح سمجھے گا، اور جو دوسرے کی رائے ہوگی اُس کا کوئی اعتبار نہیں کرے گا، اور اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا، اُس پر سنجیدگی سے سوچنے کے لیے تیار نہیں ہوگا، یہ ایسا وقت ہوگا کہ اس وقت آدمی کو اپنی ہی فکر کرنی پڑے گی، آپ نے فرمایا تم اس وقت اپنے آپ کو لازم پکڑلو، اور عوام کو چھوڑدو، کیونکہ اس وقت ان کی فکر کی نہیں بلکہ اپنی فکر کی ضرورت ہوگی۔

ایک شبہ کا ازالہ:

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بعض لوگوں کو اس حدیث پاک سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ امت پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ساقط ہوجائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی ارشاد فرمایا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ" (المائدہ:۱۰۵)

قرآن پاک کی اس آیت میں فرمایا گیا کہ اے ایمان والو! تم اپنی نگرانی کو اپنے اوپر لازم کرلو، اپنی فکر کرو، اگر دوسرا اگمراہ ہو گا تو اُس سے تمہیں نقصان نہیں پہنچے گا جبکہ تم ہدایت پر ہو۔ اس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ جس وقت مذکورہ بالا علامات پائی جائیں گی اس وقت آدمی کو دوسروں کی اصلاح کی فکر نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے، ایسی بات نہیں ہے، کیونکہ دوسروں کی فکر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم قرآن پاک میں متعدد مقامات اور بے شمار احادیث مبارکہ میں ہے، اسی پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تنبیہ فرمائی کہ کوئی آدمی اس آیت کا سہارا لے کر نہی عن المنکر کو ترک نہ کرے، ورنہ اللہ کا عذاب اس کو پکڑ سکتا ہے، اور اسی وجہ سے بعض لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا کہ کیا کوئی اس آیت کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارے لئے نہیں ہے، نبی نے تو لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے بعد کچھ لوگ ایسے آئیں گے کہ جب وہ لوگوں سے کچھ کہیں گے تو ان کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔ (روح المعانی:۵/۱۶۷) یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے لوگ متأثر ہوتے رہیں گے لیکن پھر ایک ایسا دور آئے گا کہ یہ تأثر ختم ہو جائے گا، اور وہ زمانہ ایسا زمانہ ہو گا کہ لوگ بخیل ہو جائیں گے، خواہشات کی پیروی کی جائے گی، دنیا کو ترجیح دی جائے گی، اور ہر آدمی اپنی رائے کو صحیح سمجھے گا تو ان پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خاطر خواہ اثر نہیں ہو گا، اس کی تم کو فکر نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ تمہارے بس میں جو تھا تم نے اس کی کوشش کی، اس لئے ان کی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی، ہاں ان کے منکرات اور ان کی ضلالت و گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہونا چاہیے، تم کو اپنی فکر بھی کرتے رہنا چاہیے۔

زمانۂ فتن میں نیک عمل کرنے والوں کا اجر:

اس کے بعد فرمایا: "فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا الصَّبْرُ فِيهِنَّ مِثْلُ الْقَبْضِ عَلَى الْجَمْرِ لِلْعَامِلِ فِيهِنَّ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ" (سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم: باب الامر والنہی، ۴۳۴۳)

اس کے بعد صبر کے ایام ہوں گے، ان دنوں میں سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں ہو گا، چونکہ وہ فتنوں کا زمانہ ہو گا اس لئے اس وقت دین پر چلنا اپنے ہاتھ میں انگارہ لینے کے برابر ہو گا۔ دین پر چلنا آگ پر چلنے کے برابر ہو گا، دین کو ہاتھ میں پکڑنا آگ کو ہاتھ میں پکڑنے کے برابر ہو گا۔ اور جو آدمی ان حالات میں مجاہدہ کرتے ہوئے دین پر چلے گا اور دین پر قائم رہے گا تو اُس کو پچاس عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا۔ کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ! ان میں سے پچاس لوگوں کے برابر ثواب ملے گا؟ تو آپ نے فرمایا: أَجْرُ خَمْسِيْنَ مِنْكُمْ (سنن ابی داود: باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر: ۴۳۴۳) نہیں تم سے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملے گا۔

کیونکہ وہ وقت ہی ایسا ہو گا کہ کوئی آدمی اس وقت حق سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہو گا، کوئی حق پر چلنے کے لیے تیار ہی نہیں ہو گا، جو کوئی ان حالات میں اپنے دین کو بچانے کے لیے عمل کرے گا تو بالکل اجنبی بن کر رہ جائے گا، کوئی اُس کا ساتھ نہیں دے گا، اس لئے اس کی اتنی فضیلت بیان کی گئی۔ اور آج ہمارے معاشرہ میں یہ سب برائیاں اور علامات عام طور پر پائی جاتی ہیں، اس لئے ان سے دور رہنے کی فکر کرنا ہے، اور اللہ پاک سے ان کی پناہ مانگتے رہنا ہے، اور عافیت طلب کرتے رہنا ہے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو اور ساری امت مسلمہ کو عافیت نصیب فرمائے۔ اور سب کی تمام فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ (آمین)

فتنہ کی قسمیں

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

محترم بزرگان دین اور برادران اسلام!

فتنوں سے متعلق مضمون بیان کیا جارہا تھا، جس کی بہت تفصیل ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی کچھ تفصیل لکھی ہے، ان کی ایک کتاب اسرارِ شریعت سے متعلق ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے نام سے ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کو ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور افغانستان وغیرہ میں احادیث پہنچانے کا ذریعہ بنایا، اسی خاندان کے ذریعے علمِ حدیث اور علمِ دین ایشیا کے ان ممالک میں پہنچا، البتہ ان ممالک میں اسلام پہنچنے کا ذریعہ اللہ پاک نے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو بنایا، لیکن مسلمانوں میں علم کے زندہ کرنے اور قرآن وسنت کو لانے کی سعادت اور شرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کو حاصل ہوا۔ ان کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہندوستان جاؤ، وہاں تم سے کام لیا جائے گا۔ وہ اسی ایماء پر ہندوستان تشریف لائے۔ اور اللہ نے وہاں ان سے بڑا کام لیا۔ غرض حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فتنوں کا ایک باب قائم فرمایا، اوراس میں فتنوں کی کچھ اقسام اور ان کی تفصیل بیان فرمائی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) آدمی کی ذات کا فتنہ۔

(۲) دوسرا فتنہ خانگی اور گھریلو زندگی کا فتنہ۔

(۳) مملکت کے بگاڑ کا فتنہ۔

(۴) ملی فتنہ۔

(۵) فتنہ مستطیرہ۔

(۶) فتنہ الوقائع الجویہ فضائی حوادث یعنی بڑے بڑے حاثات کا فتنہ۔

(۷) علاماتِ قیامت کا فتنہ۔

(۸) فتنہ امارۃ علی الاقذاء یعنی نچلے لوگوں کی امارت کا فتنہ۔

(۹) فتنہ احلاس۔

(۱۰) فتنہ سراء۔

(۱۱) فتنہ دہیماء و فتنہ تلطم جمیع الناس۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ج: ۲، ص: ۲۷ تا ۳۲)

نفس کا فتنہ:

ان فتنوں میں سب سے پہلے نفس کا ذکر فرمایا، نفس کا فتنہ دل کا فتنہ ہوتا ہے، اس کی صورت اور شکل یہ ہوتی ہے کہ دل میں شقاوت اور سختی آجاتی ہے، آدمی کو نہ طاعات میں حلاوت محسوس ہوتی ہے، نہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ اور نہ عبادات میں اس کا جی لگتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۲۷)

قرآن مجید میں بھی اللہ پاک نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

”اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ“ (الحدید: ۱۶)

کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت اور جو دین حق (منجانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں، اور ان لوگوں کی طرح نہ

ہو جاویں جن کو ان کے قبل کتاب (آسمانی) ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) پھر (اسی حالت میں) ان پر زمانہ دراز گزر گیا (اور توبہ نہ کی) پھر انکے دل (خوب ہی) سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں کے (آج) کافر ہیں۔ اکثر اُن میں حد سے گزرنے والے، فسق کرنے والے، کھلم کھلا گناہوں میں مبتلا ہونے والے ہو گئے۔ ایک جگہ فرمایا:

”ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ“ (البقرہ:٧٤)

(ایسے ایسے واقعات) کے بعد تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو (یوں کہنا چاہیے کہ) ان کی مثال پتھر کی سی ہے یا (سختی میں پتھر سے بھی) زیادہ سخت۔ اور بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے (بڑی بڑی) نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں۔ اور ان (ہی پتھروں) میں سے بعضے ایسے ہیں کہ جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے (اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی) پانی نکل آتا ہے اور ان ہی (پتھروں میں سے) بعضے ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے نیچے لڑھک آتے ہیں اور حق تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں۔

اس آیت میں تین قسم کے پتھروں کا ذکر کیا گیا ہے، بعض پتھروں سے نہریں جاری ہوتی ہیں جن سے مخلوق کو بڑا نفع پہنچتا ہے ان یہودیوں کے قلوب ایسے بھی نہیں ہیں کہ مخلوق خدا کی تکلیف و مصیبت میں پگھل جائیں، بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں جن سے پانی کم نکلتا ہے اور پہلے پتھر کے مقابلہ میں ان کا درجہ اور ان کا اثر کم ہوتا ہے، ان کے دل ان سے بھی زیادہ سخت ہیں، اور بعض پتھروں میں اس درجہ کا اثر تو نہیں ہوتا، البتہ اتنا اثر ہوتا ہے کہ خوف خدا سے نیچے گر آتے ہیں، ان کے قلوب اتنے سخت ہوتے ہیں کہ پتھروں کے ادنی درجہ سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں اور کسی بات کا اثر ان کے قلب پر نہیں ہوتا۔ ایک اور آیت میں فرمایا:

”فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيْثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوْا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوْا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيْلًا مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ“ (المائدہ:١٣)

”تو صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے ان کے قلوب کو سخت کر دیا وہ لوگ کلام کو اس کے مواقع سے بدلتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے اپنا ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے اور آپ کو آئے دن کسی نہ کسی نئی خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے جو ان سے صادر ہوتی ہے، بجز ان میں کے معدودے چند شخصوں کے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان سے در گزر کیجئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوش معاملہ لوگوں سے محبت کرتا ہے“

قساوتِ قلبی کا اثر:

ان آیات میں اللہ پاک نے فرمایا کہ ان کا ایمان قبول نہ کرنا دل کے سخت ہونے کی وجہ سے تھا، تحریف کرنا سخت دلی کی وجہ سے تھا، خیانت کرنا دل کی سختی کی وجہ سے تھا، آپ اندازہ لگائیے کہ سخت دلی کیسی خطرناک چیز ہے، جو آدمی کو ایمان سے تک محروم رکھ دیتی ہے، اسی وجہ سے کسی نے کہا ہے: ”مَن قَسَا قَلبُهٗ لَا يَقبَلُ الْحَقَّ وَإن كَثُرَت دَلَائِلُهٗ وَقَامَت حُجَجُهٗ“ (بحر الفوائد: ٧٣) کہ جس آدمی کا دل سخت ہو جاتا ہے تو وہ حق کو قبول نہیں کرتا ہے، اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ اگرچہ کہ اس کے دلائل بہت زیادہ اور حجت قائم ہو۔

قساوتِ قلبی سے بڑی کوئی سزا نہیں:

اور احادیث میں آپ ﷺ نے دل کی سختی پر وعیدیں بھی بیان فرمائی ہیں:

”اِنَّ اَبعَدَ النَّاسِ مِنَ اللهِ الْقَلْبُ الْقَاسِیْ“ ”بے شک اللہ کے نزدیک لوگوں میں سے سب سے دور وہ ہے جس کا دل سخت ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے: ”مَا ضُرِبَ عَبْدٌ بِعُقُوْبَةٍ اَعْظَمَ مِنْ قَسْوَةِ الْقَلْبِ“ (جامع بیان العلم و فضلہ: ٢٠٢) دنیا میں کسی بندہ کو قساوتِ قلبی سے زیادہ بڑی کوئی سزا اور مصیبت نہیں دی جاتی۔

قساوتِ قلبی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک شعر:

سخت دلوں کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک شعر مروی ہے:

"اِذَا قَسَا الْقَلْبُ لَمْ تَنْفَعْهُ مَوْعِظَةٌ كَالْأَرْضِ اِنْ سَبَخَتْ لَمْ يُحْيِهَا الْمَطَرُ" (جامع بيان العلم وفضله: ۲۰۲/۲) جب دل سخت ہو جاتا ہے تو نصیحت اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی، جیسے کہ زمین جب ناقابلِ زراعت ہو تو بارش اس کو زندہ نہیں کر سکتی۔ جیسے بنجر زمین پر جب بارش ہو تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا ایسے ہی سخت دل پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

قساوتِ قلبی کا علاج:

اس لئے دل کی نرمی کی فکر کرنا چاہیے، اور سخت دلی دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس کے لئے حدیثوں میں حکم یہ ہے کہ قبور کی زیارت کی جائے۔

"اِطَّلِعْ فِی الْقُبُوْرِ وَ اعْتَبِرْ بِالنُّشُوْرِ" (شعب الايمان: باب في الصلاة على من مات من أهل القبلة ۹۲۹۲۔ و هذا أيضا متن منكر و مكي بن قمير بصري يروي عنه الكديمي و هو مجهول)

ثابت بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت یہ ہے کہ ایک آدمی نبی علیہ السلام کے پاس آیا، اور اللہ کے نبی سے قساوتِ قلبی کا شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ قبور کی زیارت کیا کرو اور مابعد الموت زندگی سے عبرت حاصل کرو کہ کل دوبارہ ہم کو اٹھایا جائے گا، بارگاہ رب میں کھڑا کیا جائے گا اس وقت ہم رب ذوالجلال کو کیا جواب دیں گے؟ اس طرح زیارت اور مراقبہ سے قساوت قلبی دور ہوتی ہے، ایک روایت میں فرمایا:

"اِنْ اَرَدْتَّ اَنْ يَلِيْنَ قَلْبُكَ فَأَطْعِمِ الْمَسَاكِيْنَ وَ امْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ" (شعب الايمان: ۱۱۰۳۴)

اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دل نرم ہو جائے تو مساکین کو کھانا کھلا اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر۔

فتنہ کی تحریکات:

دراصل فتنہ دو تحریکات سے پیدا ہوتا ہے، ایک شیطانی تحریک سے، اور دوسرے نفسانی تحریک سے۔ انسانوں کے اصل دُشمن یہی ہیں، نفس اور شیطان، بلکہ خود یہ دونوں فتنے ہیں، نفس اندرونی دشمن ہے، اور شیطان بیرونی دشمن ہے، اور ان دونوں میں خطرناک اور بڑا دشمن اس کا نفس ہوتا ہے، ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: "اَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ" (الزهد الكبير للبيهقي: ۳۵۵)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلو کے درمیان ہوتا ہے''

انسان کے یہ دو دشمن اس کو برائی کی طرف لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، اور وہ ان دونوں کے مطابق چلنے لگتا ہے۔ جب تسلسل کے ساتھ ان کے مطابق چلنے لگتا ہے تو دل میں سختی پیدا ہونے لگتی ہے، جب دل میں سختی پیدا ہونے لگتی ہے تو دل حق بات آسانی سے قبول نہیں کرتا ہے، اگرچہ حق سامنے ہوتا ہے لیکن وہ اُس کو ٹال دیتا ہے، اور حالات کا عذر اور بہانہ کرکے عمل سے سستی کرنے لگتا ہے، عبادتوں کا لطف ختم ہو جاتا ہے، عبادتوں کی توفیق سلب کرلی جاتی ہے، حق بات قبول کرنے کی استعداد متاثر ہو جاتی ہے، اور اُس کے نزدیک حق بات کی اتنی بھی اہمیت نہیں ہوتی ہے کہ حق پر چلنے کی وجہ سے دنیا میں آنے والے حالات سے مقابلہ کرسکے، یا کم از کم مقابلے کا عزم تو کرسکے۔ عملی طور پر مقابلہ کرنا الگ چیز ہے اور مقابلے کا عزم کرنا الگ چیز ہے۔ وہ بھی اس کے اندر مفقود ہوتی ہے۔ یہ چیز دنیا میں لگ جانے اور دنیا کو ترجیح دینے اور دل سے خدا کا خوف اور ڈر نکل جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ سے ڈرنے کی مطلوب سطح:

اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمت کو جو دُعائیں سکھلائی ہیں اُن میں سے ایک دُعا یہ بھی ہے: ''اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِکَ مَا یَحُوْلُ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ'' (سنن ترمذی: کتاب الدعوات: باب اللھم اقسم: ۳۸۴۱) یا اللہ! آپ اتنا ڈر ہمیں عطا کر دیجیے جو ہمارے اور آپ کی نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائے۔

ہر مسلمان اللہ سے ڈرتا ہے مگر اس ڈر کی ایک مطلوب سطح ہے، وہ یہ ہے کہ اتنا ڈر انسان کو اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہے جس سے آدمی اللہ کی نافرمانی سے بچ جائے، اور یہ سوچے کہ میں یہ کام کیسے کروں، اللہ پاک مجھے دیکھ رہے ہیں، کہیں اللہ ناراض نہ ہو جائیں، کل انہیں کے سامنے مجھے کھڑا ہونا ہے، کل میں ان کو کیا جواب دوں گا؟ یہ سطح مطلوب بھی اور ضروری بھی ہے، اور اس کے پیدا کرنے کے لئے آدمی کو محنت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، مراقبہ کرنا پڑتا ہے، بزرگوں کی صحبت میں رہنا پڑتا ہے، وقت لگانا پڑتا ہے۔

جنت تک پہنچنے کے لئے درکار طاعت:

اس کے بعد فرمایا: ”وَمِنْ طَاعَتِکَ مَا تُبَلِّغُنَا بِہٖ جَنَّتَکَ“

یا اللہ ہمیں اتنی اطاعت کی توفیق نصیب فرمایئے جس کے ذریعہ آپ ہم کو جنت میں پہنچادیجیے، اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ آپ کے پاس گاڑی ہے، جب اس گاڑی میں ایک مقررہ مقدار میں گیاس ہوگی یا پٹرول ہوگا تو گاڑی آپ کو منزل مقصود تک پہنچائے گی، اس کے ذریعہ آپ آفس یا گھر یا منزل مقصود تک پہنچ پائیں گے، اگر گاڑی میں گیس تو ہے لیکن اتنی نہیں ہے کہ آپ گھر تک پہنچ سکیں تو آپ کی گاڑی رک جائے گی، اور آپ مشقت میں پڑجائیں گے، اسی طرح ایمان کے بعد اتنی طاعت بھی ضروری ہے جس سے جنت تک پہنچ سکیں، اگر ایمان ہی نہیں ہے تو طاعت بیکار ہے، جیسے اگر گاڑی ہی نہیں ہے تو محض گیاس کا کوئی فائدہ نہیں، چاہے آپ کتنی ہی گیاس خرید لیں، جب تک گاڑی نہیں ہوگی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اسی طرح طاعت بھی ایمان کے بغیر بے فائدہ ہے، جب ایمان ہوگا تو اس کے ساتھ ساتھ طاعت بھی ضروری ہے، کم از کم اتنی طاعت ضروری ہے جس سے منزل مقصود یعنی جنت تک پہنچ سکیں، اگر اتنی اطاعت نہیں ہے تو ہماری گاڑی کے پھنسنے کا اندیشہ ہے، اس لئے حدیث میں کم از کم اتنی طاعت کی توفیق مانگنے کی نبی علیہ السلام نے تعلیم دی ہے جس سے ہم جنت میں پہنچ سکیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی نبی سے محبت اور جنت کا شوق:

ہمارے اعمال کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج ہمارے اندر سے اس کا شوق بھی ختم ہورہا ہے، اگر شوق اور طلب ہوتی تو ہمارے اعمال ایسے نہ ہوتے، اس کا شوق اگر آپ کو دیکھنا ہے تو صحابہ میں نظر آئے گا، حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزار رہا تھا، میں نے رات میں آپ کے لئے وضو اور ضرورت کا پانی لایا، آپ اتنا خوش ہوئے کہ کہنے لگے: ”سَلْ“ مانگ کیا مانگتا ہے؟ یہ بہت بڑی بات تھی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگنے کا حکم فرمایا؟ اور یہ بات بھی مسلم تھی کہ جو چیز اس وقت مانگی جائے گی وہ رد نہیں کی جائے گی، کیونکہ وہ سرکار کا معاملہ تھا، اگر آپ اللہ سے

دعا کردیں کہ یا اللہ! میں آپ کے فلاں بندے سے خوش ہوں آپ بھی خوش ہو جائیے، اور اس کو فلاں چیز عطا فرمائیے تو کیسے سرکار کی یہ دعا اللہ کی بارگاہ میں رد کی جائے گی؟ چونکہ وہ بھی آپ کے صحبت یافتہ تھے، دنیا اور آخرت کی حقیقت اور ان کی اہمیت ان کو معلوم تھی اس وجہ سے کہنے لگے: "أَسْأَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِي الْجَنَّةِ" یا رسول اللہ! میں آپ سے جنت میں آپ کی مرافقت اور صحبت چاہتا ہوں، ایک ہی جملہ میں دو چیزیں مانگ لیں، یہ ان کے کمال کی بات تھی، جنت بھی اور حضور کی رفاقت بھی، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان ہی یہی تھی کہ وہ آخرت اور جنت ہی کو ترجیح دیتے تھے، اُن کے زیرِ بحث امور یہی ہوتے تھے، ہماری طرح مکان، دکان، کاروبار، بیوی، بچے، خرچہ، سواری کی انہیں مستقل فکر نہیں ہوتی تھی۔ جب انہوں نے نبی سے یہ درخواست کی تو آپ نے فرمایا: "أَوَ غَيْرَ ذٰلِکَ" کیا اس کے علاوہ کوئی اور بھی خواہش ہے؟ انہوں نے کہا: "هُوَ ذَاکَ" یا رسول اللہ بس یہی مجھے کافی ہے، آپ نے فرمایا: "أَعِنِّي عَلٰى نَفْسِکَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ" (صحیح مسلم: کتاب الصلاة: باب فضل السجود والحث علیه: ۱۱۲۲) پھر اپنے آپ پر کثرتِ سجود کے ذریعہ میری مدد کرو"

یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے سے مراد حقیقۃً حضور کی مدد کرنا مراد نہیں ہے، یہ کنایہ ہے کثرتِ سجود اور کثرتِ صلاۃ سے، یعنی آپ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ کثرت سے سجدہ کیا کرو، کثرت سے نماز پڑھتے رہو، چونکہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا کے بعد جن انعامات یا سزاؤں کو رکھا ہے وہ اِس دنیا کے اَعمال کے ساتھ جوڑ کر رکھا ہے، اس لئے اگر تم کل قیامت میں میری قربت چاہتے ہو تو تم کو یہاں اپنے اعمال میں عام لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ عبادت کرنی پڑے گی، صرف فرائض اور واجبات کی ادائیگی سے کام نہیں چلے گا، تہجد اشراق، چاشت تو صحابہ پڑھتے ہی تھے پھر بھی آپ نے فرمایا کہ نمازیں پڑھو تاکہ میری معیت نصیب ہوگی۔

سجدوں کے ذریعہ حضور کی مدد کا مطلب؟

علماء نے اس طرز میں بھی چند نکات بیان کئے ہیں کہ اللہ کے نبی نے یہ کیوں کہا کہ سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو"، کیونکہ دراصل نبی علیہ السلام اس نعمت کے عظیم ہونے کی طرف

اشارہ کررہے ہیں کہ جو نعمت تم چاہ رہے ہو وہ اتنی معمولی نہیں ہے کہ محض سوال کی وجہ سے وہ مل جائے، اس کے لئے تم کو کچھ محنت کرنی پڑے گی یعنی میں اللہ سے دعا تو کروں گا لیکن ساتھ میں تم کو محنت کر کے اس درجہ کو حاصل کرنے میں میری مدد کرنی پڑے گی، ویسے نبی کی محض دعا بھی کافی ہے، لیکن کہیں وہ اس بشارت پر مطمئن ہو کر غافل نہ ہو جائیں اس لئے فرمایا کہ تم کو اس کے لئے محنت بھی کرنی پڑے گی۔ اور وہ محنت یہ ہے کہ تم کو کثرت سے نماز پڑھنا ہو گا۔ (مرقاۃ المفاتیح: کتاب الصلاۃ: باب فضل السجود و فضلہ: ۲۱۵/۳)

کثرتِ نماز کا فائدہ:

علماء نے لکھا ہے کہ آپ نے کثرتِ نماز کا کیوں حکم دیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ کثرتِ نماز سے اللہ کا قرب پیدا ہوتا ہے، کیونکہ کثرتِ صلاۃ سے شہوات اور خواہشات پر کنٹرول ہوتا ہے، اور نفس ذلیل ہوتا ہے، اور جھکتا ہے، اور جب نفس میں یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے اور جتنا زیادہ وہ ذلیل ہوتا ہے، اور جتنا زیادہ وہ اپنے آپ کو رب کے سامنے جھکاتا ہے اتنا زیادہ وہ رحمت کا مستحق ہوتا ہے، اور اتنا زیادہ حق تعالیٰ اسے اپنا قرب نصیب فرماتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب کسی کو اللہ کا قرب مل جائے گا تو اللہ پاک اس کو اپنے حبیب کے قرب سے کیوں دور رکھیں گے؟ اس لئے فرمایا کہ کثرت سے نماز پڑھا کرو، کیونکہ اللہ کے قرب کے بغیر نبی کا قرب نصیب نہیں ہو سکتا، پہلے اللہ کا قرب حاصل کرو، اللہ پاک تم کو میرا قرب نصیب فرمادیں گے۔ (فیض القدیر: ۵۵۰۲)

حضور پاک ﷺ کے جملہ کی بہترین تمثیل:

علماء نے لکھا ہے کہ حضور پاک ﷺ کے اس جملہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے طبیب اپنے مریض سے کہتا ہے کہ میں تمہارا علاج کروں گا، جس سے ان شاء اللہ تمہیں شفا مل جائے گی، لیکن اس کے لئے تمہیں میری بات ماننی پڑے گی، یا پرہیز کرنا پڑے گا، اس کے بعد تم کو شفا ملے گی، ایسے ہی آپ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ درجہ تو تمہیں مل جائیگا لیکن تمہیں میری

ایک بات ماننی پڑے گی اور وہ یہ ہے کہ تم کو دوائیں کھانا پڑے گا،یعنی کثرت سے نماز پڑھنا پڑے گا۔ اور پرہیز کرنا پڑے گا،یعنی گناہوں سے بچنا پڑے گا، پھر تم کو میری معیت نصیب ہو سکتی ہے۔(فیض القدیر: ۵۵۰۲۔ و مرقاۃ المفاتیح: ۲۱۵/۳)

رفاقتِ نبی طلب کرنے کی وجہ:

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں صحابی نے نبی کی رفاقت کو کیوں مانگا؟ ایک تو نبی کی محبت کی وجہ سے، دوسرے اس لئے کہ جنت میں نبی کا درجہ سب سے اعلیٰ ہو گا، اور ہر امتی کو وہ نصیب نہیں ہو گا، مومن ہونے کی وجہ سے جنت تو اللہ پاک عطا فرمائیں گے، لیکن نبی کی رفاقت یوں ہی مل جانے والی چیز نہیں ہے، ہر کسی کو اس کا ملنا آسان نہیں ہے، اس کو حاصل کرنا ہے تو اس کے لئے ویسے اعمال صالحہ بھی کرنا ہو گا، اس لئے فرمایا کہ میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں، کیونکہ آپ کے بغیر یہ مرتبہ اور یہ درجہ حاصل کرنا مشکل ہے۔(فیض القدیر: ۵۵۰۲)

اس کے بعد آپ نے دعا میں یہ جملہ ارشاد فرمایا: ’’وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا‘‘ اے اللہ! ہمیں اتنا یقین مرحمت فرما دیجیے جس کے ذریعہ آپ ہم پر دنیا کے حالات اور مصیبتوں کو آسان فرما دیں۔ یعنی فتنے میں آدمی پر جو حالت آتی ہے اگر اُس کے دل میں قوت، یقین، پختگی اور تقویٰ نہیں ہوتا ہے تو وہ اُن حالات میں اللہ تعالیٰ کی بندگی، اطاعت اور حق پر جما نہیں رہ سکتا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سے اس کو بھی مانگو کہ اے اللہ! آپ ہمیں اتنا یقین اور اتنی پختگی عطا فرمائیے کہ مصائب کا جھیلنا اور پریشان حالات میں حق پر جمے رہنا ہمارے لئے آسان ہو جائے۔

قلب عقل اور نفس کے متعلقات:

غرض شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک آدمی کی ذات کا فتنہ ہوتا ہے، اور اس فتنہ کی بنیاد تین چیزیں ہیں، (۱) قلب۔ (۲) عقل۔ (۳) نفس اور طبیعت۔

فتنہ ان تینوں میں ہوتا ہے، یا ان تینوں میں خرابی کی وجہ سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ آدمی پر آنے والے حالات کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ جیسے غصہ، بہادری، حیا، محبت، خوف وغیرہ۔ اور علوم کا تعلق عقل سے ہوتا ہے، جہاں حواسِ خمسہ کام کرنا بند کر دیتے ہیں وہاں سے عقل کام کرنا شروع کرتی ہے، بدیہی اور نظری دونوں قسم کے علوم عقل سے حاصل ہوتے ہیں، جو علوم تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ جانے جاتے ہیں وہ بدیہی اور جو علوم مقدمات کو ترتیب دینے اور دلائل میں غور و فکر کے بعد حاصل کئے جاتے ہیں وہ نظری کہلاتے ہیں۔ اور خواہشات کا تعلق طبیعت سے ہوتا ہے جیسے کھانا پینا، سونا، صحبت کرنا وغیرہ۔ جو گناہ بھی سرزد ہوتا ہے اولا نفس اور طبیعت اس کا تقاضہ کرتے ہیں، عقل کے ذریعہ اس کے اچھے اور برے ہونے کا صحیح اور غلط کا امتیاز کیا جا سکتا ہے، اور دل اس کا حاکم ہوتا ہے، حق کے سامنے آنے کے بعد اور حق کے واضح ہونے کے بعد قبول کرنا نہ کرنا اس پر موقوف ہوتا ہے، وہ جو چاہتا ہے انسان اس کے مطابق کرتا ہے۔

عقل دل اور طبیعت کے احوال اور اثرات:

ان میں سے ہر ایک پر بہیمیت اور شیطانی یا ملکی صفات کا غلبہ ہوتا ہے، جب ان پر ملکی یعنی فرشتہ جیسی صفات کا غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت ان کا میلان صحیح اعتقادات، خوف اور رغبت کی طرف ہوتا ہے، عبادات کی طرف دل مائل ہوتا ہے، ایسے دل کو قلبِ انسانی کہا جاتا ہے، اور جب اس میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور دل نہایت صاف ہو جاتا ہے تو اس کی نورانیت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے تو اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں روح کہا جاتا ہے۔ یہ دل ہمیشہ انبساط اور خوشی میں ہوتا ہے، اگر ان پر بہیمی صفات اور شیطانی وساوس کا غلبہ ہوتا ہے تو عقائد میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، ناپسندیدہ، خلافِ شرع اور فطرت سلیمہ کے خلاف چیزوں کی طرف نفس کا میلان ہوتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۳۲۸)

نفس کی تین قسمیں:

جب نفس خواہشات کے مطابق چلنے لگتا ہے تو اس کو نفس امارہ کہا جاتا ہے، اور جب بہیمی اور مَلَکی صفات کے درمیان ہوتا ہے کبھی اِدھر جھکتا ہے اور کبھی اُدھر جھکتا ہے تو اس کو نفس

لوامہ کہا جاتا ہے، اور جب نفس شریعت کا مکمل پابند ہوتا ہے اور اس کی ایک ایک حرکت شریعت کے مطابق ہوتی ہے تو اس کو نفسِ مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ۳۲۸/۲)

قلب، نفس اور عقل کی خرابی کا نقصان:

ان وجوہات کی بنیاد پر فتنے رونما ہوتے رہتے ہیں، اگر آدمی کے قلب میں خرابی ہوتی ہے یا فتنہ ہوتا ہے تو وہ حق بات قبول نہیں کر سکتا، اگر آدمی کے نفس اور طبیعت میں فتنہ ہوتا ہے تو پھر آدمی خواہشات کا پیروکار ہو جاتا ہے۔ پھر اُس کو سوائے خواہش کی تکمیل کے اور کوئی چیز نہیں سوجھتی۔ اگر آدمی کی عقل میں فتنہ ہوتا ہے تو اُس کو حق و باطل، صحیح اور غلط میں تمیز نہیں ہوتی، جائز اور ناجائز میں تذبذب ہوتا ہے۔ اس کا علم اور اعتقاد گڑبڑ ہوتا ہے۔

ہمارے اس دور میں عمومی طور پر ایسے لوگ ہیں جن کی عقلیں بھی فتنوں سے متأثر ہیں، طبیعتیں بھی فتنوں سے متاثر ہیں، اور دل بھی فتنوں سے متاثر ہیں، الا ماشاء اللہ کچھ بندے تو ہر جگہ مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

گھریلو زندگی کا فتنہ:

اس کے بعد فرمایا کہ ایک فتنہ گھریلو زندگی کا فتنہ ہوتا ہے، جس میں گھر کا نظام بگڑ جاتا ہے، آپس میں لڑائیاں جھگڑے ہوتے ہیں، زندگی کا نباہ مشکل ہو جاتا ہے، جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اِنَّ اِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهٗ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ فَاَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً اَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً“

بے شک ابلیس ہر روز اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے سرایا کو بھیجتا ہے، لوگوں کو گمراہ کرنے اور فتنہ میں ڈالنے کے لئے، ان میں سب سے زیادہ قریب ابلیس سے وہ ہوتا ہے جو ان میں سب سے بڑا فتنہ پھیلانے والا ہو، وہ آتے ہیں اور پنی کارکردگی سناتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میں نے یہ کیا، میں نے یہ کیا، تو وہ کہتا ہے: ”مَا صَنَعْتَ شَيْئًا“ تونے کچھ نہیں کیا، ایک اور کارندہ آتا ہے اور کہتا ہے: ”مَا تَرَكْتُهٗ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ امْرَأَتِهٖ“ میں نے شوہر اور بیوی کو لڑا دیا، اور ان کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ میں نے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرادی تو وہ خوش ہوتا ہے اور اس کو اپنے قریب کرتا ہے اور کہتا ہے: ”نِعْمَ أَنْتَ“ کہ ہاں تونے بہت بڑا کام کیا ہے۔ (صحیح مسلم: کتاب صفات المنافقین: ۲۸۱۳)

مملکت کے بگاڑ کا فتنہ:

ایک فتنہ سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا فتنہ ہوتا ہے، یہ فتنہ مملکت کے بگاڑ کا فتنہ ہوتا ہے، اس فتنہ میں ہوتا یہ ہے کہ لوگ ناحق خلافت کی حرص کرتے ہیں اور اس کے حصول کی کوشش کرتے ہیں، جیسے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ الشَّیطَانَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یَعْبُدَہُ الْمُصَلُّوْنَ فِیْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ وَلٰکِنْ فِی التَّحْرِیْشِ بَیْنَھُمْ"

بے شک شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۂ عرب میں مومنین اس کی عبادت کریں، لیکن وہ ان کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف لڑائی، بغض کینہ فتنہ پھیلانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔

ملی فتنہ:

ایک فتنہ ملی فتنہ ہوتا ہے، یعنی مذہبی فتنہ ہوتا ہے، اس میں ہوتا یہ ہے کہ اصحابِ نبی اور حوارینِ نبی کا وصال ہو جاتا ہے، اور معاملہ نااہلوں کے پاس چلا جاتا ہے، علماء دین میں غلو کرنے لگتے ہیں، بادشاہ اور عوام دین میں سستی کرنے لگتے ہیں، وہ نہ امر بالمعروف کرتے ہیں اور نہ نہی عن المنکر کرتے ہیں، وہ زمانہ زمانۂ جاہلیت ہو جاتا ہے، اور اسی کی طرف نبی علیہ السلام نے ایک حدیث میں اشارہ کیا ہے، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَہُ اللہُ فِی أُمَّۃٍ قَبْلِی إِلَّا کَانَ لَہُ مِنْ أُمَّتِہِ حَوَارِیُّوْنَ وَأَصْحَابٌ یَأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہِ وَیَقْتَدُوْنَ بِأَمْرِہِ ثُمَّ إِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَیَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِیَدِہِ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِلِسَانِہِ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِقَلْبِہِ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَیْسَ وَرَاءَ ذَالِکَ مِنَ الْإِیمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ (صحیح مسلم: کتاب الایمان، ۸۰)

کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کو اللہ نے مجھ سے پہلے امت میں بھیجا ہو مگر یہ کہ ان کے لئے ان کی امت میں سے حواری اور اصحاب تھے، وہ ان کی سنتوں پر عمل کرتے تھے، اور ان کے حکم کو مانتے تھے، پھر ان کے بعد ان کے نائب ہوتے تھے، وہ جو ایسی باتیں کرتے تھے جس پر خود عمل نہیں کرتے تھے، اور ایسے اعمال کرتے تھے جن کا ان کو حکم نہیں دیا جاتا تھا، پس جو ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرتا تو وہ مومن ہوتا، اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرتا تو وہ

بھی مومن ہوتا، اور جو اپنے دل سے ان سے جہاد کرتا یعنی ان کی برائی کو برا سمجھتا تھا وہ بھی مومن ہوتا، اور اس سے نیچے رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا درجہ نہیں ہے۔

فتنۂ مستطیرہ:

ایک فتنہ "فتنۂ مستطیرہ" یعنی عام فتنہ ہوتا ہے، جو پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہوتا ہے، یہ بد دینی کا فتنہ ہوتا ہے، اس میں لوگ انسانیت اور اس کے تقاضوں کی رعایت نہیں کرتے، اس فتنہ میں لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں، کچھ تو راہب بن جاتے ہیں، اور طبعی تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھتے، نہ اپنی فکر کرتے ہیں نہ بیوی بچوں کا ان کو خیال ہوتا ہے، اور کچھ عوام جانوروں جیسے بن جاتے ہیں، اُن کے نزدیک کسی بھی چیز کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، نہ اچھے اور بُرے کی، نہ حیا وبے حیائی کی، نہ حق وباطل کی۔ اور کچھ لوگ درمیان میں ہوتے ہیں، نہ بالکل تارک الدنیا ہوتے ہیں اور نہ جانور بن جاتے ہیں، ان دونوں کے مابین ان کا معاملہ ہوتا ہے، یہ تمام فتنے وہ ہیں جو انسانوں سے متعلق ہیں چاہے وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی ہوں۔

حادثات کا فتنہ:

ایک فتنہ حادثات کا فتنہ ہوتا ہے، جس میں بڑے بڑے طوفان آتے ہیں، وبائی امراض پھیلتے ہیں، زلزلے آتے ہیں، زمین دھنس جاتی ہے، بڑی بڑی آگ لگ جاتی ہے، انسانوں کی کھیتیاں، اُن کے جانور اور ان کے مکانات بھی ضائع جاتے ہیں۔ ان کے ذریعہ اللہ پاک مخلوق کو ڈرانا چاہتے ہیں۔ تاکہ مخلوق برائیوں سے باز رہے اور اللہ کی مطیع اور فرمانبردار بن کر رہے۔

علاماتِ قیامت کا فتنہ:

ایک فتنہ علاماتِ قیامت کا فتنہ ہے، آپ ﷺ نے قیامت کی بہت سی علامات بیان فرمائی ہیں، کچھ علامات علاماتِ کبریٰ کہلاتی ہیں اور کچھ علاماتِ صغریٰ کہلاتی ہیں، کچھ واقعات سے متعلق ہیں اور کچھ بندوں کی صفات اور ان کی بد عملیوں سے متعلق ہیں، اور قیامت کے قریب وہ علامات اور فتنے ظاہر ہوں گے۔

فتنۂ امارۃ علی الاقذاء:

ایک فتنہ نچلے درجے کے لوگوں کی امارت کا فتنہ ہے، اس کا مصداق وہ مشاجراتِ صحابہ اور واقعات ہیں جو حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ظاہر ہوئے، ان کے بعد حضرت معاویہ کی خلافت قائم ہوئی، اور ان کی خلافت شاہوں کے طریقے پر تھی، خلفاءِ اربعہ کے نہج پر نہیں تھی۔ اور ان کے ساتھ کدورت کے ساتھ صلح ہوئی، جس کا حدیث میں ذکر ہے، یعنی اس میں حضرت حسین اور حضرت معاویہ کی صلح کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد امارت دوسرے رخ پر چلی گئی۔

فتنۂ احلاس

ٹاٹ کا فتنہ، صحابہ نے کہا کہ یارسول اللہ! فتنۂ احلاس سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد لڑنا اور بھاگنا ہے۔ (سنن بی داؤد: کتاب الفتن، ۴۲۴۴) یعنی آپس میں عداوت اور لڑائی کی وجہ سے ایک دوسرے سے بھاگنا ہے۔ اور حرب سے مراد مال کا لینا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فتنۂ احلاس سے مراد جہنم کی طرف بلانے والوں کا فتنہ ہے۔ یہ فتنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد خلافت کے سلسلہ میں پیدا ہوا، اور عبد الملک بن مروان کی خلافت کے زمانے تک چلا۔ اور اہل شام نے حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مدینے سے چلے جانے کے بعد ان سے لڑائی کی تھی۔

فتنۂ سراء:

یعنی خوشی والا فتنہ، اس سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو لوگوں کو خوش کر دیتی ہیں، یعنی کشادگی، خوشحالی، صحت، مصائب سے عافیت، وغیرہ، اس کو فتنہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان نعمتوں میں پڑ کر معاصی کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: کتاب الفتن، ۱۵/۳۷۳)

شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے مراد خوشی، زبردستی اور سرکشی کا فتنہ ہے، اور اس کا مصداق وہ لڑائی ہے جو بنو عباس نے بنو امیہ کے خلاف کی تھی۔ یہاں تک کہ خلافت عباسیہ قائم ہوگئی۔ اور ان کی خلافت فارس کے شاہوں کی طرح تھی، ان لوگوں نے زبردستی اور

سرکشی کے ذریعہ خلافت حاصل کی۔ اس میں مختار ثقفی اہل بیت کی محبت اور ان کے خون کے بدلہ میں قتل و غارت گری میں حد سے آگے بڑھ گیا تھا، یا پھر ابو مسلم خراسانی کی اہل بیت کی خلافت کے لئے بغاوت تھی۔

آپ نے فرمایا کہ یہ فتنہ میرے خاندان کے پیروں سے اٹھے گا، اس کا گمان ہو گا کہ وہ میرا ہے، لیکن وہ میرا نہیں ہو گا، کیونکہ میرے دوست تو متقی ہیں، پھر ایک ایسے شخص پر جو پسلی پر سرین کی طرح ہو گا لوگ اس پر اتفاق کر لیں گے۔ (سنن ابی داؤد: کتاب الفتن، ۴۲۴۴)

فتنۂ دہیماء و تلاطم جمیع الناس:

اندھا اور لوگوں کو طمانچے مارنے کا فتنہ، یہ ایسا فتنہ تھا کہ جب اس کے بارے میں گمان کیا جاتا تھا کہ یہ ٹھنڈا پڑ گیا تو دوبارہ پیدا ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ فتنہ کسی کو نہیں چھوڑے گا، اس فتنہ میں آدمی صبح میں مومن ہو گا اور شام میں کافر، اس فتنہ میں لوگ دو خیمے اور دو گروپوں میں تقسیم ہوں گے، ایک میں صرف ایمان ہو گا، اور دوسرے میں صرف نفاق ہو گا۔ (سنن ابی داؤد: کتاب الفتن، ۴۲۴۴) شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ تاتاریوں کا فتنہ تھا، ان لوگوں نے عباسی حکومت پر حملہ کر کے ان کی سیادت کو ختم کر دیا تھا۔ اور تاتاری فتنہ ساتویں صدی میں پیش آیا تھا، ترکستان سے یہ نکلا تھا، اور عالمِ اِسلام کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھدی تھی، اُنہی کے ہاتھوں سنہ ۶۵۶ ہجری میں بغداد میں چنگیز خان کے پوتے "ہلاکو خان" کی زیر قیادت تباہی اور بربادی کا ایسا واقعہ پیش آیا تھا کہ اُسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا، تقریباً ایک مہینہ سے بھی زیادہ یہ لوگ مسلمانوں کا قتلِ عام کرتے رہے، بازاروں اور راستوں میں ٹیلوں کی مانند لاشوں کے ڈھیر نظر آتے تھے، موٗرخین نے لکھا ہے کہ اس فتنہ میں مقتولین کی تعداد ۱۸ لاکھ ہے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت: فتنۂ تاتار)

نبی کریم ﷺ نے اِس فتنہ کے بارے میں پہلے ہی پیشین گوئی فرمادی تھی اور اسے قیامت کی علامات میں سے قرار دیا تھا:

"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْأَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوْهِ ذُلْفَ الْأُنُوْفِ كَأَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ" (صحیح بخاری: ۲۹۲۸)

قیامت قائم نہ ہو گی، جب تک کہ تم ترکوں سے نہ لڑو گے، جن کی آنکھیں چھوٹی، منہ سرخ، ناک موٹی پھیلی ہوئی ہو گی۔ ان کے منہ ایسے ہوں گے جیسے ڈھالیں جن پر تہہ بتہ چمڑا چڑھا دیا گیا ہو۔ اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک تم ایسے لوگوں سے جنگ نہ کرو جو بالوں کے جوتے پہنتے ہوں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ تاتاریوں کے فتنہ کے زمانہ ہی کے ہیں اُنہوں نے اپنے زمانے میں اِس فتنہ کو دیکھ کر فرمایا کہ قیامت کی یہ علامت ہمارے زمانے میں ان تمام صفات کے ساتھ پائی گئی جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ (شرح النووی: ۱۸/۳۷) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتنوں کی یہ مختلف اور اجمالی صورتیں بیان کی ہیں، ان کی بڑی تفصیلات ہیں، ان شاء اللہ وہ آپ کے سامنے ذکر کی جائیں گی، حق تعالیٰ ہم سب کو تمام ہی فتنوں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

منافقین کی صفات:

نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا۔ اَمَّا بَعۡدُ۔ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

”یَوۡمَ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا انۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِکُمۡ قِیۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَکُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا فَضُرِبَ بَیۡنَھُمۡ بِسُوۡرٍ لَّہٗ بَابٌ بَاطِنُہٗ فِیۡہِ الرَّحۡمَۃُ وَظَاھِرُہٗ مِنۡ قِبَلِہِ الۡعَذَابُ۔ یُنَادُوۡنَھُمۡ اَلَمۡ نَکُنۡ مَّعَکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی وَلٰکِنَّکُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ وَتَرَبَّصۡتُمۡ وَارۡتَبۡتُمۡ وَغَرَّتۡکُمُ الۡاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمۡرُ اللّٰہِ وَغَرَّکُمۡ بِاللّٰہِ الۡغَرُوۡرُ۔ فَالۡیَوۡمَ لَا یُؤۡخَذُ مِنۡکُمۡ فِدۡیَۃٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مَاۡوٰىکُمُ النَّارُ ھِیَ مَوۡلٰىکُمۡ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ۔ اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُھُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡھِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُھُمۡ وَکَثِیۡرٌ مِّنۡھُمۡ فٰسِقُوۡنَ“ (الحدید:۱۳ تا ۱۶)

(اور یہ وہ دن ہو گا) جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے (پل صراط پر) کہیں گے کہ (ذرا) ہمارا انتظار کر لو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں، ان کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر (وہاں سے) روشنی تلاش کرو پھر ان (فریقین) کے درمیان میں ایک دیوار قائم کر دی جائیگی، جس میں ایک دروازہ (بھی) ہو گا، اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہو گی اور بیرونی جانب عذاب ہو گا۔

یہ (منافق) ان کو پکاریں گے کہ کیا (دنیا میں) ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ (مسلمان) کہیں گے کہ (وہاں) تھے تو سہی، لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا۔ اور تم منتظر رہا

کرتے تھے اور شک رکھتے تھے اور تم کو تمہاری بیہودہ تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم آپہنچا۔ اور تم کو دھوکہ دینے والے (یعنی شیطان) نے اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جاوے گا اور نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے وہی تمہارا رفیق ہے اور وہ (واقعی) برا ٹھکانا ہے۔ کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق (منجانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان کے قبل کتاب (آسمانی) ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) پھر (اسی حالت میں) ان پر زمانہ دراز گزر گیا (اور توبہ نہ کی) پھر ان کے دل (خوب ہی) سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں کے (آج) کافر ہیں۔

یہ آیتیں سورۂ حدید کی ہیں۔ ہمارا سابقہ مضمون فتنوں سے متعلق تھا اسی کی مناسبت کی وجہ سے ان آیات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جس میں منافقین کی اوصاف بیان کئے گئے ہیں، اور جن کو حق تعالیٰ نے فتنہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

نیک بخت کون ہے؟

قیامت کے قریب فتنوں کی جو تفصیلات آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں ان میں ایک حدیثِ مبارکہ نظر سے گزری۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے حضور پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ۔

بے شک نیک بخت اور خوش نصیب وہ ہے جو فتنوں سے بچا لیا گیا، یہ بہت بڑی خوش نصیبی ہے کہ آدمی فتنوں سے بچ جائے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ بات ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَمَنِ ابْتُلِيَ فَصَبَرَ فَوَاهًا (سنن ابی داود: کتاب الفتن، ۴۲۶۵)

اگر کوئی کسی فتنے میں مبتلا ہو ہی جائے کیونکہ بعض فتنے ایسے بھی ہوتے ہیں جو سر پر سوار ہو ہی جاتے ہیں جن سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ اس وقت صبر کرے، یعنی اُس فتنے کے اعتبار سے شریعت کا جو حکم ہے اُس پر جما رہے، اور صبر کی حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی بھی تکلیف یا پریشانی یا فتنہ میں آدمی شریعت کے حکم پر جما رہے تو بس اُس کے لیے خوشخبری ہے۔

اس لئے حضور پاک ﷺ نے فتنوں سے پناہ مانگی ہے:

"نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَ مَا بَطَنَ" (صحیح مسلم: کتاب الجنة و صفة نعیمها و أهلها، ۷۳۹۲)

یااللہ! ہم آپ سے پناہ مانگتے ہیں گمراہ کرنے والے فتنوں سے، چاہے وہ ظاہری ہوں یا باطنی، فتنے ظاہری بھی ہوتے ہیں جسے لوگ محسوس کرتے ہیں، اور کچھ قلبی، روحانی، اور اندرونی فتنے ہوتے ہیں۔ دونوں قسم کے فتنوں سے پناہ مانگنے کی ضرورت ہے کیونکہ دونوں خطرناک ہیں اور دونوں ہی سے آدمی تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

فسق و فجور کا عام ہونا بھی فتنہ ہے:

قرآن و حدیث میں فتنہ کا اطلاق فسق و فجور، معاصی اور برائیوں کے عام ہونے پر بھی کیا گیا ہے، یوں تو ہر بُرائی بُرائی ہی ہوتی ہے، لیکن جب وہ بُرائی عام ہوتی ہے تو اُس کا دوسرا اثر ہوتا ہے، وہ فتنہ بن جاتی ہے، اُس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اُس بُرائی کی بُرائی ذہنوں سے نکل جاتی ہے، اور اگر کوئی اس میں مبتلا ہو جائے تو اُس کا احساس بالکل نہیں ہوتا، بلکہ بعض دفعہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس ناجائز چیز کے جواز کے حیلے بہانے تلاش کئے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کی پیشن گوئی فرمائی کہ قیامت کے قریب فسق و فجور بہت عام ہو جائے گا۔ "فسق" خدا کی بغاوت کو کہتے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کی پرواکئے بغیر کھلم کھلا نافرمانی کرنا فسق کہلاتا ہے، پہلے کوئی ایک شخص نفس و شیطان سے متأثر ہو کر ان میں مبتلا ہو جاتا تھا لیکن قربِ قیامت عمومی طور پر سب اس میں مبتلا ہوں گے، اس وقت ان کا ابتلاء فتنے کی شکل اختیار کرلے گا۔ اگر کوئی ایک اس میں مبتلا ہو تو کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن جب سب اس میں مبتلا ہوں گے تو پھر فتنہ پیدا ہو جائے گا، جب گناہ عام نہیں ہوتا تو صرف گناہ کی خواہش ہوتی ہے۔ اُس سے بچنا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے، لیکن جب گناہ اور فسق و فجور عام ہو جاتا ہے تو اس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ جب مصیبت عام ہوتی ہے تو خوشگوار ہو جاتی ہے۔ اگر ایک دو آدمیوں کو سردی لگے تو وہ دوسروں سے کہتے ہیں کہ مجھے سردی لگ رہی ہے لیکن اگر سب ہی کو سردی لگے تو پھر سردی کی شکایت میں کمی ہو جاتی ہے، اسی طرح گناہوں کا معاملہ ہے۔ اگر ایک دو آدمی گناہوں سے متأثر ہوتے ہیں تو سارا معاشرہ اس کو محسوس کرتا ہے۔ اور اگر گناہ کی بلا عام ہو جائے تو پھر گناہ کو گناہ نہیں سمجھا جاتا، اس کی قباحت اور نفرت

دلوں سے کم ہو جاتی ہے، اور اُس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آدمی کے لیے ایسا وقت بڑا آزمائشی ہوتا ہے۔

برائیوں کا عام ہونا لوگوں کو برائی کرنے پر جری بنا دیتا ہے:

ان حالات میں اولا کوئی ٹوکتا نہیں، اگر کوئی ٹوکتا بھی ہے تو وہ کہتا ہے کہ ساری دنیا اسے کر رہی ہے، صرف میں اکیلا اس کو نہیں کر رہا ہوں، یہ آدمی کا مزاج بن جاتا ہے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اگر کوئی ہمیں بُرائی میں دیکھتا ہے تو دیکھ لے، ہمارا کیا بگڑے گا؟ ساری دنیا اس کو کر رہی ہے، ہم کریں تو کیا پریشانی ہے؟ نہ وہ شرماتے ہیں اور نہ انہیں جھجھک محسوس ہوتی ہے، اس کو کرنے میں ساری دنیا کا حوالہ دینا بے وقوفی ہے، سب لوگوں کا غلطی میں مبتلا ہونا کوئی عذر نہیں ہے، اور ساری دنیا کے کسی ناجائز چیز کو کرنے سے وہ ہمارے لئے جائز نہیں ہو جاتی، گناہ تو گناہ ہوتا ہے، چاہے چھپ کر کریں، یا لوگوں کے سامنے، لیکن جب لوگوں کے سامنے علانیہ کیا جاتا ہے تو اس کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ جب سب مل کر کرتے ہیں اور سب کے سامنے کرتے ہیں تو سب کے مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کی بُرائی کا احساس دلوں سے نکل جاتا ہے، اس کی قباحت دل سے نکل جاتی ہے، اور لوگوں میں اس کو کرنے کی جرأت پیدا ہوتی ہے، بے غیرتی کے ساتھ اس کو کرتے ہیں، اور لوگوں کو یہ گناہ گوارا ہو جاتا ہے، اس کی شدت اور قباحت میں تخفیف ہو جاتی ہے، اور لوگ اس کو ہلکا یا بعض کو تو گناہ ہونے کا بھی احساس نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ جب کسی بُرائی کی بُرائی ہی ذہن سے نکل جائے تو پھر اور کیا چاہیے، یہ کتنی خطرناک بات ہے؟ اس لئے جو برائی ہے وہ تو برائی ہے، اور جب وہ برائی عام ہو جاتی ہے تو وہ اور بڑی برائی ہو جاتی ہے، اور فتنہ کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ بُرائی میں مبتلا ہونا الگ فتنہ ہے۔ اور بُرائی میں مبتلا ہو کر اُس بُرائی کی بُرائی کا ذہنوں سے نکل جانا یا اس کو ہلکا سمجھنا اُس سے زیادہ بڑا فتنہ ہے۔ لوگ اس کو محسوس نہیں کرتے۔ اگر کوئی کسی وجہ سے کسی بُرائی میں مبتلا ہو گیا تو اولا تو اس کو ترک کرنا ضروری ہے، ورنہ کم از کم اُس کی بُرائی کا احساس تو دل میں ہونا چاہیئے۔ لیکن اب ہو یہ رہا ہے کہ گناہ کی قباحت کا دل میں لانا تو دور کی بات ہے اُس کو شرعی حدود میں لانے کی لوگ کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

جیسے سود کا مسئلہ ہے، بارہا اس کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ میں نے ابھی ایک بزرگ کے کلام میں بڑی عمدہ بات دیکھی، ایک صاحب نے اُن سے سود کے بارے میں پوچھا، اور کہنے لگے کہ دار الحرب میں اس کی گنجائش ہے، لہذا آج بھی دار الحرب میں اسے جائز قرار دینا چاہیے، وہ کہنے لگے کہ جب سود کی حرمت نازل ہوئی تھی اس وقت مکہ مکرمہ "دارالحرب" تھا، "دارالاسلام" نہیں، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے حرام ہونے کا اعلان فرمایا تھا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا جن لوگوں سے سودی معاملہ تھا وہ سب کافر و مشرک تھے، آپ کا سود کی حرمت کا اعلان فرمانا عین دارالحرب اور کافروں اور مشرکوں کے ساتھ تھا، اس لئے آج یہ کہنا کہ دار الحرب میں اس کی گنجائش ہے یہ صحیح نہیں ہے؟ یہ ایک بہکاوا ہے۔

اعتقادی اور علمی فتنہ عملی فتنے سے بڑا ہوتا ہے

غرض اگر آدمی کسی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے اور اس کو محسوس بھی کر رہا ہے کہ یہ بہت بُری بات ہے تو غنیمت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہی احساس ندامت کی وجہ سے اللہ پاک اسے توبہ کی توفیق دیدیں، لیکن اگر اُس بُرائی کو بھلا بنانے کی چکر میں ہے تو یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ اعتقادی اور علمی فتنہ عملی فتنے سے بڑا ہوتا ہے، کیونکہ ساری چیزوں اور سارے اعمال کا دارو مدار علم اور عقیدہ پر ہوتا ہے۔ اگر علم اور عقیدہ ہی بگڑ جائے تو ایمان کی بنیاد ہی خراب ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت سارے برے کام دین کے نام پر کئے جاتے ہیں۔

موجودہ زمانہ ہی ہمارے لئے بہتر ہے:

ہمارا یہ زمانہ فتنوں اور آزمائشوں کا زمانہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے مقدر میں یہ بات لکھی ہے، بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے کہ کاش ہم بھی زمانۂ خیر القرون میں ہوتے، لیکن ہماری استعداد، ہماری ایمانی کمزوری، ہمارے حالات کی وجہ سے ہمارا اس زمانہ میں نہ ہونا ہی ہمارے لئے بہتر تھا، ظاہر ہے کہ ہم صحابہ کی صف میں کیسے کھڑے ہو سکتے ہیں، اب تک ہماری زندگی کا جو حصہ گزرا وہ ہماری تقدیر تھی، ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہم کیا کرنے والے تھے، مگر اب چالیس سال گزرنے کے بعد ہم نے اپنا مقدر دیکھ لیا، ہمیں پتہ چل گیا کہ ہم نے چالیس سال میں کیا کیا؟ اب ہم حساب کر کے اندازہ لگالیں کہ اگر یہی مقدر

حضور ﷺ کے زمانے میں ظاہر ہوتا تو کیا ہوتا؟ یہ بات سوچنے کی ہے۔ جو کچھ ہم کر چکے ہیں وہ ہماری تقدیر تھی جس کا ظہور ہو گیا، اچھا اور برا، صحیح اور غلط سب ہمارے سامنے ہے۔ اگر یہی مقدر حضور پاک ﷺ کے زمانے میں ظاہر ہوتا تو ہم کون سی صف میں کھڑے کئے جاتے؟ یہ تو مصلحتِ خداوندی ہے، جو ہمارے حق میں سراپا بہتر ہی بہتر اور خیر ہے، اس لئے بعض اعتبارات سے ہمارا اس اخیر زمانے میں پیدا ہونا ہی عین مصلحت ہے، اگرچہ بعض اعتبارات سے آزمائش ہے۔ اس سے ہم کو اللہ پاک آزماتے ہیں کہ دیکھیں ان حالات میں وہ کیا کرتا ہے؟

منافقین کا نور یوم قیامت سلب کر لیا جائے گا:

آج جو آیتیں میں نے تلاوت کی ہیں اُن کا تعلق بھی اسی سے ہے، جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں منافقین کی فتنہ پرور صفات اور قیامت میں ان کے ساتھ پیش آنے والے حالات کو بیان فرمایا ہے، قیامت کے دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہر جاؤ تاکہ ہم تمہارے نور سے کچھ فائدہ اُٹھائیں، منافقین مومنین سے یہ نور اس وقت مانگیں گے جس وقت پوری مخلوق پر اندھیرا چھا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اتنا اندھیرا چھا جائے گا کہ آدمی کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ اس وقت اللہ پاک مومن اور منافق کو نور عطا فرمائیں گے، یہ ایسی نازک صورتحال ہو گی کہ جس کے پاس نور ہو گا وہی آگے جاسکے گا اور جس کے پاس نور نہیں ہو گا وہ نہیں جاسکے گا۔ پل صراط پر آنکڑے اور کانٹے ہوں گے، جس کو اللہ چاہے گا وہ پکڑ لیں گے، مومنین اور منافقین جب پل صراط پر ہوں گے تو اللہ پاک منافقین کے نور کو بجھا دیں گے۔ (المستدرک علی الصحیحین: کتاب التفسیر: ۳۵۱۱ و صحیح مسلم: کتاب الایمان: ۳۱۶) اس وقت منافقین کہیں گے کہ ٹھہر جاؤ، تاکہ ہم تم سے روشنی حاصل کرلیں تو فرشتے یا مومنین کہیں گے کہ اپنے پیچھے سے نور حاصل کرو، جب وہ نور تلاش کرنے جائیں گے اور نور نہ ملنے پر واپس آئیں گے تو اس وقت تک ان کے درمیان اور مومنین کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی، اور مومنین اپنی منزل پار کرلیں گے اور جنت تک پہنچ جائیں گے۔ (روح المعانی: ۲۰/۳۲۰ و تفسیر بغوی: ۳۵/۸)

مومنین کا نور ان کے ایمان اور اعمال کے اعتبار سے ہو گا:

مومنین کو ان کے ایمان اور اعمال کے بقدر نور دیا جائے گا۔ کسی کو پہاڑ کے بقدر نور دیا جائے، کسی کو کھجور کے درخت کے بقدر نور دیا جائے گا، کسی کو اس کے پاؤں کے انگوٹھے کے بقدر نور دیا جائے گا۔ وہ کبھی بجھے گا اور کبھی جلے گا، جب جلے گا تو چلے گا اور جب بجھ جائے گا تو ٹھہر جائے گا۔ (المعجم الکبیر: ۹۷۶۳)

نمازوں کی پابندی نور اور نجات کا ذریعہ ہے:

یہ نور آدمی کو نمازوں کی پابندی سے ملے گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں پانچ نمازوں کی پابندی کرنے والے کو اللہ پاک نور عطا فرمائیں گے:

مَنْ حَافَظَ عَلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ نُوْرًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ (المعجم الکبیر: ۱۴۳۱)

جو پانچ نماز کی حفاظت کرے گا تو اس کے لئے نور ہو گا، برہان ہو گی اور قیامت کے دن نجات ہو گی۔ یعنی اس نور کی وجہ سے وہ پل صراط پر بہ آسانی بجلی کی چمک کی طرح گزر جائے گا، اور حق تعالیٰ کے پاس یہ نماز بطورِ حجت رہے گی، جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ اس کو نجات عطا فرمائیں گے۔ اس نور کی نوعیت دنیا کے نور جیسی نہیں ہو گی کہ اگر اندھیرے میں آپ کے پاس ٹارچ ہے تو دوسرے کو بھی نظر آ گیا، اس کی صحیح کیفیت حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں، جس کے پاس نور ہو گا بس وہی اُسی کی روشنی میں چل سکے گا۔ ایسا نہیں ہو گا کہ اس کے ساتھ بازو میں دو آدمی چل رہے ہوں اور اسی نور کے ذریعہ وہ بھی راستہ پار کر لیں۔

منافقین کا نور بطور دھوکہ سلب ہو گا:

منافقین کو جو نور دیا جائے گا وہ اس لئے کہ دنیا میں وہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ رہتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، روزہ رکھتے تھے، زکوٰۃ دیتے تھے، حج کرتے تھے اور جہاد میں شرکت کرتے تھے۔ اور اپنے کئے پر خوش رہتے تھے، جب کہ ان کے اندر نفاق اور کفر تھا، اس طرح وہ دنیا میں اللہ کے ساتھ اور مومنین کے ساتھ دھوکہ کیا کرتے تھے، دل میں کفر رکھ کر ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان بتاتے تھے، جیسا کہ اس آیت میں اللہ پاک نے ذکر فرمایا: إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ۔ (النساء: ۱۴۲)

بلاشبہ منافق اللہ سے چالبازی اور دھوکہ کرتے ہیں اور اللہ پاک بھی ان کی چال بازی کی سزا ان کو دینے والا ہے۔اس لئے اللہ پاک کل قیامت میں ان کے ساتھ بطورِ سزا ایسا کریں گے۔پہلے ان کو نور عطا فرمائیں گے، جس کو لے کر وہ آگے بڑھیں گے، جب عین پل صراط پر وہ پہنچیں گے تو اللہ پاک ایک ہوا بھیجیں گے جو ان کا نور بجھادے گی۔(قرطبی:۲۱۰/۱۷ وتفسیر بغوی:۳۵/۸۔تفسیر منیر للزحیلی:۳۲۷/۵)

حق تعالیٰ کے لئے دھوکہ کا لفظ بطورِ صنعتِ مشاکلت ہے:

یہاں حقیقت میں اللہ کا دھوکہ دینا مراد نہیں بلکہ سزا اور بدلہ مراد ہے۔جیسے قرآن پاک میں ہے:"جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا"(الشوریٰ:۴۰)

بُرائی کا بدلہ اُس کے مثل بُرائی ہے۔اور ظاہر ہے کہ جب بُرائی کا بدلہ برائی سے لیا جائے تو اس کو"بُرائی"نہیں بلکہ بدلہ کہیں گے، ایک آدمی نے آپ کو تھپڑ مار دیا۔اُس کے بدلے میں شریعت نے آپ کو معاف کرنے کی ترغیب دی اور اگر آپ بدلہ لینے پر مصر ہیں تو شریعت نے آپ کو اتنا ہی تھپڑ مارنے کی اجازت دی۔جب آپ نے بھی اس کو تھپڑ مار دیا تو وہ برا نہیں ہے، بلکہ وہ بدلہ اور قصاص ہے۔ایسے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بطورِ لفظی مماثلت "دھوکہ"کو اپنی طرف منسوب کیا، بلاغت کی اصطلاح میں اس کو صنعتِ مشاکلت کہتے ہیں، جو کلام کی بلاغت اور حسن کا ایک طریقہ ہوتا ہے، حقیقۃ وہاں اللہ کا دھوکہ دینا مراد نہیں ہوتا ہے بلکہ اس سے سزا و جزاء مراد ہوتی ہے، جو بظاہر دھوکہ کی شکل میں ہے کہ ابتداء میں اللہ پاک ان کو نور دیں گے جس کو لے کر کامیابی کی امید کے ساتھ چلیں گے لیکن عین پل صراط پر اللہ پاک بطورِ سزا وہ نور ان سے چھین لیں گے۔(التحریر والتنویر:۲۳۹/۵)

مومنین کا ڈر:

مومنین جب پل صراط پار کرلیں گے تو بہت خوش ہو جائیں گے، اور منافقین وہیں پھنس جائیں گے، مومنین کو بچنے کی خوشی ہوگی، اور منافقین کو پھنسنے کی مصیبت ہوگی، رحمت والی جانب جہاں جنت کا دروازہ ہوگا وہاں نہیں جاپائیں گے، کیونکہ دیوار ان کے درمیان حائل

کر دی جائے گی، اور دوسری طرف ان کی نظروں کے سامنے عذاب ہو گا جو کہ ان کے لئے متعین ہو گا۔ مومنین بھی بہت ہی تیزی کے ساتھ چلیں گے، وہ ڈر جائیں گے کہ کہیں ہمارا نور بھی بجھ نہ جائے کیونکہ منافقین کا نور بجھ چکا ہو گا، اس لئے حق تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے یہ دعا کریں گے:

"رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" (التحریم:۸)

اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھئے (یعنی راہ میں گل نہ ہو جائے) اور ہماری مغفرت فرمادیجئے آپ ہر شے پر قادر ہیں۔

مومن کی موت کی کیفیت:

اور اس طرح ڈرنا ہی مومن کے ایمان کی علامت ہے، حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اَلْمُؤْمِنُ يَمُوْتُ بِعَرَقِ الْجَبِيْنِ" (سنن ترمذی: کتاب الجنائز: ۹۹۸)

ایمان والا پیشانی کے پسینے کے ساتھ مرتا ہے۔ یعنی جب اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اُس کو بڑا ڈر رہتا ہے کہ میں نے تو کچھ تیاری نہیں کی ہے، اب اپنے اللہ کے پاس جا رہا ہوں، اپنے مولا کی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں، میرے پاس کوئی سوغات ہی کیا ہے کہ جو میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر سکوں، اس ڈر اور شرمندگی اور اس سوچ کی وجہ سے کہ کس کام کے لیے آئے تھے اور اپنے ساتھ کیا لے جا رہے ہیں اس کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے، اسی حالت میں اس کی موت ہو جاتی ہے۔

تہمتیں چند اپنے سر دھر چلے کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے
ہم جہاں میں آئے تھے تنہا و لے ساتھ اپنے اب اسے لے کر چلے

اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ ایمان والا کم از کم اپنے گناہوں پر نادم اور شرمندہ ہو جائے۔

ندامت کی آگ جہنم کی آگ پر بھاری ہے:

میں حضرت عبد اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا، انہوں نے لکھا کہ آگ دو قسم کی ہیں، ایک جہنم کی آگ اور ایک ندامت و شرمندگی کی آگ، جو شرمندگی کی آگ

میں جل جائے گا وہ جہنم کی آگ سے بچ جائے گا۔ اور جو شرمندگی کی آگ میں نہیں جلے گا پھر اُس کو جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا۔ یعنی شرمندگی کی آگ جہنم کی آگ پر بھاری ہے، جس کسی کے دل میں ایمان کا ذرّہ ہو گا وہ ضرور اپنے کیئے پر پچھتاتا ہے اور اُس کو شرمندگی ہوتی ہے، چاہے وہ کسی کے سامنے اس کا ذکر کرے یا نہ کرے، لیکن اُس کے دل میں یہ احساس ہوتا ہے کہ واقعی میرا جیسا کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر کسی کے دل میں یہ احساس نہ ہو تو وہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے گناہوں کو یاد کر کے اپنے آپ پر ملامت کرے اور اپنے نفس کو خطاب کر کے بولے کہ او خبیث! دیکھ تو نے کیا کچھ نہیں کیا؟ اب اللہ کے سامنے کیا صورت لے کر جائے گا؟ کیا یہ کرنے کے کام تھے جو تو نے کیئے ہیں، جس اللہ نے تجھے پیدا کیا، جس کے انعامات اور احسانات کا اتنا تسلسل تیرے اوپر ہے، سر سے لے کر پیر تک تو اسی میں ڈوبا ہوا ہے اس کے باوجود تیرا اس ذات کے ساتھ تعلق اور شکر کیسا ہے؟ آدمی جتنا اپنے آپ پر ملامت کرے گا اُتنا ہی اُس کے لیے ٹھیک ہو گا۔ تو مومن اس ڈر سے کہ کہیں میرا نور نہ بجھ جائے جلدی سے پل صراط پار کرلیں گے اور منافقین ان کو پکاریں گے:

”اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ“

کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ کیا ہم تمہارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تھے، کیا ہم تمہارے ساتھ رمضان میں افطار نہیں کرتے تھے، کیا ہم تمہارے ساتھ جہاد میں شرکت نہیں کرتے تھے، ہم اور تم ایک ہی تو تھے، آخر آج ہمارے ساتھ سوتیلا سلوک کیوں ہو رہا ہے؟ مسلمان کہیں گے کہ دراصل دنیا میں تم نے اپنے آپ کو فتنہ اور گمراہی میں ڈال رکھا تھا، تم میں فتنوں سے بچنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، اس لئے آج ہم تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے۔

منافقین کے خسران کے چار اسباب:

وہ کیا فتنہ اور گمراہی تھی جس میں وہ پھنسے ہوئے تھے تو آگے حق تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا، مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ چار چیزیں تھیں یا چار صفات تھیں جس کی وجہ سے وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔

(۱)''فِتْنَةُ أَنْفُسِهِمْ''ان کی ذات کا فتنہ یعنی معاصی میں ابتلاء اور خواہشات کی اتباع۔

(۲)''وَالتَّرَبُّص بِالْمُؤْمِنِيْنَ''نبی کی موت یا مومنین پر حوادث اور مصائب کا انتظار۔

(۳)''وَارْتَبْتُمْ''رسول ﷺ کی تصدیق میں شک۔

(۴)''وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ''ان چیزوں سے دھوکہ جن کی طرف ان کے نفس مائل ہوتے تھے۔یعنی لمبی لمبی امیدیں باندھے رکھنا۔(التحریر والتنویر:۲۷/۳۸۵)

معاصی اور شہوات کا فتنہ:

پہلی چیز بیان فرمائی کہ تم میں تمہارے نفس کا فتنہ تھا،اس میں تم مبتلا تھے،یعنی تم نے اپنے دل میں نفاق چھپائے رکھا،معاصی میں پڑگئے،شہوات اور لذات کی تکمیل میں لگ گئے۔(تفسیر قرطبی:۱۷/۲۱۱)

مسلمان پر مصیبت سے خوش ہونا نفاق کی علامت ہے:

دوسرا فتنہ اور دوسری گمراہی یہ تھی کہ وہ نبی کی موت اور مسلمانوں پر مصیبت کے منتظر رہتے تھے۔(تفسیر قرطبی:۱۷/۲۱۱وفتح القدیر:۷/۱۵۰)اور چاہتے تھے کہ نبی کی موت ہو جائے، اور مسلمان کسی طرح تکلیف میں پھنس جائیں،اُن پر کوئی مصیبت یا آفت آجائے، مسلمانوں کی مصیبت پر وہ خوش ہوتے تھے۔بظاہر تو وہ مسلمانوں کے ساتھ ہوتے تھے،اور اپنے کو مسلمان دکھاتے تھے،اور حکمِ شرع کی خلاف ورزی بھی کرتے تھے اور اس کو چھپاتے تھے، تاکہ کوئی ان کے نفاق بارے میں شک نہ کرے،بہانے بناتے تھے،اور بہانے بھی ایسے کہ جس سے ان کی جھوٹی پاک دامنی اور مسلمانوں کے ساتھ خلوص معلوم ہو اور اوپر سے یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کی تعریف بھی کی جائے،اللہ پاک نے ان آیات میں ان کی حقیقت کو کھول دیا،اور فرمایا کہ ظاہر میں تو ان کا ایسا حال ہے کہ لیکن باطن میں ان کی صفات یہ ہیں:

''إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُونَ''

اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو وہ ان کے لیے موجب غم ہوتی ہے، ان کو برا لگتا ہے، اور اگر آپ پر کوئی حادثہ آپڑتا ہے تو (خوش ہو کر) کہتے ہیں کہ ہم نے تو (اسی لیے) پہلے سے اپنا احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا اور (یہ کہ) وہ خوش ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

جب مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوتیں، یا مالِ غنیمت مل جاتا، یا دیگر ممالک کے سلاطین کے ساتھ معاہدے یا مصالحت ہوتی تو ان کو یہ سب بُرا لگتا، اور جب مسلمانوں کو مصیبت پہنچتی یا نقصان ہو جاتا تو ان مواقع پر شرکت نہ کرنے اور جھوٹا بہانہ کرنے پر مسرور ہوتے اور یہ کہتے کہ اچھا ہوا کہ ہم نے ہوشیاری کر لی، اور پہلے ہی سے اپنی حفاظت کر لی، ورنہ ہمارا بھی نقصان ہو جاتا، اس مصیبت اور تکلیف سے خوش ہوتے، یہ نفاق کی علامت ہے، اپنے بھائی کی تکلیف سے خوشی اور اس پر مصیبتوں اور تکالیف کی امید اور اس کی تکلیف سے خوشی بہت ہی برا وصف ہے، اور باطن کے انتہائی خراب ہونے کی علامت ہے۔

یہ فتنہ آج ہمارے درمیان میں عام ہے۔ آج ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے اوپر مصیبت آنے کا منتظر ہے۔ فلاں کی جاب چلی گئی اور فلاں کو خوشی ہو رہی ہے۔ فلاں فیل ہو گیا تو فلاں کو خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ گھر میں کوئی فتنہ و فساد ہو گیا اور تعلقات خراب ہو گئے تو خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی کو نعمت مل گئی یا کامیابی مل گئی تو اس سے حسد اور نفرت ہو رہی ہے، یہ فتنہ ہے۔ جب کہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اہلِ ایمان سے محبت کریں، ان کے دکھ اور درد میں شریک ہوں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ان کے دکھ اور درد میں شریک ہونے کے بجائے اس سے خوش ہوتے ہیں۔

مومن کی صفات اور مومن کی حالت احادیث میں یہ بیان کی گئی ہے:

”اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا“ (صحیح بخاری: کتاب المظالم، ۲۳۱۴)

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک دیوار کی طرح ہوتا ہے، جیسے دیوار کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے جڑا ہوا اور چپکا ہوا ہوتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے جڑ کر اور چپک کر رہنا چاہیے، اس سے محبت کرنی چاہیے، اس کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہیے، جب آدمی ایک مسلمان سے اس طرح محبت کرتا ہے تو وہ مسلمان سے

نہیں بلکہ اللہ سے محبت کرتا ہے، کیونکہ وہ اللہ کے اسی حکم کو مان کر اس کے مطابق عمل کر رہا ہے، تو اس کی محبت در اصل اللہ کے لئے ہوئی، الا یہ کہ دین کی خاطر کسی کے ساتھ تعلقات میں کشیدگی آجائے تو وہ الگ ہے، مگر مادّی اور دنیاوی لحاظ کے اعتبار سے یہ چیز انتہائی خطرناک ہے کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر آنے والی مصیبت سے خوشی محسوس کرے۔ یہ منافقین کی ایک خاص صفت تھی، جس کا اللہ پاک نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

مومنین کے فائدہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خوشی:

ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب مجھے کسی حاکم کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ وہ عادل اور منصف ہے تو مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے حالانکہ مجھے گمانِ غالب یہ ہوتا ہے کہ عمر بھر میرا کوئی قضیہ اُس کے پاس نہیں جائے گا۔ مگر اُس کے عادل ہونے کی وجہ سے دنیا میں امن وانصاف پھیلنے کی امید ہوتی ہے اس بنیاد پر مجھے خوشی ہوتی ہے، ایسے ہی جب کسی مسلم بستی میں بارش ہوتی ہے اور مجھے اُس کی اطلاع ملتی ہے تو مجھے سن کر بے حد خوشی ہوتی ہے، حالانکہ میرے پاس کوئی جانور نہیں ہے جو اُس بارش سے اُگنے والی گھاس کو کھائے۔ صرف اس وجہ سے کہ مسلمان کو اُس سے فائدہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کو خوش حالی ملتی ہے اس لئے مجھے اس سے خوشی ہوتی ہے۔ یہ مزاج ہر انسان کا ہونا چاہئے۔

دو چیزوں میں آدمی عمر گنوا دیتا ہے:

حضرت عبد اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں بڑی عجیب بات لکھی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بس میں تھوڑا سا فارغ ہو جاؤں اور تھوڑے سے پیسے کما لوں اُس کے بعد مجھے عبادت ہی کے لیے فارغ ہونا ہے؟ لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ ایک کام سے دس کام پیدا ہوتے ہیں یا ایک کے بعد ایک کام نکلتا ہے اور مرنے تک اس کو فرصت نہیں ملتی، اُس کے بعد فرمایا کہ اصل قصہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی دو چیزوں میں اُلجھ جاتی ہے ایک آرزوؤں کے پورا کرنے میں اور دوسرے دُشمنوں سے بدلہ لینے میں۔ یہ سب کچھ اس لیے بیان کیا جا رہا ہے کہ ایک مسلمان کا سینہ غش، غل، حسد، کینہ وغیرہ سے صاف ہونا چاہیے اور اس سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے، اس کی ترقی اور خوشی

سے دوسرے مسلمان کو خوشی ہونا چاہئے، ان کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہیے، اِلَّا یہ کہ شریعت ہی کا کوئی تقاضہ سامنے آجائے جو اُس کی مخالفت کو جائز قرار دے اور اُس کے بارے میں غلط تاثر کو جائز قرار دے۔

نظر نہ آنے والے حقائق میں شک نفاق ہے:

منافقین کی تیسری صفت یہ تھی کہ وہ توحید، نبوت اور بعثت کے بارے میں شک کیا کرتے تھے۔(اللباب:۱۳۲/۱۵)

جو باتیں آپ علیہ السلام کی طرف سے ان لوگوں کو بتائی جاتی تھیں وہ اُن میں شک کرتے تھے، یہ بہت اہم بیماری ہے اور یہ اس زمانے کا خاص مرض ہے۔یعنی نظر نہ آنے والے حقائق کے بارے میں شک کرنا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بارے میں جو تاثر ایک مسلمان کے دل میں ہونا چاہیے وہ ہمارے دلوں میں نہیں رہا۔ جس کی وجہ سے اللہ کی رضا وخوشنودی اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ہم ترجیح دیتے ہیں۔ایک آدمی جو منافقت کر رہا ہے، جو جرأت کر رہا ہے اور جو حرام چیزوں کے مزے لے رہا ہے وہ اس لئے کہ تعلیمات نبی کا جو تاثر اس پر ہونا چاہئے وہ نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے آدمی بُرائی ہی بُرائی کر رہا ہے بھلائی نہیں کر رہا ہے۔

اس خیال سے اپنے آپ کو بچائیں:

بعض لوگ جب بُرائی میں مبتلا ہوتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ اب ہم سے کیا بھلائی ہوگی۔ساری زندگی برائی میں گزر گئی اب نیکی کرنے کا کیا فائدہ؟

عمر ساری کٹی عشقِ بتاں میں مؤمن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

یہ خیال انتہائی خطرناک ہوتا ہے، یہ شیطان کا دھوکہ ہے، جو آدمی کو نیک اعمال سے محروم کر دیتا ہے۔اور اس کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ گناہ مستقل کرنے سے آدمی کا دل سکڑنے لگتا ہے، اور گناہوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ دل میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہوتی رہتی ہے، اور دھندلا پن پیدا ہوتا رہتا ہے، اور ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ وہ مکمل سکڑ جاتا ہے اور اللہ پاک

اس پر مہر لگادیتے ہیں، "فَإِذَا سَمِعَ خَيْرًا دَخَلَ فِي أُذُنَيْهِ حَتَّى يَأْتِيَ قَلْبَهُ فَلَا يَجِدُ مِنْهُ مَدْخَلًا" (شعب الایمان: السابع والأربعون من شعب الإيمان وهو باب في معالجة كل ذنب بالتوبة، ۲۰۴/۷و ۲۰۶)

اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی خیر کی بات اس کے کانوں سے ہو کر دل تک پہنچتی ہے تو دل میں داخل ہونے کا راستہ نہیں پاتی ہے، اس طرح وہ نیکیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

دل پر مہر لگنے نہ دیں:

بزرگوں نے لکھا ہے کہ انسان کو کم از کم اس کی فکر کرنی چاہئے یہ مٹھی مکمل سکڑنے نہ پائے، اگرچہ ظلمت کی وجہ سے انگلیاں سکڑ گئی ہیں۔ بُرائیوں کی وجہ سے دل میں ظلمت آرہی ہے مگر کچھ بھلائیوں کا اہتمام کر کے اس کی تو فکر کرنا چاہئے کہ مہر اس پر نہ لگے۔ کیونکہ اس کے بعد کا نتیجہ بڑا خطرناک ہوتا ہے، اس کے بعد ارتیاب اور شک پیدا ہوتا ہے۔ آج دعوت والے جو کہتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں نکلو اور یقین بناؤ تو یہ ایسے ہی نہیں کہتے ہیں، اس کے پیچھے بڑے راز ہیں، اس کے پیچھے برسوں غور و خوض کیا گیا ہے کہ آخر وہ راستہ کیا ہے جس راستے پر چل کر اس اُمت کو قرآن و حدیث پر لایا جائے، یہ ایک بنیاد ہے۔ جتنا زیادہ آدمی یقین پر محنت کرتا ہے اتنا ہی شک دور ہوتا ہے۔

آرزوؤں میں پڑ جانے کا فتنہ:

چوتھی بری خصلت ان کی یہ تھی کہ وہ آرزوؤں کے دھوکے میں تھے۔ یعنی بیہودہ باتوں نے لمبی لمبی آرزوؤں نے، مسلمانوں پر مصیبت اور تکالیف کی امیدوں نے یا شیطان کے دھوکہ نے یا دنیا نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ (تفسیر قرطبی: ۲۱۱/۱۷)

طولِ امل دین میں سستی کا سبب ہے:

آدمی دنیا میں لمبی لمبی امیدیں باندھتا رہتا ہے، اور لمبی پلاننگ میں رہتا ہے، مکان کی تعمیر ہو جائے، بچوں کی تعلیم مکمل ہو جائے، فلاں کام بن جائے، اسی سوچ اور انہیں فکروں اور امیدوں کے نتیجے میں وہ دین سے غفلت برتتا ہے، اور اسی کی وجہ سے دین میں سستی آنے لگتی ہے، اور اس کے تقاضے اور اس کی امیدیں پوری نہیں ہوتی ہیں کہ اس کی موت آجاتی ہے۔

عمرِ دراز مانگ کر لائے تھے چار دن　　دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

لمبی لمبی آرزؤں کی ایک مثال:

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے ایک چوکور خط کھینچا اور اس کے درمیان ایک اور خط کھینچا، جو اس سے متجاوز تھا، اور اس کے دائیں، بائیں چھوٹے چھوٹے خطوط کھینچے، اور اس کے بعد فرمایا کہ یہ ابن آدم ہے، اور یہ اس کی موت ہے جو اس کو گھیرے ہوئے ہے،، اور یہ لکیریں اس کی آزوئیں اور امیدیں ہیں، جو اس کی موت سے بھی آگے کی ہیں، ایک اس سے چوکتی ہے تو دوسری پوری ہو جاتی ہے، وہ ان کو پوار کرنے کی فکر میں رہتا ہے، اور ابھی وہ پوری نہیں ہوتی ہیں کہ اس کی موت ہو جاتی ہے، بلکہ بعض امیدوں کے پورا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ اس سے قبل ہی اس کے مقدر میں موت لکھی ہوتی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۲۱۱) اسی کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا:

”وَغَرَّتۡكُمُ الۡاَمَانِىُّ حَتّٰى جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ فَالۡيَوۡمَ لَا يُؤۡخَذُ مِنۡكُمۡ فِدۡيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مَاۡوٰٮكُمُ النَّارُ هِىَ مَوۡلٰٮكُمۡ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ“

تم کو آرزؤوں نے دھوکے میں ڈال دیا تھا۔ یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم آ پہنچا۔ اور تم کو دھوکہ دینے والے (شیطان) نے اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جاوے گا اور نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے وہی تمہارا رفیق ہے اور وہ (واقعی) برا ٹھکانا ہے۔ یعنی اس دن وہ لوگ اگر اللہ پاک کو زمین و آسمان بھر کر سونا چاندی دے کر بچنا چاہیں گے تب بھی نہیں بچ پائیں گے، ان کا ٹھکانہ بس جہنم ہی ہو گا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۸/ ۱۹)

راہِ حق سے ہٹانے کا فتنہ:

منافقین کے یہ چار اوصاف تو اس آیت کے تحت میں بیان کئے گئے، اس کے علاوہ ایک اور وصف اور ایک فتنہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مال کے ذریعہ یا کسی دینی یا دنیوی فائدہ کے پیش نظر راہِ حق سے ہٹانے اور اس میں تبدیلی کی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ یہودی مال کی بنیاد پر تورات کے فیصلوں کو بدل دیا کرتے تھے۔ جس کا ان آیات میں ذکر ہے۔

ایک مرتبہ یہود کے چند علماء جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم محمد کو ان کے دین کے سلسلہ میں آزماتے ہیں، وہ بھی انسان ہیں، ہو سکتا ہے کہ اس میں مبتلا ہو جائیں، چنانچہ آپ کی

خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہنے لگے کہ اے محمد! آپ تو جانتے ہیں کہ ہم یہود کے علماء اور پیشوا ہیں، اگر ہم مسلمان ہوتے ہیں تو ہمارے متبعین سب مسلمان ہو جائیں گے، ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان جھگڑا ہے، ہم فیصلے کے لئے ان کو آپ کے پاس لے کر آتے ہیں، آپ ان کے خلاف ہمارے حق میں فیصلہ کر دیجئے، ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے، اس طرح اسلام لانے کی امید کا اظہار کر کے وہ آپ سے فیصلے میں چوک کروانا چاہتے تھے، اور آپ سے غلط فیصلہ صادر کروا کر آپ کو آزمانا چاہ رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ اے نبی آپ ان لوگوں کے مسلمان ہونے کی امید سے عدل و انصاف اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے خلاف ہرگز فیصلہ نہ کریں۔ اور اس کی پرواہ نہ کریں کہ وہ مسلمان ہوں گے یا نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱۳۱/۳۔ تفسیر قرطبی: ۲۰۰/۶)

گویا یہ منافقین کی جانب سے رشوت تھی کہ آپ اُن کی رعایت کر کے اپنے فتوے کو بدل دیں، اور فیصلہ ان کے حق میں کر دیں، یہ انہوں نے ایمان کی لالچ دی تھی، لیکن اللہ پاک نے تنبیہ کی کہ ان سے بچ کر رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی باتوں میں آپ آجائیں۔ چنانچہ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:

"وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ"

"أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ" (المائدۃ: ۴۹و۵۰)

اور ہم (مکرر) حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے اور ان سے (یعنی ان کی اس بات سے) احتیاط رکھیئے کہ وہ آپ کو فتنے میں نہ ڈال دیں اُن بعض احکام کے بارے میں جو اللہ نے آپ کی طرف اُتارے ہیں یعنی یہ آپ سے اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ آپ اللہ کی طرف سے نازل کردہ حکم کے خلاف اُن کی رعایت میں فتویٰ دے دیں، پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو یہ یقین کر لیجئے تو بس خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعضے جرموں پر سزا

دیں۔ اور زیادہ آدمی تو بے حکم ہی ہوتے ہیں یہ لوگ پھر کیا زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا ہوگا یقین رکھنے والوں کے نزدیک۔ ایسے ہی سورۂ اسراء میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ''وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا۔ وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا'' (الاسراء: ۷۳و۷۴)

اور یہ (کافر) لوگ آپ کو اس چیز سے بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ پر وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے، تاکہ آپ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کریں اور ایسی حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنالیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔

اس آیت کا شانِ نزول بھی اسی طرح کا ہے کہ کفارِ مکہ کے چند سردار آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ اپنی مجلس سے ان غرباء کو ہٹا دیں گے تو پھر ہم آپ کے دوست ہو جائیں گے، کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنا ہمارے لئے توہین ہے، ان کی اس بات پر آپ کو خیال ہوا کہ اگر ان کی بات سن لی جائے تو شاید یہ مسلمان ہو جائیں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، اور اللہ پاک نے بتایا کہ ان کی یہ بات فتنہ ہے، اور ان کی دوستی بھی فتنہ ہے، آپ کو ان کی یہ بات نہیں ماننی چاہئے اور پھر ارشاد فرمایا کہ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ کا کچھ میلا ان کی طرف ہو جاتا، مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کفار کی باتوں کی طرف میلان کا تو کوئی احتمال ہی نہ تھا، ہاں میلان کے قریب ہونے کا احتمال تھا مگر اللہ تعالیٰ نے پیغمبرانہ عصمت کی وجہ سے اس سے محفوظ رکھا، اگر پیغمبرانہ عصمت بھی نہ ہوتی تب بھی نبی کی فطرت اس سے حفاظت کا سبب بن جاتی۔

یہ تو دینی لالچ انہوں نے دی تھی لیکن کبھی دنیوی لالچ بھی دیتے ہیں جیسے ایک مرتبہ کفار مکہ کہنے لگے کہ اے محمد! اگر آپ اپنی اس دعوت سے مال داری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو سب سے بڑا مال دار بنادیں گے، اگر آپ خوبصورت عورت سے نکاح چاہتے ہیں تو مکہ کی سب سے خوبصورت عورت سے آپ کا نکاح کر دیں گے، اگر آپ سرداری اور اقتدار چاہتے ہیں تو ہم آپ کو سردار بنادیں گے، اس طرح دنیا کی لالچ دے کر انہوں نے آپ کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہا۔

مداہنت کا فتنہ:

اسی کے قریب ایک فتنہ مداہنت کا فتنہ ہوتا ہے، مداہنت کا مطلب یہ ہے کہ منکرات کو دیکھتے ہوئے اور اُس کو روکنے کی طاقت رکھنے کے باوجود مفاد پرستی کو مصلحت کا نام دے کر زبان بند رکھی جائے، یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی نفع کی امید پر شریعت کے معاملہ میں نرمی اختیار کی جائے۔

یہ فتنہ بھی عام ہو رہا ہے، بعض دفعہ بلکہ اکثر گھروں کے سرپرست اپنے ماتحتوں کی کھلم کھلا نافرمانیوں کو دیکھنے کے باوجود اور اس سے منع پر قدرت کے باوجود نہی عن المنکر کے فریضہ سے یہ کہہ کر خاموش رہتے ہیں کہ روکیں گے تو فتنہ ہو گا، حدیث میں اللہ کے نبی نے ارشاد فرمایا:

”لَا یَمْنَعَنَّ أَحَدَکُمْ مَخَافَۃُ النَّاسِ أَنْ یَتَکَلَّمَ بِحَقٍّ إِذَا عَلِمَہٗ“ (سنن بیہقی: ۲۰۱۸۰)

تم میں سے کسی کو لوگوں کا ڈر حق بات کو جانتے ہوئے اس کے کہنے سے نہ روکے۔ ایک حدیث میں فرمایا:

”لَا یَنْبَغِیْ لِامْرِئٍ یَقُوْمُ مَقَامًا فِیْہِ مَقَالُ حَقٍّ إِلَّا تَکَلَّمَ بِہٖ فَإِنَّہٗ لَنْ یُقَدِّمَ أَجَلَہٗ وَلَا یَحْرِمَہٗ رِزْقًا ھُوَ لَہٗ“ (شعب الایمان: ۷۱۷۲)

کسی آدمی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ حق بات چھوڑ کر اس کے بجائے کوئی اور صورت اختیار کرے، کیونکہ اس کی وجہ سے ہرگز وہ اپنی موت کو اور نہ اس رزق سے محروم ہو سکتا ہے جو اس کے لئے مقدر ہے۔

اور ایک حدیث میں فرمایا: ”إِنَّ اللّٰہَ لَیَسْأَلُ الْعَبْدَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَنْ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی یَسْأَلَ: مَا مَنَعَکَ إِذْ رَأَیْتَ مُنْکَرًا أَنْ تُنْکِرَہٗ“ (سنن بیہقی: ۲۰۱۸۳)

بے شک اللہ تعالیٰ بندہ سے قیامت کے دن ہر چیز پوچھیں گے، یہاں تک کہ یہ بھی پوچھیں گے کہ جب تو نے کسی منکر کو دیکھا تھا تو اس سے روکنے سے تجھے کس چیز نے روکا تھا۔ غرض اگر کسی نے منکر کو دیکھا ہے اور اسے روکنے کی قدرت اور قوت ہے تو پھر اس سے روکنا

ضروری ہے، ورنہ کل قیامت میں اس کا سوال ہو گا، اگر اپنے کسی فائدہ کی خاطر خاموش رہا جائے تو یہ مداہنت ہے، یہ جائز نہیں ہے۔

آج کے زمانے دونوں چیزیں عام ہیں، باطل پیسوں کی بنیاد پر شخصیتوں کو خرید لیتا ہے، اور لوگ پیسوں کے خاطر اپنے دین کو بیچ دیتے ہیں، یا کسی نفع کی امید پر شریعت کے معاملات میں نرمی اختیار کی جاتی ہے، اور امت میں دین و اسلام کے نام پر ایسے بڑے فتنے رونما ہوتے ہیں کہ نسلوں کے دین و ایمان ان کی وجہ سے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ ان واقعات سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دینی فیصلوں میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ دینی خیر خواہی کی بنیاد پر ہم کوئی فیصلہ لے لیں اور وہ ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہو، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نفس اس میں مصلحت سمجھتا ہے لیکن وہ مصلحت نہیں دھوکہ ہوتا ہے، وہ فتنہ ہوتا ہے، جس کے آثار ہم کو ابھی نظر نہیں آتے، اللہ پاک نے یہاں یہی تنبیہ فرمائی کہ یہ فتنہ ہے، اس میں فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، ان سے دوستی کرنا ہے تو اللہ کو چھوڑنا پڑے گا، اور اگر اللہ سے دوستی رکھنا ہے تو ان کو چھوڑنا پڑے گا، اور اصل یہی ہے کہ اللہ کی خاطر دوستی کی جائے، اور اللہ کے خاطر دُشمنی کی جائے، اگر اللہ کی مرضی کے مطابق کوئی مسئلہ ہے لیکن پوری دنیا اُس کی مخالفت کر رہی ہے تو آپ کو رب کی مرضی کو دیکھنا پڑے گا، اور اگر ساری دنیا آپ کو سر پر بٹھاتی ہے لیکن اللہ ناراض ہے تو ایسی زندگی اور ایسی چاہت و عزت پر لعنت ہے۔ فتنے کا مفہوم ہی یہی ہوتا ہے کہ بندہ اللہ ربّ العزت اور مخلوق کے مابین پھنس جائے، اور کشمکش میں مبتلا ہو کہ کیا کیا جائے؟ اگر اس کی نظر خالق پر ہوتی ہے تو وہ فتنہ سے بچ جاتا ہے، اور اگر اس کی نظر مخلوق پر ہوتی ہے تو فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب بندہ کا سب کچھ اللہ کا ہے تو بندہ اللہ کا کیوں نہیں؟ ہم اللہ کے بندے ہیں، کسی اور کے نہیں۔ ہم اللہ کی مخلوق ہیں، اسی نے ہم کو زندگی دی ہے، اور ہماری تمام ضروریات کی تکمیل وہی کرتا ہے، ہم آج بھی اسی کے محتاج ہیں اور کل بھی رہیں گے، اور ہر چیز میں محتاج ہیں، اور رہیں گے، جب بندہ کا سب کچھ اللہ کے ساتھ جڑا ہوا ہے تو بندہ کیوں اللہ سے جڑا ہوا نہیں ہے، اس کا دل اللہ سے کیوں جڑا ہوا نہیں ہے؟ اس لئے خالق اور مخلوق کسی مسئلہ میں ٹکرا جائیں تو وہاں

مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں ہو گی، بلکہ وہ مخلوق بھی خود اللہ کی ہو گی، اس کی رعایت اور اس کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

فتنہ کی تلاش منافقین کی صفت ہے:

ایسے ہی منافقین کی برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا:

”لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْأُمُوْرَ حَتّٰى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ“ (التوبہ:۴۸و۴۹)

انہوں نے تو پہلے بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی۔ اور آپ کے لیے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا اور (اس کا آنا یہ کہ) اللہ کا حکم غالب رہا اور ان کو ناگوار ہی گزرتا رہا اور (ان منافقین متخلفین) میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھ کو اجازت دے دیجئے اور مجھ کو خرابی میں نہ ڈالیے خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ خرابی میں تو پڑ ہی چکے اور یقیناً دوزخ (آخرت میں) ان کافروں کو گھیرے گی۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے منافقین کی ایک اور بری صفت ذکر فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ فتنہ کو تلاش کرتے ہیں، فساد پھیلانے کی فکر میں رہتے ہیں۔

بہانہ تراشی کر کے احکامِ شرع سے تخلف نفاق اور فتنہ ہے:

دوسرے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بہانہ کر کے شریعت کے حکم پر عمل کرنے سے پیچھے رہ جانا یہ بھی منافقین کی صفت ہے۔ دراصل یہ آیت ایک منافق جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی، جب نبی علیہ السلام نے غزوۂ تبوک میں نکلنے کا حکم دیا تو وہ بہانہ کر کے جہاد میں جانے سے رک گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہنے لگا کہ میں نوجوان آدمی ہوں، ہمارا روم سے مقابلہ ہے، وہاں کی عورتیں حسین ہیں، اس لئے اگر وہاں جاؤں گا اور ان کی عورتوں کو دیکھوں گا تو ”لَمْ أَصْبِرْ حَتّٰى أَفْتَتِنَ“ میں صبر نہیں کر پاؤں گا، اور ان کے فتنہ میں مبتلا

ہو جاؤں گا، ''لَا تَفْتِنَّا بِالنِّسَاءِ'' اس لئے آپ ہمیں عورتوں کے فتنہ میں مبتلا نہ کیجے، اور غزوہ سے پیچھے رہنے کی اجازت دیجئے، تو جواب میں اللہ پاک نے فرمایا: ''وَمِنْهُم مَّنْ يَقُولُ ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي، اور اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو جہاد میں جانے سے معذرت کرتے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں فتنہ میں نہ ڈالئے، طبیعت کا بہانہ کر کے یا پیسوں کا بہانہ کر کے پیچھے ہٹ جانے کا مسئلہ نہیں تھا، ورنہ پھر ان کا نفاق سب کے سامنے آجاتا، اس لئے شیطان نے اس کو بظاہر ایک دینی راستے سے گمراہ کیا، اپنے نہ آنے کا وہ یہ عذر کرنے لگا کہ اگر میں آؤں گا تو فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، اس لئے نہ آنے کی آپ اجازت دیجئے۔

میرے دوستو! فتنہ کہتے ہی اُس کو ہیں جو اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے جلدی سمجھ میں نہ آئے۔ اللہ پاک نے فرمایا: أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا کہ سن لو اس کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں بلکہ ابھی بھی فتنہ میں وہ پڑا ہوا ہے، اسی لئے تو وہ اللہ اور رسول کے حکم کی بہانہ کر کے خلاف ورزی کر رہا ہے۔ (روح المعانی: ۷/۲۵۴۔ تفسیر طبری: ۱۴/۲۸۷) یہاں ان کے فتنہ میں پڑنے سے مراد جھوٹے بہانے کر کے جہاد میں شرکت کرنے سے پیچھے رہ جانا اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کر کے گناہ میں پڑنا ہے۔ معلوم ہوا کہ فتنہ کا اطلاق عذر کر کے شریعت کی مخالفت اور اللہ اور رسول کے احکامات نہ ماننے پر بھی کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ منافقین کی صفت ہے۔ (روح المعانی: ۷/۲۵۴۔ فتح القدیر: ۳/۲۶۳)

اس منافق کا بہانہ ایک فرضی اور وہمی بات تھی، کیونکہ ہو سکتا تھا کہ اُس کو عورتوں تک پہنچنے کی نوبت ہی نہ آتی، میدانِ جہاد میں تلواروں کے سائے میں، تیروں کی بارش میں اُس کو عورتوں سے سابقہ پڑے گا یا نہیں کچھ نہیں معلوم، چونکہ اس کو نہ جانا تھا اس لئے بہانہ کر رہا تھا، بعض دفعہ آدمی بہت دور کی چیزیں خواہ مخواہ سوچتا ہے، اور اس بنیاد پر کوئی اقدام کرنے سے رک جاتا ہے، جو در اصل اس کام کو نہ کرنے کا بہانہ ہوتا ہے، اور یہ بالخصوص اس وقت ہوتا ہے جب کسی چیز سے بچنا چاہتا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اگرچہ عورتوں کے فتنہ کا اس نے بہانہ بنایا، جو کہ حقیقی نہیں تھا لیکن اس سے بڑا فتنہ اس کے لئے اللہ اور رسول کی بات کو نہ ماننا اور اس سے پیچھے ہٹ جانا تھا۔ (تفسیرِ رازی: ۸/۴۷)

شریعت پر عمل سے رکاوٹیں فتنہ ہیں:

اس سے پتہ چلا کہ دین کے احکام پر عمل کرنے کے لئے جو رکاوٹ بنے وہ فتنہ ہے، کبھی مال رکاوٹ بن جاتا ہے، تو قرآن میں اسے بھی فتنہ کہا گیا، کبھی اولاد رکاوٹ بن جاتی ہے تو اسے بھی فتنہ کہا گیا، بیوی رکاوٹ بن جاتی ہے تو اسے بھی فتنہ کہا گیا، کبھی اہل خاندان رکاوٹ بن جاتے ہیں تو انہیں بھی فتنہ کہا گیا، بعض مرتبہ عذر حقیقی ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس وقت کے اعتبار سے مسئلہ الگ ہوتا ہے، وہ ایک استثنائی صورت ہوتی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ" بے شک جہنم کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔یعنی آخرت میں جہنم ان کو گھیر لے گی۔(تفسیر رازی:۴۸/۸۔روح المعانی:۲۵۴/۷) یا دنیا میں بھی جہنم ان کو گھیر رہی ہے اس معنیٰ کر کہ وہ دنیا میں جہنم میں جانے کے اسباب اختیار کر رہے ہیں، اور یہاں کے اعمال کل قیامت میں جہنم کے مختلف عذابوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے، تو اس کا گھیر نا دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے ہے۔

دنیا کی طرف میلان اور حق تعالیٰ کی تنبیہ:

خطبہ میں پڑھی گئی آیاتِ مبارکہ میں منافقین کی ان چار صفات کو ذکر کرنے کے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ۔

کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت اور جو دینِ حق (من جانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان کے قبل کتاب (آسمانی) ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) پھر (اسی حالت میں) ان پر زمانہ دراز گزر گیا (اور توبہ نہ کی) پھر ان کے دل (خوب ہی) سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں کے (آج) کافر ہیں۔

اس کے نزول کا سبب یہ تھا کہ صحابہ کرام کو مدینۂ منورہ پہونچنے کے بعد جب کچھ آرام اور سہولتیں ملیں تو ان سے کچھ سستی ہونے لگی، اور کچھ ہنسی مذاق ہونے لگا، اللہ پاک نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی۔

یہود و نصاریٰ بھی اس کا مصداق ہیں:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس میں یہود و نصاریٰ سے خطاب ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ کیا تورات اور انجیل پر ایمان رکھنے والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ قرآن کے لئے ان کے دل نرم ہو جائیں، کیونکہ ان کے درمیان اور ان کے انبیاء کے درمیان ایک طویل زمانہ گزر گیا، کیا اب بھی ان کے دل نرم نہ ہوں گے اور نصیحت قبول نہ کریں گے۔ (اللباب: ۱۵/۱۳۵ وفتح القدیر: ۷/۱۵۳)

حضور کی باتیں ہی ہمارے لئے کافی ہیں:

یہودی تو یہودی ہیں نبی علیہ السلام نے یہاں تک فرمایا تھا کہ اگر موسی اس زمانے میں ہوتے تو انہیں میری ہی اتباع کرنی پڑتی، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہودیوں سے ہم کچھ باتیں سنتے ہیں اور وہ ہم کو اچھی لگتی ہیں، کیا ہم اسے لکھ لیں، یہ سنتے ہی آپ ناراض ہو گئے، آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اس وقت آپ نے سختی کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی: ”لَوْ كَانَ مُوسىٰ حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِيْ“ (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۷۲) کہ اگر موسی اس وقت باحیات ہوتے انہیں میری اتباع کے علاوہ کوئی گنجائش نہیں تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی اس کیفیت کو دیکھتے ہی کہنے لگے:

”رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَسُوْلًا وَّنَبِيًّا“

میں اللہ کو ربّ بنا کر اور اسلام کو اپنی زندگی گزارنے کا طریقہ بنا کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول اور نبی بنا کر راضی ہوں۔ یعنی آپ اور آپ کی تعلیمات ہی میرے لئے کافی ہیں، کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔ جب گزشتہ نبیوں کے بارے میں یہ بات آپ نے ارشاد فرمائی ہے تو امتوں کا تو کیا پوچھنا؟ یہودی اور عیسائی کس شمار میں ہوں گے؟ آج کچھ لوگ بائبل

پڑھتے ہیں، تورات پڑھتے ہیں، اور اُس سے نقل کر کے حوالے بھی دیتے ہیں، یہ جہالت کی بات ہے۔ ایسا کبھی بھی نہیں کرنا چاہیے۔ جب قرآن اور حدیث میں ہے کہ ان میں تحریف کی گئی ہے اور ان کو بدل دیا گیا ہے تو اب اسے دیکھنے کا کیا مطلب؟ اگر کوئی عالمِ دین تحقیق کی خاطر دیکھے وہ الگ بات ہے، اور اس کی بھی علم کی ایک خاص سطح پر پہنچنے کے بعد اجازت ہوتی ہے۔

آج کی انجیل کی حقیقت:

یہ کتابیں نہ محقق ہیں اور نہ مستند، بلکہ ان کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے سینکڑوں سال بعد کئی انجیلیں لکھی گئیں، اب لوگوں کو اشتباہ ہو گیا کہ اصل انجیل کون سی ہے؟ ان لوگوں نے گرجا گھر جا کر ساری انجیلیں وہاں رکھ دیں، ان سب کو رکھنے کے بعد وہاں موجود تمام راہب سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے کہ جو جھوٹی ہے وہ گر جائے اور جو سچی ہے وہ رہ جائے۔ صبح ہونے تک تمام اناجیل گر گئیں اور صرف چار باقی رہ گئیں۔ یہ ہے ان کے پاس موجود انجیل کی حقیقت، کیا آپ نے کسی چیز کے صحیح اور غلط ہونے کا یہ طریقہ دیکھا ہے؟ کیا اس کو قبول کیا جا سکتا ہے؟ کیا اس کا عقل سے کوئی جوڑ ہے؟ یہ بھی اُن دو لوگوں کا بیان ہے جو اُن میں سے روتے روتے مر گئے تھے، اور پھر ان کے مرنے کے بعد اُن کی قبر پر دستخط لینے کے لئے وہ انجیل لے جا کر رکھ دی گئی تھی۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عجیب بات لکھی۔ فرمایا کہ انجیل جمع کرنے کا یہ انوکھا طریقہ کہ جو جھوٹی ہے وہ گر جائے اور جو سچی ہے وہ رہ جائے اور پھر مردوں سے دستخط لینے کے لئے ان کی قبر پر پہنچ گئے، کیا ان کے پاس زندہ لوگ نہیں ہیں کہ مردوں کے پاس دستخط لینے کے لیے پہنچ گئے، اس اعتبار سے تو یہ ایک افسانہ اور قصۂ پارینہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ واللہ العظیم! ہمارے پاس حدیثوں کا ذخیرہ ان کے پاس کی انجیلوں سے ہزاروں گنا زیادہ مستند اور قابلِ بھروسہ ہے۔ لیکن لوگ ان تحریف کی ہوئی کتابوں کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور اس کا حوالہ دینے لگتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی زاہدانہ زندگی کا واقعہ:

مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں دو قصے نقل کئے ہیں، ایک تو حضرت عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا واقعہ ہے، ان کی ابتدائی زندگی شریعت کے مطابق نہیں تھی، مال و دولت اللہ پاک نے بہت عطا فرمایا تھا، اس کا اثر ان کی زندگی پر تھا، بعد میں اللہ پاک نے انہیں توبہ کی توفیق نصیب فرمائی، اور وہ بہت بڑے محدث بنے، کسی نے ان سے ان کے زہد کی ابتداء کے بارے میں پوچھا کہ آپ نے زہد کیسے اختیار کیا؟ کہنے لگے کہ ایک دن میں اپنے بھائیوں یا دوستوں کے ساتھ ہمارے ایک باغ میں تھا، پھل پکنے کا زمانہ تھا، ہم وہاں گئے، کھانے پینے میں مشغول ہوگئے، یہاں تک کہ رات ہوگئی، سب سوگئے، اور میں ستار بجانے میں مست تھا، پرندوں کی آوازیں آرہی تھیں، رات دیر گئے میں اٹھا اور آواز سے گانے لگا، اور ستار بجانے لگا لیکن وہ بج نہیں پا رہا تھا، اچانک جس ستار کو میں بجانے کی کوشش کر رہا تھا اس میں سے آواز آنے لگی، ''اَلَمۡ یَأۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا'' کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے نرم ہو جائیں، فوراً وہ کہنے لگے کیوں نہیں؟ اس کے بعد ستار کو توڑ ڈالا، اور سابقہ زندگی سے توبہ کر لی، کہنے لگے کہ میرے زہد کی ابتداء یہاں سے ہوئی۔ (تفسیر قرطبی: ۲۱۳/۱۷)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا واقعہ:

ایسے ہی حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا واقعہ بھی ہے، ان کو ایک لڑکی سے عشق ہوگیا، اس سے ملاقات کا وعدہ ہوا، رات وہ ملاقات کے لئے نکلے، اور ایک دیوار پھلانگنے لگے، اچانک کسی پکارنے والے کی پکار انہیں سنائی دی، جو اسی آیت کریمہ کی ندا تھی، کیا ایمان والوں کے لئے اللہ سے ڈرنے اور نصیحت قبول کرنے کا وقت نہیں آیا، تو وہ کہنے لگے: بَلٰی وَاللّٰہِ قَدْ آنَ، کیوں نہیں وہ وقت آگیا ہے، وہیں سے وہ الٹے پاؤں واپس لوٹے، رات میں ایک کھنڈر میں ٹھہرے، وہاں کچھ اور مسافرین بھی تھے، وہ آپس میں سرگوشی کر رہے تھے کہ فضیل ڈاکہ ڈالنے گیا ہے، حضرت فضیل بن عیاض دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ اس نے

مجھے دیوار چڑھتے اور اللہ کی معصیت میں جاتے دیکھاہے، اور لوگ مجھ سے اتنا ڈر رہے ہیں، فوراً اللہ سے معافی مانگی اور توبہ کی۔ (تفسیر قرطبی:۲۱۳/۱۷)

یہ وہ آیت تھی جس کو سن کر ان لوگوں نے اپنی زندگی سے توبہ کرلی، اور ہم یہی آیت سنتے ہیں تو ہمارے قلوب پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا، کیا ہمارے لئے وہ وقت نہیں آیاہے کہ ہم اللہ کے سامنے جھک جائیں، اور سدھر جائیں، اور ہمارے دل نرم ہوجائیں، مفسرین نے لکھاہے کہ یہاں خشوع سے مراد دلوں کا نرم ہونا اور اللہ رسول کی بات کو قبول کرنا اور اس میں سستی اور غفلت سے اپنے آپ کو بچاناہے، اور حق تعالیٰ کا یہ خطاب اصلا مومنین کے لئے ہے، جب ان سے سستی ہوئی تو اللہ پاک نے بطور تنبیہ یہ آیت نازل کی، اور بتایا کہ اسلام کے احکام میں سستی نہ ہونے پائے، دنیا کی محبت اور یہاں کی آرزؤں اور خواہشات کو پورا کرنے میں لگے ہوئے نہ رہنا چاہئیے، کیونکہ یہ اہل کتاب کا خاصہ رہاہے، انہوں نے اپنی امیدوں اور آرزؤں کو ترجیح دی، اور خواہشات کی تکمیل میں لگ گئے اور احکامِ خداوندی کو پسِ پشت ڈال دیا، آپس میں اختلاف کیا، اور احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کے بجائے طالب شہرت علماء اور ان کی خود ساختہ باتوں کی اتباع کی، جس کے نتیجے میں اللہ پاک نے ان کے دلوں کو سخت بناڈالا، جس کی بنیاد پر وعدووعید کا کوئی اثر ان کے دلوں پر نہ رہا، اور حق بات قبول کرنے سے انہوں نے انکار کردیا، اس لئے اے مومنو! کہیں تم بھی اس طرح نہ ہوجانا کہ تمہارے دل بھی سخت ہوجائیں، کیونکہ دلوں کی سختی بڑی خطرناک چیز ہے، اور لوگوں سے سب سے پہلے اسی چیز کو اٹھایاجائے گا، ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: ”إِنَّ أَوَّلَ مَا يُرْفَعُ مِنَ النَّاسِ الْخُشُوْعُ“ (تفسیر ابن کثیر:۲۰/۸) دلوں سے نرمی ختم ہوجائے گی، سختی پیداہوجائے گی، اور حق قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا مشکل ہوجائے گا، حق تعالیٰ ہم سب کی ان فتنوں سے اور ان منافقانہ صفات سے پوری طرح حفاظت فرمائے۔ (آمین)

علم اور علماء کا فتنہ:

نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلیَّ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیۡہِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا۔ اَمَّا بَعۡدُ۔ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

”مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِ اللهِ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ“ (الجمعة:۵)

جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے کی سی حالت ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔ غرض ان لوگوں کی بری حالت ہے جنہوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا جیسے یہود ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو توفیق ہدایت کی نہیں دیا کرتا۔ (بیان القرآن)

قربِ قیامت علم اٹھالیا جائے گا:

محترم سامعین کرام! فتنوں میں ایک اہم فتنہ علم اور علماء کا ہے، قرب قیامت علم کی کمی ہو جائے گی، اور علم کی کمی علماء کی کمی کی وجہ سے ہوگی، بڑے بڑے علماء آہستہ آہستہ دنیا سے رحلت فرماتے جائیں گے، جس کے نتیجے میں علم دنیا سے رخصت ہوتا جائے گا، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا“ (صحیح بخاری: کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، ۱۰۰)

ایک وقت ایسا آئے گا کہ علم اُٹھ جائے گا اور اس کی شکل یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ علماء کی روحوں کو قبض کرلیں گے، یہاں تک جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنائیں گے، اور اُن سے دینی مسائل پوچھے جائیں گے، وہ لوگ اپنی سرداری باقی رکھنے کے لیے اپنی جہالت کا اظہار نہیں کریں گے، بلکہ بغیر علم کے مسائل بتائیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے، اور پوری ملت کو بھی گمراہ کریں گے۔ اور یہ زمانہ آچکا ہے، نااہل لوگ مذہب کی سرپرستی کررہے ہیں، مذہبی اداروں اور مذہبی جگہوں پر اُن نااہلوں کا تسلط ہے، انہی نااہلوں سے لوگوں کا رجوع بھی ہے، اور وہ قرآن و حدیث جانے بغیر اپنی رائے اور خواہشات سے لوگوں کے سامنے بیانات کررہے ہیں، اور لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں، یہ فتنہ اس امت میں آہستہ آہستہ عام ہورہا ہے، اللہ ہماری اور ہماری نسلوں کی اور ساری امت مسلمہ کی اس سے حفاظت فرمائے۔ (آمین)

بعض روایات میں ہے کہ علم کی اتنی کمی ہوجائے گی کہ شرعی مسائل میں کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں ملے گا: حَتّٰی یَختَلِفَ اِثنَانِ فِی فَرِیْضَۃٍ لَا یَجِدانِ أحداً یُفْصِلُ بَیْنَھُم (شعب الایمان للبیھقی: الثامن عشر من شعب الإیمان و ھو باب في نشر العلم ۱۹۱۷) حتی کہ دو لوگ کسی فریضہ کے سلسلہ میں جھگڑا کریں گے تو آپس میں فیصلہ کرنے کے لئے کسی تیسرے کو نہیں پائیں گے۔

خاندان کے اقبال و اِدبار کی علامت:

اور بعض احادیث میں فرمایا کہ پورے خاندان میں کوئی عالمِ دین نہیں ہوگا۔ کسی خاندان اور قوم کے اقبال کی علامت یہ ہوگی کہ پورے کے پورے قبیلے میں علماء و فقہاء کی کثرت ہوگی، ایک دو جاہل ہوں گے اور اُن کی جہالت پر لوگ اُن پر غصہ کریں گے۔ اگر وہ کوئی بات کریں گے تو اُن پر قہر کیا جائے گا جس کی وجہ سے وہ خود اپنی جہالت میں بھی احتیاط برتیں گے۔ اور کسی قوم کے اِدبار کی علامت یہ ہوگی کہ ان سے دین نکل چکا ہوگا، ان میں دین دار لوگ نہیں ہوں گے، حفاظ نہیں ہوں گے، مفتی نہیں ہوں گے، یہاں سے وہاں تک پورا خاندان کنگال ہوگا۔ خاندان میں کوئی دین اور قرآن و حدیث کا جاننے والا ہی نہ ہوگا، اور

ایک دو آدمی دین پر ہوں گے تو اُن کے دین پر ہونے کی وجہ سے سارا قبیلہ اُن سے ناراض ہو گا اور وہ قبیلے کی نظر میں مقہور و مبغوض ہوں گے، دنیا اور پیسہ ہی ان کے لئے سب کچھ ہو گا، جب کہ پیسہ ہاتھ کا میل ہے، آج رہے کل چلا جائے کیا پتہ؟ اس لئے فکر اس کی نہ کریں، رازق اللہ ہے، جس کے مقدر میں جتنا رزق ہے وہ اس کو مل کر رہے گا، اصل فکر اپنے بیوی، بچے اور اپنے خاندان کے دین اور ایمان کی کرنا چاہیے، ہمارے خاندان میں ایسے لوگ ہونے چاہیے جو ہم کو وقت پر صحیح مسئلہ بتا سکیں، صحیح رہبری کر سکیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب سارا قبیلہ جفاشعار ہو جائے گا اور پورے قبیلے میں ایک یا دو فقیہ ہوں گے اور قبیلے میں اُن فقہاء و علماء پر قہر نازل ہو گا، جب وہ بات کریں گے تو اُن پر غصہ کیا جائے گا اور یہ اُس قبیلے کے تباہ ہونے کی علامت ہو گی۔

گمان سے کہنے والوں سے پہلے علم حاصل کرو:

اب ظاہر ہے کہ جب علماء نہیں رہیں گے، آہستہ آہستہ دنیا ان سے ختم ہوتی جائے گی تو علم کے نام پر گمراہی پھیلے گی۔ لوگ جاہلوں سے، نا اہلوں سے، ان پڑھوں سے علم حاصل کریں گے، اور جب ان کے پاس علم نہیں ہو گا تو کس بنیاد پر مسئلے بتائیں گے، ظاہر ہے کہ اس وقت وہ اپنی خواہشات اپنی رائے اور اپنے گمان سے مسائل بتائیں گے، اور اس وقت بڑی گمراہی پھیلے گی، اس لئے بعض آثار میں منقول ہے:

"تَعَلَّمُوْا قَبْلَ الظَّانِّيْنَ" (صحيح بخاري: كتاب الفرائض: باب تعليم الفرائض۔ قال الحافظ في «الفتح» (۶/۱۲): هذا الأثر لم أظفر به موصولا. (جامع الاصول: ۵۸۳۰)

"حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ علم حاصل کرو اپنے گمان سے کہنے والوں سے پہلے" یعنی اَٹکل سے بولنے والوں سے پہلے ہی علم حاصل کرلو، ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ اپنے خیالات اور اپنے گمان سے بات کریں گے، کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہو گی، بس ان کی باطل آراء ہوں گی، جب لوگوں میں یہ چیز چل پڑے گی تو پھر صحیح اور غلط میں امتیاز مشکل ہو جائے گا۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "سَيَكُوْنُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِيْ يُحَدِّثُوْنَكُمْ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ" (کنز العمال: ۲۸۹۹۰)

اخیر زمانے میں کچھ لوگ تم سے ایسی باتیں بیان کریں گے جن کو تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے نہیں سنا ہوگا، پس تم اپنے آپ کو ان سے دور رکھو۔

ایک اور حدیث میں ہے: ''اَللّٰھُمَّ لَا یُدْرِکُنِیْ زَمَانٌ وَلَا تُدْرِکُوْا زَمَاناً لَا یُتْبَعُ فِیْہِ الْعَلِیْمُ وَلَا یُسْتَحیٰ فِیْہِ مِنَ الْحَلِیْمِ قُلُوْبُھُمْ قُلُوْبُ الْأَعَاجِمِ وَأَلْسِنَتُھُمْ أَلْسِنَۃُ الْعَرَبِ'' (مسند احمد: حدیث سہل بن سعد: ۲۳۵۸۳)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یا اللہ! مجھے ایسا زمانہ نہ پائے اور تم بھی ایسے زمانے کو نہ پاؤ جس میں علم والے کی اتباع نہ کی جائے، اور حلم والے سے شرمایا نہ جائے، وہ زمانہ ایسا ہوگا کہ ان کے دل عجمیوں کے دل کی طرح ہوں گے، اور ان کی زبانیں عرب کی زبانوں کی طرح ہوں گی۔ اور یہ زمانہ آج کا زمانہ ہے، آج امت میں ایسا ہو رہا ہے۔ ہر آدمی خود علمیت کا دعویٰ کر رہا ہے، کسی کی پیروی کرنے کی اسے کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں ہو رہی ہے، ہر ایک اپنے آپ کو بڑا علامہ سمجھ رہا ہے، اور چند سالوں سے یہ نیا فتنہ نکلا ہے جو اپنے آپ کو مجتہد سمجھتا ہے، نہ اسے کسی امام کی ضرورت ہے اور نہ کسی عالم کی ضرورت ہے، اور دوسری طرف اپنوں میں بھی اور غیروں میں بھی حلیم، باوقار علماء اور بزرگ لوگوں سے حیا ختم ہوتی جا رہی ہے، اُن کا لحاظ، ان کا ادب واحترام ان کا مقام ومرتبہ کا احساس آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔

اباحیت کا فتنہ:

علمی فتنوں میں اور علامات قیامات میں ایک بڑا فتنہ فتنۂ اباحیت ہے، یعنی حرام چیزوں کو حلال قرار دینے کا فتنہ ہے، لوگ حرام کو حلال قرار دیں گے، اور اس کے ساتھ ساتھ حلال چیزوں کو حرام قرار دیں گے، آج کل یہ فتنہ بھی بہت پھیل رہا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ بدلتے حالات علماء کو بھی بدلنا چاہیے، چودہ سو سال پہلے کا دین الگ تھا، آج دنیا کے حالات بدل چکے ہیں، اس لئے اس میں تبدیلی ہونی چاہیے، جو احکام اس زمانے میں لگائے گئے تھے آج کی چیزوں اور آج کی شکلوں اور صورتوں میں وہ احکام نہیں لگائے جاسکتے، چودہ سو سال پہلے کی شراب الگ تھی، اور آج کی الگ ہے، وہ حرام تھی، یہ حرام نہیں ہوگی، کیونکہ اس

وقت یہ شراب نہیں پائی جاتی تھی، اس لئے وہ حکم اس پر بھی نہیں لگے گا، سود کی مروجہ شکلیں اس زمانے میں نہیں تھیں، اس لئے موجودہ زمانے کی مروجہ صورتوں پر سود کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، ایسے ہی تصویر اور ویڈیو سازی اور ویڈیو بینی کا مسئلہ ہے، رشوتوں کا مسئلہ ہے، تین طلاق کو ایک مان کر زنا کو حلال اور ناجائز زندگی کو جائز زندگی قرار دینے کا مسئلہ ہے، عورتوں کی امامت اور ان کی آزادی اور ان کو مردوں کی صف میں لا کر کھڑا کرنے کا مسئلہ ہے، موسیقی، میوزک، گانے بجانے کا مسئلہ ہے، سب نائز چیزیں ہیں اور آج ان سب چیزوں کو جائز قرار دیا جارہا ہے، بلکہ میوزک موسیقی وغیرہ تو نعت نبی کے ساتھ ان مبارک مجلسوں میں گائی بجائی جاتی ہیں، دین کی شبیہ اس طرح آج بگاڑ دی گئی ہے کہ اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اسی کو اللہ کے نبی نے ان احادیث میں بیان فرمایا ہے:

”لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ“ (صحیح بخاری: ۵۵۹۰)

میری امت میں سے کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو زنا کو اور ریشم پہننے کو اور شراب پینے کو اور باجوں کو حلال سمجھیں گے۔

”لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا يُعْزَفُ عَلَى رُءُوسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ“ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۰)

میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل کر کچھ اور رکھ دیں گے ان کے سروں پر باجے بجائے جائیں گے اور گانے والی عورتیں گائیں گی اللہ تعالی انہیں زمین میں دھنسا دیں گے اور ان کو بندر اور خنزیر بنا دیں گے۔

”اَوْشَكَ أَنْ تَسْتَحِلَّ أُمَّتِي فُرُوجَ النِّسَاءِ“ (کنز العمّال: ۱۳۰۰۶)

قریب ہے کہ میری امّت عورتوں کی شرمگاہوں کو یعنی زنا کو حلال سمجھے گی۔

”فَإِنْ كَانَ رَأَى حَلَالًا كَانَ يَرَاهُ حَرَامًا فَقَدْ أَصَابَتْهُ الْفِتْنَةُ وَإِنْ كَانَ يَرَى حَرَامًا كَانَ يَرَاهُ حَلَالًا فَقَدْ أَصَابَتْهُ“ (مستدرکِ حاکم: ۸۴۴۳)

فتنوں کی ایک شکل یہ ہوگی کہ آدمی حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھے گا۔

علم کے ذریعہ جھگڑنے اور فخر کرنے کا فتنہ:

علم کا ایک فتنہ یہ ہو گا کہ علمِ دین غیر دین کے لیے پڑھا جائے گا۔ علم دین سیکھنے اور سکھانے کا مقصد اس پر عمل اور اللہ کی رضا اور خوشنودی نہیں ہو گی، بلکہ یا تو دنیا کمانے کے لئے سیکھا یا پڑھایا جائے گا، یا شہرت کمانے کے لئے یا لوگوں سے بحث و مباحثہ کر یا لوگوں پر فخر کرنے اور لوگوں میں اپنی واہ واہ کے لئے اس کو سیکھا جائے گا، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ وَيُجَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ وَيَصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ جَهَنَّمَ" (سنن ابن ماجہ: کتاب العلم: باب الانتفاع بالعلم و العمل بہ، ۲۶۰)

جو علم کو سیکھے علماء سے بحث کرنے، لوگوں پر فخر کرنے اور جاہلوں سے جھگڑا کرنے کے لئے اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے اور لوگوں میں اپنی ڈھاک بٹھانے کے لیے اُس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

بعض مرتبہ آدمی اِدھر اُدھر سے مطالعہ کر کے دو چار لفظ پڑھتا ہے اور عالموں سے بحث کرنا شروع کر دیتا ہے۔ کبھی علماء سے بحث کرتا ہے تو کبھی جاہلوں سے الجھنے لگتا ہے، اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا جو حدیث میں مذکور ہے، ایسے لوگوں کا سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب نہیں ہوتا، اس لیے بزرگوں نے فرمایا: "جوابِ جاہلاں خموشی باشد" جاہلوں کا جواب خاموشی ہوتا ہے، جو شخص جہالت کی بات کرے تو خاموشی اختیار کرنی چاہیے، پچھلے دنوں میرے پاس ایک صاحب کچھ پوچھنے کے لیے آئے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ایک صاحب اُن سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ نمازوں کے بعد والی دُعا حدیثوں میں دکھاؤ۔ میں نے اُن سے کہا کہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے جس میں انہوں نے نمازوں کے بعد باضابطہ دُعا کو حدیثوں سے مستحب ہونے کو ثابت کیا ہے۔ اُن صاحب نے کہا کہ جن سے میری بحث ہوئی وہ کہہ رہے ہیں کہ میں مفتی محمد شفیع صاحب کو مستند نہیں مانتا، مجھے بخاری میں دکھاؤ۔ دیکھئے! لوگوں میں جرأت کہاں تک بڑھ گئی اور لوگ بدتمیزی اور

بیہودگی میں کہاں تک پہنچ گئے۔ میری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آئی کہ کیا بخاری میں ایسا ہے کہ اگر کوئی بات دیکھنی ہے تو صرف بخاری ہی میں دیکھو۔ کیا بخاری میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک لکھا ہوا ہے کہ جب تم کو کوئی مسئلہ پیش آئے تو بخاری میں دیکھا کرو۔ اگر کسی کو یہ حدیث مل جائے تو میں اُن کا بڑا ممنون ہوں گا کہ وہ مجھے دکھادیں۔ اگر بولا جائے کہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے تو اُس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انہوں نے قرآن وحدیث سے ہٹ کر اپنی طرف سے لکھ دیا ہو۔ انہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کو لکھا ہے، وہ مستند عالمِ دین ہیں، تمام علماء اُن کے علم پر، اُن کے تقویٰ پر، اُن کی احتیاط پر، اُن کی صداقت وعدالت پر، اُن کی امانت داری پر، اُن کی دیانت داری پر اعتماد کرتے ہیں۔ ایسے آدمی نے تحقیق پیش کی تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ میں ان کو نہیں مانتا۔ یہ جہالت اور نادانی کی بات ہے، ہاں ان کو جب حدیث دیکھنا ہوتا ہے تو کیا وہ براہِ راست بخاری کا مطالعہ کرکے حدیث اخذ کرلیتے ہیں، اور اس سے مسئلہ نکال لیتے ہیں، بلکہ ان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ بخاری کے کسی ترجمہ کا سہارا لیتے ہیں، براہ راست بخاری تو ان کے پاس نہیں ہوتی، اگر ہوتی ہے تو حدیث نکالنا بھی انہیں نہیں آتا، مطالعہ میں کسی کا ترجمہ ہوتا ہے، اس کو دیکھ کر ناچنے لگتے ہیں، ایک جاہل اسلام سے دور جس کی تحقیق پر کسی عالم کو اطمینان نہیں، جس کا ظاہر شریعت کے مطابق نہیں، اس کی بات انہیں مستند معلوم ہوتی ہے اور اس کی تحقیق ان کے دلوں کو بھاتی ہے۔ لیکن جو آدمی قرآن وحدیث کے پیچھے اپنی زندگی کو صرف کردے، ساری عمر کتابوں کا کیڑا بنا رہے، جس کے علم پر، جس کی تحقیق پر، جس کے ورع اور تقویٰ پر سارے علماء اعتماد کرتے ہوں اس پر کوئی اعتماد نہیں ہوتا۔

میرے دوستو! نہ بخاری میں سارا دین ہے، نہ دین کا مدار بخاری پر ہے، نہ اللہ اور رسول نے بخاری کے بارے کہیں حکم دیا ہے کہ بس اسی کو لینا ہے۔ ہم صرف نماز پڑھنا چاہیں تو صرف بخاری اور مسلم دونوں سے ہم اپنی نماز ثابت نہیں کرسکتے، ہمارے لئے معیار قرآن پاک اور احادیث رسول اللہ اور سنت رسول اللہ ہے، جہاں صحیح احادیث ہم کو مل جائیں وہ ہمارے لئے حجت ہیں، چاہے وہ بخاری میں ہو، یا مسلم میں ہو، یا حدیث کی کسی اور کتاب میں

ہو۔ اور پھر زندگی کے مسائل کا احاطہ جزئیات کی شکل میں قرآن وحدیث میں نہیں ملتا، بلکہ ہزاروں مسائل قرآن وحدیث میں نہیں ہیں، قرآن وحدیث میں ذکر کئے گئے اصولوں کے مطابق ان کو مستنبط کرنا پڑتا ہے، اور یہ بات خود احادیث میں موجود ہے۔ اس لئے صرف حدیث کی چند کتابوں پر ہی اکتفا کرنا یا تو نادانی ہے، یا جہالت، نہ قرآن میں اس کا حکم ہے اور نہ احادیث میں۔

نماز کے اختلافی مسائل کی تعداد:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ''فضائلِ اعمال'' میں لکھا ہے کہ نماز کے مسائل میں ڈھائی سو سے زیادہ اختلافات ہیں۔ آپ کو ان میں سے کتنے معلوم ہیں؟ اور قرآن و حدیث میں سے آپ کتنے نکالیں گے؟ اگر نماز کا یہ حال ہے جو دن میں پانچ مرتبہ پڑھی جانے والی ہے تو عمر میں ایک مرتبہ کیے جانے والے حج کا کیا حال ہوگا؟ زکوۃ کا کیا حال ہوگا؟ کیا زکوۃ ایک قسم کی ہوتی ہے؟ تجارت کے مال کی زکوۃ الگ ہے، غیر تجارت کے مال کی زکوۃ الگ ہے، کھیتوں کی زکوۃ الگ ہے، بکروں کی زکوۃ الگ ہے، بھینسوں کی زکوۃ الگ ہے، اونٹوں کی زکوۃ الگ ہے، سونے چاندی کی زکوۃ الگ ہے، ترکاریوں کی زکوۃ الگ ہے، شہد کی زکوۃ الگ ہے، کھجوروں کی زکوۃ الگ ہے۔ یہ ان تفصیلات کو چھوڑ دیتے ہیں اور دو تین موٹی باتوں کو پکڑ کر اُس پر بحث کرتے ہیں کہ ہم اسے قرآن میں سے نکال لیں گے۔ غرض اسلام میں ایک شعبہ نہیں، بلکہ اس کے بہت سے شعبے ہیں، ہم عبادات میں سے ایک عبادت یعنی نماز کے آٹھ دس مسائل کو بنیاد بنا کر اسی میں الجھے بیٹھے ہیں، اور اسی کو ایمان اور غیرِ ایمان، حق اور باطل کا معیار سمجھتے ہیں، میرے دوستو! دین صرف ان چند مسائل کا نام نہیں ہے، عبادات بھی اس کے اندر ہیں، معاملات بھی اس کے اندر ہیں، معاشرت اور اخلاق بھی اس کے اندر ہیں، سیاست وغیرہ بھی اس کے اندر ہیں، ملی، ملکی اور بین الاقوامی، عائلی اور غیر عائلی قوانین اور ان کی ساری اس کے اندر موجود ہیں، باضابطہ یہ پورا ایک نظام ہے۔

اسلام کا عائلی نظام:

مثلاً عائلی نظام ہے، اس میں نکاح، طلاق اور رضاعت سے متعلق مسائل آتے ہیں، ان کی تفصیلات قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔ کس سے نکاح حلال ہے؟ کس سے نکاح حرام ہے؟ کون حقیقی ہے؟ کون علاتی ہے؟ کون اخیافی ہے؟ کون رضاعی ہے؟ کون اصل ہے؟ کون فرع ہے؟ کن سے رشتۂ صہریت قائم ہے؟ کن سے نکاح ہو سکتا ہے؟ کن سے نکاح نہیں ہو سکتا؟ ان سے اولادیں ہوں تو ان کی تربیت اور پرورش کے مسائل ہیں۔

نان نفقہ کے مسائل ہیں۔ کسوہ اور سکنیٰ کے مسائل ہیں، صلہ رحمی کے مسائل ہیں، پھر رشتوں میں دراڑ آجائے اور آپس میں ساتھ رہنا دشوار ہو جائے تو ازدواجی زندگی ختم کرنے کی مختلف صورتیں ہیں، طلاق کی صورت ہے، خلع کی صورت ہے، فسخ کی صورت ہے، شوہر خود بیوی کو نکاح سے خارج کردے تو وہ طلاق ہے، اس کے سینکڑوں مسائل ہیں، شوہر خود سے تو طلاق نہ دے لیکن عورت شرعی اسباب کی بنیاد شوہر کی رضامندی سے نکاح ختم کرنا چاہے تو اس کا نام خلع ہے، اور اگر دونوں سے نکاح ختم کرنے کی صورت نہ بن پائے تو امیر المومنین یا قاضی ان کا نکاح ختم کردے تو اس کا نام فسخ ہے، اس کی تفصیلات ہیں، اس کے اصول ہیں، اس کے شرائط ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو وراثت کے مسائل ہیں، اس کی سینکڑوں شکلیں ہیں، ہر کوئی وراثت سے متعلق کوئی قرآن کی آیت پڑھ کر مسئلہ نکال لے، یہ اُس کے قابو کی بات نہیں ہے۔ یہ بہت ہی اہم علم ہے، حضور پاک ﷺ نے اس کے سیکھنے کی ترغیب دی ہے، حضرت ابو ہریرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا اے ابو ہریرۃ!

"تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهُ فَإِنَّهُ نِصفُ الْعِلْمِ وَهُوَ يُنْسٰى وَهُوَ أَوَّلُ شَيْءٍ يُنْزَعُ مِنْ أُمَّتِي" (سنن ابن ماجہ: کتاب الفرائض: ۲۷۱۹)

علم فرائض سیکھو اور سکھاؤ، کیونکہ وہ نصف علم ہے، اور وہ بھلا دیا جائے گا، اور میری امت میں سب سے پہلے اسی علم کو اٹھالیا جائے گا۔

اس کی تفصیلات ہیں، ماں باپ، بھائی، بہن، چاہے وہ حقیقی ہوں، یا علاتی ہوں، یا اخیافی ہوں، بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، بھتیجے، بھتیجیاں، بھانجے، بھانجیاں، نواسے، نواسیاں، دادا، دادی، نانا، نانی، پھوپھی، ماموں، خالہ اور ان کی اولادیں، ان سب کے مسائل ہیں، ان کے درمیان ایک ترتیب ہے، پھر ان میں حمل کے مسائل الگ ہیں، ارتداد کے مسائل الگ ہیں، مفقود کے مسائل الگ ہیں، قریبی رشتہ داروں کے مسائل الگ ہیں، دور کے رشتہ داروں کے مسائل الگ ہیں، پشیتنی غیر منقسم جائیداد کے مسائل الگ ہیں، شریعت میں ان سب کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

یہ سب اسلام میں موجود ہیں، ان سب کو عائلی قوانین کہا جاتا ہے، اسلام میں اس کی ہدایات اور اس کے اصول وضوابط موجود ہیں۔

کیا کسی مذہب میں اور کسی قوم میں یہ تفصیلات آپ کو ملیں گی؟ نہیں! یہ صرف اور صرف اسلام کی خصوصیت ہے۔ اسی طرح معاملات کا پورا نظام موجود ہے، خرید و فروخت اور کاروبار کے سارے مسائل اور تفصیلات اس میں ہیں، آپ اندازہ لگائیے کہ اس وقت پوری دنیا میں کاروباری نظام کتنے بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا ہے۔ پوری دنیا میں کیسی کیسی فیکٹریاں ہیں! اُن میں کیسا کیسا نظام اور اُن میں کتنے شعبے ہیں! سب کے بارے میں اسلامی احکام موجود ہیں، کیونکہ قرآن واحادیث انسانی زندگی گزارنے کے تمام مراحل اور تمام قوانین کا مجموعہ ہیں، اس لئے اس میں جہاں عقائد اور عبادات کو بیان کیا گیا ہے تو وہیں معاملات اور سیاست کے بارے میں بھی کوئی تشنگی باقی نہیں رکھی گئی، پوری دنیا پر حکومت کے قوانین ان میں موجود ہیں۔ امریکہ کا کچھ قانون ہے، افریقہ کا کچھ قانون ہے، برطانیہ کا کچھ قانون ہے، انڈیا کا کچھ قانون ہے، پاکستان کا کچھ قانون ہے، لیکن قرآن و حدیث پوری دنیا کے انسانوں کے لئے ایک ہی قانون ہے۔ ایک ہی نظام ہے، اس نظام کی تفصیلات ان میں موجود ہیں، امن کے قوانین ان میں موجود ہیں، صلح کے قوانین ان میں موجود ہیں، جنگی قوانین ان میں موجود ہیں، حدود اور تعزیرات کے قوانین ان میں موجود ہیں، سیاسی تدابیر اور اس کے قوانین ان میں موجود ہیں، عبادات کا ایک نظام ہے، معاملات کا ایک نظام ہے، سیاست کا

نظام ہے، بنیادی عبادتیں تو ہم کو بہت کم معلوم ہوتی ہیں، لیکن ان کے مقاصد عظیم ہیں، ان میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، ہزاروں ان کے مسائل ہیں، ان کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں، اور اتنی زیادہ ہیں کہ ان کو جاننا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔

اسلامی نظام اور اس کی خصوصیت:

اگر آپ دیکھیں گے تو آپ کو عبادات کا ایک نظام نظر آئے گا۔ معاملات کا ایک نظام آئے گا، معاشرت کا ایک نظام نظر آئے گا، سیاست کا ایک نظام نظر آئے گا۔ عائلی ایک نظام نظر آئے گا۔ خارجی ایک نظام نظر آئے گا۔ ایک ملی اور ایک بین الاقوامی نظام نظر آئے گا۔

حدود اور تعزیرات کا ایک نظام نظر آئے گا۔ امن کا ایک نظام نظر آئے گا۔ جتنی حدود اور تعزیرات ہیں وہ جرائم کی روک تھام اور مجرمین کو قابو میں کرنے اور معاشرہ میں امن کی فضا بنانے کے لئے ہیں، ان کی تفصیلات اور ان کی سزائیں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔ نظام اُسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے جرم کو قابو میں کیا جائے، نظام اسے نہیں کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ سے جرم پھیلتا جائے۔ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کے نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ جب ان کے مطابق مجرم کو سزا دی جاتی ہے تو جرم اور اس کی طاقت میں اوراضافہ ہو جاتا ہے۔ پوری دنیا کے جیل خانوں کا جو تجزیہ کیا گیا ہے اُس سے ساری دنیا کے اسکالرس اس بات پر متفق ہیں کہ مجرم کو جیل میں ڈالنے کے بعد وہ اور بڑا مجرم بن جاتا ہے۔ وہاں جاکر مجرم میں جرم کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ پہلے اُس کو ڈر رہتا تھا کہ پتہ نہیں سلاخوں کے پیچھے کیا ہے؟ لیکن اب چونکہ مزہ چکھ چکا ہوتا ہے کہ سلاخوں کے پیچھے بھی مزہ ہے۔ اس لئے اُس کا حوصلہ اور ہمت بڑھ جاتی ہے۔ چھ سال اور آٹھ سال آدمی کو جیل میں رکھا جاتا ہے، جب جیل سے نکل کر آتا ہے تو دوسرے ہی دن اسی کے ہاتھوں کسی کا قتل ہوتا ہے، یا کوئی ڈاکہ زنی کا شکار ہوتا ہے، یہ دنیا کی سزاؤں کا حال ہے، اسے سزاؤں کا نظام نہیں کہتے ہیں کہ مجرم اور جری ہو جائے، اور پہلے سے زیادہ جرائم کرنے لگے۔

حدود اور تعزیرات کا تعلق قیمت سے نہیں معاشرہ سے ہوتا ہے:

اسلام میں سزا اور حد ایسی ہے کہ ایک مرتبہ اس کے نفاذ کے بعد پھر کسی کو جرم کی ہمت نہ ہو، مثلاً چوری کی سزا، کوئی لمبی چوڑی سزا نہیں ہے، بلکہ صرف چور کا ہاتھ کاٹ دینا ہے۔ اگر چوری کی بنیاد پر اسلامی قوانین کے اعتبار سے کسی چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو اب کسی کی مجال ہے کہ وہ چوری کرے، بلکہ سارے لوگ چوری سے دور ہو جائیں گے، لوگ اس میں تقابل کر کے دیکھتے ہیں کہ اتنے پیسوں کی بنیاد پر ہاتھ کاٹا گیا تو کیا اس عضو کی قیمت اتنی ہے، میرے دوستو! سزاؤں کا تعلق قیمت سے نہیں معاشرہ سے ہوتا ہے، سارے معاشرہ پر اس کا اثر پڑتا ہے، اس کے منفی اثرات پیدا ہوتے ہیں، آج ایک چور ہو تو کل کے دن دس چور بن جاتے ہیں، اور ساری عوام کو لوٹنے لگتے ہیں، جب آپ کیا کریں گے!

جرائم کے سدباب کے دو بنیادی جزء:

نیویارک میں صرف چار پانچ منٹ کے لیے لائٹ چلی گئی تو بلین آف بلین کی چوری ہوگئی۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ یہاں نہ اسلامی قوانین کا نفاذ ہے، اور نہ اسلامی عقائد کا تصور، پہلے زمانے میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا تھا، لیکن کسی کو چوری کی ہمت نہیں ہوتی تھی، دو ہی چیزیں تھیں، ایک سزا کا نظام، دوسرے عقائد کی اصلاح، بالخصوص عقیدۂ آخرت کا استحضار ہو تو پھر کسی کو بھی جرم کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔

اسلام کا نظامِ تعزیرات:

ایک ہوتا ہے حدود کا نظام، اور ایک ہوتا ہے تعزیرات کا نظام، دونوں الگ الگ ہیں، کسی ملک کے قانون میں یہ تقسیم نہیں ہے جو تقسیم اسلام میں حدود اور تعزیرات کے بارے میں ہے۔ کچھ سزائیں اسلام کی طرف سے مقرر ہیں، جیسے چوری، شراب، زنا وغیرہ، اور کچھ سزائیں ایسی ہوتی ہیں جن کا حاکمِ وقت کو اختیار ہے کہ وہ مجرم اور جرم کے اعتبار سے جو سزا مناسب سمجھے دیدے۔ اس کو تعزیر کہتے ہیں۔ اور ''حدود'' من جانب اللہ مقرر ہیں، اس میں کسی کو نافذ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، اگر جرم ثابت ہو جائے تو پھر حد نافذ کرنا

ضروری ہوتا ہے، اگر حاکمِ وقت اور امیر المومنین اپنی طرف سے سزا طے کرنا چاہے یا اس حد کو منسوخ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتے۔

حضرت فاطمہ بنت اسود کا واقعہ:

ایک مرتبہ آپ ﷺ کے زمانے میں کسی عورت سے چوری سرزد ہو گئی، اس کے اوپر سزا کے نفاذ کا مسئلہ آگیا، اہل خاندان پریشان ہوگئے، اور حضرت اسامہ کے ذریعہ آپ ﷺ کے پاس سفارش کروائی، آپ نے فرمایا: اے اسامہ! ”أَتَشفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ“ کیا تو اللہ کے نازل کردہ حدود میں سے ایک حد کے بارے میں مجھ سے سفارش کر رہا ہے!” لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرِقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا“(صحیح بخاری: کتاب الانبیاء: ۳۲۲۸) بالفرض اگر محمد کی بیٹی فاطمہ سے بھی چوری سرزد ہو جائے تو میں اُس کے ہاتھ کاٹ دوں گا۔

حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں لکھا ہے کہ وہ ایک مرتبہ حج پر گئے ہوئے تھے، ایک آدمی نے پولیس کو آکر بتایا کہ فلاں بوری میں کھجور رکھے ہیں، پتہ نہیں چل رہا ہے کہ وہ کھجور کس کے ہیں؟ پولیس والوں نے اُس آدمی کی اس بات پر پٹائی کی کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ بوری کے اندر کھجور ہیں، تو نے اُس کے اندر جھانک کر کیوں دیکھا؟ تجھے دوسروں کی چیزوں میں جھانکنے کی اجازت نہیں ہے، نظام ایسا ہوتا ہے۔ تعزیر ایسی ہوتی ہے، اس سے جرم قابو میں آتے ہیں، اس سے پھر کسی کو جرم کی ہمت نہیں ہوتی۔

اسلام کا نظامِ امن اور اس کی پیشین گوئی:

اسی سے متعلق ایک نظام نظامِ امن بھی ہے، اس کی ہدایات اور ہیں، اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ حدود اور تعزیرات کا تعلق بھی نظامِ امن سے ہے، اگر ان کا نفاذ ہو جائے تو اس سے حق داروں کو ان کے حقوق ملیں گے، سزائیں جاری ہو گی تو جرائم بھی کم ہوں گے، چوری قتل و غارت گری اور ڈاکہ زنی ختم ہو گی، مجرمین جرم کرنے میں محتاط ہو جائیں گے، ان جرائم سے معاشرہ پاک ہو گا، معاشرہ میں سدھار پیدا ہو گا، راستے پر امن ہو جائیں گے۔ لوگوں کی جان اور اموال محفوظ ہو جائیں گے۔ عورتوں کی عزت اور پاک

دامنی تار تار ہونے سے محفوظ رہے گی۔ حضور نے اس کی پیشین گوئی کی تھی، اور تاریخ اس کی شاہد ہے، صحابہ نے اس کا مشاہدہ کیا ہے، آپ ﷺ نے حاتم طائی کے بیٹے عدی ابن حاتم سے فرمایا تھا کہ تم اسلام لاؤ، امن میں رہو گے، سلامتی کے ساتھ رہو گے، کیونکہ اسلام امن اور سلامتی کی تعلیم دیتا ہے، خود اسلام کے لفظ سے سلامتی کا پیغام ملتا ہے، اس کے بعد فرمایا:

”یُوشِکُ الظَّعِینَۃُ أَنْ تَرْتَحِلَ مِنَ الْحِیرَۃِ حَتّٰی تَطُوْفَ بِالْبَیْتِ بِغَیْرِ جِوَارٍ“

حیرہ سے ایک خاتون بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے تنہا چل پڑے گی وہاں سے بیت اللہ تک کا سفر امن واطمینان سے طے کرے گی، کوئی اُس کی جان، اس کے مال اور اس کی عزت کے بارے میں نیت بری نہیں کرے گا۔ عدی ابن حاتم کا بیان ہے: ”فَلَقَدْ رَأَیْتُ الظَّعِینَۃَ تَخْرُجُ مِنَ الْحِیرَۃِ حَتّٰی تَطُوْفَ بِالْبَیْتِ بِغَیْرِ جِوَارٍ“ (مصنف ابن ابی شیبۃ: کتاب المغازی، ۳۷۷۶۱)

میں نے اپنی آنکھوں سے ایک خاتون کو تنہا بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے نکلتے ہوئے دیکھا ہے، راستہ اس کے لئے بالکل پر امن تھا، کسی سے کسی قسم کا خوف اس خاتون کو نہیں تھا۔ یہ اسلامی نظام اور اس کی تعلیمات کا اثر ہے۔

میں آپ سے عرض کر رہا تھا کہ اسلام میں ہر چیز کا نظام ہے، تعزیرات کا نظام، وراثت کا نظام، طلاق کا نظام، نکاح کا نظام، خرید و فروخت کا نظام، کاروبار کا نظام، معاشرت کا نظام، اخلاقیات کا نظام، تعلقات کا نظام، حقوق کا نظام. ماں باپ کا یہ حق ہے، بیوی کا یہ حق ہے، بچوں کا یہ حق ہے، پڑوسیوں کا یہ حق ہے، معاشرے کا یہ حق ہے، ملنے جلنے والوں کا یہ حق ہے، یہ تمام نظامات قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں موجود ہیں، اور ظاہر ہے کہ ہر کوئی ان کو سیکھنا چاہے تو مشکل ہے، تمام چیزوں کو چھوڑ کر صرف اسی کے پیچھے پوری محنت صرف کرنی پڑے گی، اور ہر آدمی کے بس میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ ساری چیزوں کو چھوڑ کر صرف اسی کا ہو کر رہ جائے۔ کاروباری کاروبار میں مصروف ہے، نوکر ملازمت میں مصروف ہے، کسان کھیتی باڑی میں مصروف ہے، حکومت والا اپنی حکومت میں مصروف ہے، وزارت والا اپنی وزارت میں ہے، یہ لوگ صرف موٹی موٹی باتوں کو تو جان سکتے ہیں۔ لیکن یہ ساری

چیزیں سیکھنا ان کے لئے مشکل ہے۔اور کسی نہ کسی کو یہ ساری چیزیں سیکھنا ضروری بھی ہے کہ ضرورت کے وقت وہ لوگوں کی ہر مسئلہ میں رہنمائی اور رہبری کر سکے۔اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ یہ فرضِ کفایہ ہے کہ ہر بستی میں ایک عالم ہو جو تفصیلاتِ دین سے واقف ہو، جو لوگوں میں پیش آمدہ مسائل کو حل کر سکے، اگر کسی بستی میں ایک بھی ایسا عالم نہ ہو تو ساری بستی والے گنہگار ہوں گے۔ اس کے لئے نظام مدارس قائم کیا گیا ہے، تاکہ اس کے لئے امت کے ایک طبقہ کو تیار کیا جائے، ان میں باضابطہ قرآن وحدیث کی صحیح تعلیم دی جائے،لوگوں کو گمراہ ہونے سے بچایا جائے،اور ان کے پیش آمدہ مسائل میں ان کی رہنمائی کی جائے، مدارس کا مقصد دین کی حفاظت، قرآن وحدیث کی حفاظت، دین کے ماہرین کو پیدا کرنا، امت تک صحیح تعلیم پہنچانا،اور ان کو ضلالت وگمراہی کے دلدل سے بچانا ہے،حافظ قرآن اس لیے نہیں بنایا جاتا کہ وہ رمضان میں جگہ جگہ سنا کر پیسے کمائے۔حافظ اس لیے ہو کہ قرآن پاک محفوظ رہے، قرآنی علوم محفوظ رہیں،اور اس پر عمل کرنے والے محفوظ رہیں،اور لوگوں میں اس کے سیکھنے اور سکھانے کا سلسلہ جاری رہے،اور قیامت تک اس کے محفوظ رہنے کی شکل بنی رہے جو اللہ پاک نے اختیار فرمائی ہے۔

خود سے قرآن دانی اور حدیث فہمی کا غلط تصور:

بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم خود سے دین سیکھ لیں گے اور خود سے اس کو سمجھ جائیں گے، کیونکہ قرآن پاک کے بارے میں حق تعالیٰ نے اسے آسان فرمایا ہے، اور پھر آج کے زمانے میں قرآن پاک کے کئی تراجم موجود ہیں، کئی تفاسیر موجود ہیں، حدیث کی کتابوں کے ترجمے آچکے، اردو میں بھی مواد موجود ہے،اور انگلش میں بھی مواد موجود ہے، ہم ان کتابوں کو پڑھ لیں گے،اور اس سے قرآن وحدیث سیکھ لیں گے اور سمجھ لیں گے تو یاد رکھیں کہ یہ سراسر شیطانی دھوکہ ہے۔ نہ صرف یہ شیطانی دھوکہ ہے بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو برباد کرنے کا منصوبہ ہے۔ علماءِ کرام کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جہاں جہاں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ لوگوں کے ہاتھوں میں آگئے وہاں عوام علماء سے دُور ہو گئے،اور اس

کی دینی حالت تباہ وبرباد ہوگئی، اور یہ سب ایک منصوبہ کے تحت کیا گیا۔ آپ خود بہ آسانی یہ بات اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اگر علاج و معالجہ ڈاکٹرس کے علاوہ عام لوگوں کے ہاتھ میں آجائے، وکالت وکیلوں کے علاوہ عام لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے، انجینیرنگ انجینیرس کے علاوہ عام لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے تو کیا ہوگا؟ وہ ڈاکٹری، وکالت اور انجینیری کے ساتھ کھلواڑ اور مذاق ہوگا، وہ چیزیں لوگوں کے لئے کھلونا اور مذاق بن کر رہ جائیں گی، اور افسوس کی بات ہے کہ آج کی نئی نسلوں نے قرآن وحدیث کے ساتھ ایسا ہی کھلواڑ کیا ہے، قرآن وحدیث کو اپنا کھلونا سمجھ لیا ہے، اور قرآن وحدیث کی عظمت اور اہمیت ان کے دلوں سے بالکل رخصت ہو چکی ہے۔

عوام آج کل جن مسائل میں الجھی ہوئی ہے ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب وہ کسی سے مسئلہ پوچھتے ہیں تو ایک آدمی اس کو حلال بتاتا ہے اور دوسرے سے پوچھتے ہیں تو وہ اُسی کو حرام بتاتا ہے۔ ایسی صورتحال میں وہ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے، اس میں عام طور پر دو غلطیاں ہوتی ہیں۔ ایک غلطی یہ ہوتی ہے کہ ہمارے پاس مسئلہ پوچھنے کا کوئی معیار نہیں ہے۔ کسی کی ٹوپی بڑی ہے، کُرتا لمبا ہے، داڑھی اچھی خاصی ہے، اگر اُس نے پگڑی بھی باندھی ہوئی ہے تو پھر کیا کہنے! تقریر کرنے آتا ہے، بس اس کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور اسی سے مسئلہ پوچھتے ہیں، حالانکہ تقریر اور ظاہری حلیہ کا سنت کے مطابق ہونا بالکل الگ چیز ہے اور کسی آدمی کے پاس صحیح علم کا ہونا بالکل الگ چیز ہے۔ کوئی تقریر اچھی کرتا ہے، انشاء پرداز ہے، لٹریچر چھپوا تا رہتا ہے تو اس سے متاثر ہو جاتے ہیں، ہمارے پاس یہ معیار بن گیا ہے کہ جو اچھا بولے اور اچھا لکھ لے یا لوگوں کے درمیان بحث ومباحثہ کرنے لگے یا پتہ چلے کہ اُس کے پاس کچھ معلومات ہیں تو ہم اس کے بارے میں اپنے طور پر یہ فرض کر لیتے ہیں کہ یہ مسئلہ پوچھنے کے قابل ہے، اور جب اُس سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو وہ اُلٹ پلٹ کر دیتا ہے۔ اپنی عزت کی خاطر مسئلہ معلوم نہ ہو تب بھی کچھ نہ کچھ الٹا سیدھا جواب دیدیتا ہے، حالانکہ یہ بہت بڑی خیانت اور وعید کا باعث ہے، اس لئے ایسے لوگوں سے مسائل ہی نہیں پوچھنا چاہیے۔ ان سے تعلق رکھنے میں ان سے مسائل پوچھنے میں گمراہی اور ضلالت پھیلتی ہے۔

علماء نے اس کے بھی حدود بیان فرمائے ہیں، اور بالخصوص امریکہ میں اس کو دہراتے رہنے کی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کا ذہن بنے اور وہ صحیح رخ پر آئیں۔ علماء نے لکھا ہے مسائل ایسے آدمی سے پوچھنے چاہیے جو کسی مستند دینی ادارے سے فارغ ہو، وہ خود ظاہری طور پر شریعت کا پابند ہو۔ باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، کیونکہ آپ کسی کے اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتے، اگر اُس سے ظاہری طور پر شریعت کے خلاف غلطی سرزد ہو جائے تو وہ اُس پر اصرار نہ کرے بلکہ فوراً اصلاح کر کے توبہ کر لے اور اُس زمانے کے علماء اُس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہوں۔ وہ بدعتی نہ ہو۔ اُس کی دیانت داری اور امانت داری پر اعتماد ہو، وہ کسی کے دباؤ کی وجہ سے مسئلہ بدلنے والا نہ ہو۔ ایسے علماء کی کتابیں آپ پڑھیں، ان کی کیسٹس آپ سنیں، ان کی بات آپ مانیں۔ ان سے مسائل آپ پوچھیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

امریکہ میں مکس گیدرنگز (Mix Gathering) کی حقیقت

امریکہ کا مسئلہ یہ ہے کہ امریکہ میں کسی کا ہونا اور امریکی ماحول پایا جانا یہ خود ایک بہت بڑا دباؤ ہے۔ آج کل مسلمانوں کی بڑی بڑی تقریبات ہوتی ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان جمع ہوتے ہیں اور ایک سے بڑھ کر ایک خرافات وہاں ہوتی ہیں، اور سب اسلام کے نام پر جمع ہوتے ہیں لیکن بے دینی، فسق و فجور اور گناہ وہاں کئے جاتے ہیں، اگر اُن کو بتائیں کہ ایسی گیدرنگ مت کریں، شرعی حدود میں رہیں، تو کہتے ہیں کہ صاحب! یہ امریکہ ہے۔ تو کیا امریکہ میں یہ کام کرنے کی اجازت ہے؟ کیا امریکہ میں دوسرے لوگ نہیں رہتے، جو شریعت کے مطابق چلتے ہیں، کسی کی نماز نہیں چھوٹتی، کیمروں کی فلیشنگ نہیں ہوتی، ویڈیوز نہیں بنتی، مرد و عورت کا اختلاط نہیں ہوتا۔ آج کل کی گیدرنگز (مرد و عورتوں کی دین کے نام پر مخلوط مجالس) عاشقی کے اڈّے ہو گئے، لوگ معاشقہ کرنے کے واسطے جمع ہوتے ہیں۔ کتنی ہی خواتین کی عزت سولی پر چڑھ رہی ہوتی ہیں، کیا اسلام ایسی گیدرنگ کی اجازت دیتا ہے کہ جہاں اسلام کے نام پر معاشقے چلیں، جہاں دین اور اسلام کے نام پر عورتوں کی

عزتوں پر حملے کئے جائیں، جہاں دین اور اسلام کے نام پر بے حیائی کی جائے، جہاں دین اور اسلام کے نام پر مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہو، جہاں دین اور اسلام کے نام پر نمازیں چھوڑی جائیں، جہاں دین اور اسلام کے نام پر تصاویر اور ویڈیو کشی کی جائے، جہاں دین اور اسلام کے نام پر ایسی گھناؤنی حرکتیں اور فضول خرچیاں کی جائیں، ان چیزوں کی اسلام میں بالکل اجازت نہیں ہے، اور اوپر سے ان کے ساتھ یہ مسئلہ ہے کہ ان کو صحیح راہ بتانا بھی مشکل ہے، صحیح راہ بتانے والوں کو لوگ دشمن سمجھتے ہیں، آج کل دوست اور دُشمن کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ میں ذرا کنایتی زبان اختیار کیے ہوئے ہوں، میرا منشا اور مقصد آپ حضرات بخوبی سمجھ رہے ہوں گے۔

غیر اللہ کے لئے حصولِ علم کا عذاب:

اس لئے اپنے ماحول کو اسلامی ماحول بنائیں، گھروں میں دینی تعلیم کو عام کریں، بیوی بچوں کو دینی تعلیم سکھائیں، اور خود بھی سیکھیں، تاکہ دین ان کے پاس بھی محفوظ رہے، اور ان کی نسلوں کے پاس بھی۔ لیکن یاد رکھیں کہ دینی تعلیم سکھانے کا مقصد اللہ کو راضی کرنا ہو، دین پر عمل کرنا ہو، اگر نیت میں بگاڑ ہو تو دین کا علم سیکھنا بھی وبالِ جان بن سکتا ہے۔ حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مَن تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يَبْتَغِي بِهِ وَجهَ اللهِ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ غَرَضًا مِنَ الدُّنيَا لَم يَجِدْ عُرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ (مستدرک حاکم: ۲۸۸، عن ابی ہریرۃ)

جس نے علم سیکھا، لیکن اللہ کی رضا کے لئے نہیں سیکھا، دنیوی کسی غرض سے اس کو سیکھا ہو تو قیامت کے دن وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔ ایک روایت اوپر آچکی ہے کہ جو علم سیکھے تاکہ اس کے ذریعہ علماء پر فخر کر سکے، اور اس کے ذریعہ سفہاء اور ناخواندہ لوگوں سے جھگڑا کر سکے، اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے۔ یہ بڑا فتنہ ہے، علم کا مقصد اللہ کی رضا اور صحیح علم کی روشنی میں عمل کرنا نہ ہوگا بلکہ مقصد یا تو اپنی شہرت ہو گی، یا علماء پر فخر کرنا ہو گا یا ان پڑھوں سے لڑنے اور جھگڑنے کے لئے علم سیکھیں گے، یہ علمی فتنہ ہو گا۔ اس وقت علم کی برکت ختم ہو جائے گی، اور علم پر عمل کے بجائے جھگڑے شروع ہو جائیں گے۔

علم کے دو خواص:

اس لئے خلوص نیت کے ساتھ علم سیکھیں اس کا فائدہ بھی عظیم ہو گا، حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”إِذَا طَلَبَ الْعَبْدُ الْعِلْمَ لِيَعْمَلَ بِهِ كَسَرَهُ عِلْمُهُ وَإِذَا طَلَبَ الْعِلْمَ لِغَيْرِ الْعَمَلِ زَادَهُ كِبْرًا“ (شعب الایمان: للبیہقی: نشر العلم: ۱٦٨٨ ـ عَنْ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ)

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب بندہ علم حاصل کرتا ہے عمل کی نیت سے تو اس کا علم اس کو جھکا دیتا ہے، منکسر المزاج بنا دیتا ہے، تواضع اس کے اندر آجاتی ہے، اور بندہ علم حاصل کرتا ہے لیکن عمل کی نیت نہیں ہوتی ہے تو اس کا علم اس کو کبر میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور پھر محض علم کافی نہیں ہے، بلکہ حصولِ علم کے بعد اس کے کچھ حقوق ہیں ان کو ادا کرنے کی بھی فکر کرنا چاہیے۔

علم کے پانچ حقوق:

علماء نے لکھا ہے کہ علم کے پانچ حقوق ہیں:

”أَوَّلُ الْعِلْمِ الِاسْتِمَاعُ، ثُمَّ الْفَهْمُ، ثُمَّ الْحِفْظُ، ثُمَّ الْعَمَلُ، ثُمَّ النَّشْرُ“ (شعب الایمان: للبیہقی: نشر العلم: "١٦٥٨)

علم کا پہلا حق ہے: غور سے سننا، پھر سمجھنا، پھر اس کو محفوظ کرنا، پھر عمل کرنا۔ پھر اس کو پھیلانا۔ علم کو سیکھتے وقت غور سے سننا ضروری ہے، اگر سنا ہی نہ جائے تو علم کیسے آئے گا، اس لئے محض سننا نہیں بلکہ غور سے سننا چاہیے، اس کے بعد کا مرحلہ صحیح سمجھنے کا ہے، علم تو سیکھ رہے ہیں لیکن سمجھ نہیں رہے ہیں یا سمجھ رہے ہیں لیکن غلط سمجھ رہے ہیں تو کیا ہو گا اور کیا ہو رہا ہے سب کو پتہ ہے، اس کے بعد کا مرحلہ اس کو حفظ کرنے اور یاد رکھنے کا ہے، یاد نہیں ہے تو آگے کے جو اہم مراحل ہیں ان پر عمل نہیں کیا جا سکتا، اس کے بعد کا مرحلہ عمل کا ہے جو سیکھا ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اگر علم پر عمل نہ ہو تو پھر اس کی پوچھ ہے، کل قیامت میں اس کے بغیر انسان کو چھٹکارہ نہیں، ایک روایت میں ہے:

”لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ مِنْ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسِ خِصَالٍ: عَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ، وَعُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ“ (شعب الایمان: للبیہقی: نشر العلم: ۱۶۴۷)

عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن ابنِ آدم کے قدم اپنے رب کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے، اس کی جوانی سے متعلق کہاں اس کو پرانا کیا، اس کی عمر سے متعلق کہ کہاں اس کو ختم کیا، اس کے مال سے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں اس کو خرچ کیا، اور اس کے علم سے متعلق کہ اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟ اس سے عمل کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ جب تک عالم سے اس کے عمل کے بارے میں سوال نہ کیا جائے وہ آگے جا نہیں سکتا۔

عالم کی بد عملی کے تین منفی اثرات:

اس لئے عالم کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرے، کیونکہ یہ تو قوم کا اسوہ اور نمونہ ہوتا ہے، ان کا مقتدا ہوتا ہے، لوگ اس کے ایک ایک عمل اور ایک ایک حرکت کو دیکھتے ہیں اگر یہی عمل سے کورا ہو تو لوگوں میں عالم، علم اور عمل تینوں کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، بلکہ بد ظنی پیدا ہوتی ہے، اس لئے علم پر عمل بے انتہاء ضروری ہے، اگر علم پر عمل نہ ہو تو پھر اس سے بڑا محروم اور اس سے بڑا بد نصیب بھی کوئی نہیں۔

بد بختی کی تین علامتیں:

علماء نے لکھا ہے کہ علم کے بعد عمل سے محرومی یہ اس انسان کے بد بخت ہونے کی علامت ہے۔ کسی سے پوچھا گیا کہ بد بختی کی کیا علامت ہے؟ وہ کہنے لگے:

”اَنْ يُرْزَقَ الْإِنْسَانُ الْعِلْمَ وَيُحْرَمَ الْعَمَلَ وَالثَّانِيَةُ: أَنْ يُرْزَقَ الْعَمَلَ وَيُحْرَمَ الْإِخْلَاصَ وَالثَّالِثَةُ: أَنْ يُرْزَقَ صُحْبَةَ الصَّالِحِيْنَ وَلَا يُحْتَرَمَ لَهُمْ“ (شعب الایمان: للبیہقی: نشر العلم: ۱۶۷۵)

بد بختی کی تین علامتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ انسان کو علم حاصل ہو جائے لیکن وہ عمل سے محروم رہے، دوسری علامت یہ ہے کہ عمل بھی حاصل ہو جائے لیکن اخلاص سے محروم

رہے، اور تیسری علامت یہ ہے کہ صالحین کی صحبت ملے لیکن ان کا احترام نہ کیا جائے۔ اور آج کا زمانہ کچھ ایسا ہی ہے، عالم عمل سے محروم ہے، لیکن بڑوں کی برکت سے اگر کچھ عمل کی توفیق حق تعالیٰ کی جانب سے میسر بھی ہو جائے تو اخلاص نہیں ہے، اور وقت کے بڑے بڑے اکابرین موجود ہیں لیکن ان کی قدر نہیں ہے۔ غرض یہ علم کا چوتھا حق ہے کہ علم پر عمل کیا جائے، اور اسکے بعد کا مرحلہ یعنی اس کا پانچواں حق یہ ہے اس کو آگے پہنچایا جائے۔

علم کی زکوۃ ادا کریں:

یہ علم کے حقوق ہیں، یہ علم کی زکوۃ ہے، یعنی اس کو محفوظ کرنا، اس پر عمل کرنا اور اس کو آگے پہنچانا، جیسے مال اور بدن کی زکوۃ ہوتی ہے ایسے ہی علم کی بھی زکوۃ ہوتی ہے، جیسے مال کی زکاۃ ادا کرنے سے مال پاک ہوتا ہے اور بڑھتا ہے، ایسے ہی علم کی زکوۃ ادا کرنے سے علم میں جلاء پیدا ہوتی ہے، اور وہ صاف ستھرا ہوتا ہے، اس میں برکت اور اضافہ ہوتا ہے۔

یہ علم سے متعلق چند باتیں ہیں، بلکہ علم کے فتنہ کی مختلف شکلیں ہیں جو آپ کے سامنے بیان کی گئی ہیں، قرب قیامت علم کی کمی ہو جائے گی، لوگ جاہلوں اور نااہلوں کو اپنا بڑا اور مقتدا مان کر ان کے بتائے ہوئے غلط مسائل کی پیروی کرنے لگیں گے، اور امت میں گمراہی پھیلے گی، کوئی صرف قرآن اور حدیث کا دعویٰ کرے گا تو کوئی صرف قرآن کا دعویٰ کرے گا، اور اس کو سمجھنے کے لئے محض اپنی فہم کو کافی سمجھے گا، صحابہ، تابعین، فقہاء، مجتہدین اور مفسرین کی اہمیت کم ہو جائے گی۔ علمی خیانتیں ہوں گی، حق چھپایا جائے گا، علم دین اللہ کی رضا کے لئے نہیں سیکھا جائے گا، بلکہ دنیوی مقاصد کے لئے سیکھا جائے گا، یا تو علماء پر فخر کرنے کے لئے لوگ علم دین سیکھیں گے، یا جاہلوں سے جھگڑنے کے لئے دین سیکھیں گے، یا اپنی شہرت کے لئے علم سیکھیں گے، ظاہر ہے کہ جب نیتیں ایسی ہوں گی تو امت میں علم کے نام پر فتنہ وفساد ہو گا، اختلافات ہوں گے، بے دینی جہالت اور ضلالت پھیلے گی، حق باطل ہو جائے گا، اور باطل حق ہو جائے گا۔

علماءِ سوء کا فتنہ:

علم کے ساتھ ایک فتنہ علماء سے متعلق بھی ہے، ان میں فتنہ کی مختلف صورتیں ہیں، جو احادیث میں مذکور ہیں، لیکن جب بھی ان میں فتنہ ہو گا تو اس وقت وہ روئے زمین پر بسنے والی سب سے رذیل مخلوق ہوں گے، حدیث میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عُلَمَاؤُهُم شَرُّ مَن تَحتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهُمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُوْدُ" (شعب الایمان للبیہقی: الثامن عشر من شعب الإیمان و ھو باب في نشر العلم ۱۷۶۳)

ان کے علماء آسمان میں بسنے والی مخلوق میں سب سے بدتر ہوں گے، فتنہ انہیں کے پاس سے نکلے گا، اور انہی میں لوٹے گا۔ ان کے فتنہ کی بنیادی چیزیں یا تو خواہشات کی پیروی، یا آپس میں حسد، یا مال کی حرص یا حب جاہ اور مال ہو گی، اس سے فتنے رونما ہوں گے۔

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"اَلْعَالِمُ طَبِيْبُ الدِّيْنِ وَالدَّرَاهِمُ دَاءُ الدِّيْنِ فَإِذَا اجْتَرَّ الطَّبِيْبُ الدَّاءَ إِلَى نَفْسِهٖ فَمَتٰى يُدَاوِيْ غَيْرَهٗ" (شعب الایمان: للبیہقی: نشر العلم: ۱۷۶۷ و ۱۷۶۵)

عالم دین کا طبیب ہوتا ہے، اور دراہم دین کی بیماری ہیں، پس جو طبیب اپنی طرف بیماری کھینچے تو وہ دوسروں کا علاج کیا کر پائے گا؟ یعنی جو دراہم اور دنانیر کا دیوانہ ہو جائے اور مال اس کا مقصود ہو اور دین اس کا مقصود نہ ہو تو وہ خود جس بیماری میں مبتلا ہے اس میں دوسروں کی کیا رہنمائی کر سکے گا، بلکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ الٹا وہ دوسروں کو بھی اپنی طرح مریض بنا دے۔

علماء کا مال کے پیچھے چلنا مال کی ہوس رکھنا اور مال کی بنیاد پر کام کرنا فتنہ ہے، اور حدیثوں میں اسے فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ عالم کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا:

"مَوْتُ الْقَلْبِ قُلْتُ: وَمَامَوْتُ الْقَلْبِ؟ قَالَ: طَلَبُ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ" (شعب الایمان: ۱۸۳۷)

دل کا مر جانا، میں نے پوچھا کہ دل کے مرنے کا کیا مطلب ہے؟ کہنے لگے کہ دل کے مرنے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے عمل کے ذریعہ دنیا کو طلب کیا جائے۔ ایمان اور اعمال کی کوئی پرواہ نہ کی جائے، اور آخرت کو بالکل بھلا دیا جائے۔

نوادراتِ علماء سے بچو:

نوجوان علماء میں ایک خراب عادت یہ ہوتی ہے کہ جو چیز نئی ہوتی ہے یا نادر ہوتی ہے کوئی نادر قول یا عمل ہوتا ہے تو اس کو جلدی قبول کر لیتے ہیں، لیکن جمہور علماء کا قول یا عمل انہیں بھاتا نہیں ہے، یہ بھی بڑی خرابی ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ بعض آثار میں لکھا ہے:

”مَنْ أَخَذَ بِنَوَادِرِ الْعُلَمَاءِ فَبِفِيْهِ الْحَجَرُ“ (شعب الایمان للبیھقی: الثامن عشر من شعب الإیمان و ھو باب في نشر العلم ۱۹۲۳)

جو علماء کے نوادرات کو لیتا ہے تو اس کے منہ میں پتھر پڑ جائیں۔ نوادرات در اصل آدمی اپنے علمی تفوق یا شہرت کی بنیاد پر اختیار کرتا ہے، اس لئے کسی کے نادر قول کو اختیار نہیں کیا جا سکتا، جمہور علماء کا جو قول ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے۔

لا اعلم نہ کہنے کا فتنہ:

ایسے ہی نوجوان علماء میں یہ بڑی خرابی ہے کہ کسی مسئلہ کا علم نہ ہو تو وہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ہے، معلوم کر کے بتلا دیں گے، بلکہ سوالات کے غلط جوابات دیدیتے ہیں لیکن اپنی لاعلمی کا اظہار نہیں کرتے، یہ بڑی خرابی ہے، ہمارے اکابر کا نمونہ سامنے ہے، امام مالک سے کم و بیش پچاس مسائل کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے نہیں معلوم۔ اتنے بڑے امام ہوتے ہوئے انہیں لا اعلم کہتے ہوئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہیں ہوئی اور ہمارے پیٹ میں الف بھی نہیں ہوتا اور ہم مسئلہ بتانا شروع کر دیتے ہیں، اور لا اعلم کہنے میں ہم کو عار اور شرمندگی محسوس نہیں ہوتی، اس میں عیب کی کوئی بات نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: ”أَلَا لَا يَسْتَحْيِي الرَّجُلُ أَنْ يَتَعَلَّمَ مَتٰى سُئِلَ عَمَّا لَا يَعْلَمُ أَنْ يَقُوْلَ: لَا أَعْلَمُ“ (شعب الایمان: للبیھقی: نشر العلم: ۱۷۶۵)

جس آدمی سے کوئی سوال کیا جائے، اور اس کے بارے میں اسے معلوم نہ ہو تو اس کو نہیں معلوم کہنے میں شرمانا نہیں چاہیے۔ اور اوپر سے جب ان کو صحیح مسئلہ بتایا جاتا ہے تو حیلہ و حجت کرنے لگتے ہیں، یہ ان کے لئے بڑی خطرناک بات ہے، جہاں ایک طرف یہ نفس پرستی ہے تو دوسری طرف علمی خیانت اور حق بات ماننے سے انکار کرنا بھی ہے۔

رخصتوں کی تلاش کا فتنہ:

فتنہ کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ رخصتوں اور تاویلات کو ڈھونڈا جاتا ہے: وَ فِتنَۃُ الخَاصَّۃِ مِنَ الرُّخَصِ وَ التَّاوِیلَاتِ (شعب الایمان: ۱۸۴۳)

رخصتوں اور تاویلات کو تلاش کرنا اور ان پر عمل کرنا ذاتی مفاد یا نفس کی اتباع کے خاطر ہوتا ہے، کسی دینی اور دنیوی ضرورت اس کے پیش نظر نہیں ہوتی، کیونکہ ضرورت کے مسائل الگ ہوتے ہیں، اس وقت رخصت کا مسئلہ الگ ہوتا ہے، فتنہ جو پیدا ہوگا وہ اس وقت ہوگا جب ذاتی مفادات پیش نظر ہوں گے، خواہشات کی پیروی کی جائے گی، اور حق بات میں تاویل کی جائے گی۔

علماء کی ایک دوسرے پر یلغار کا فتنہ:

فتنہ کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ ان میں آپس میں حسد پیدا ہوجاتا ہے، اور وہ ایک دوسرے کی عزتوں پر کیچڑ اچھالنے لگتے ہیں، بلکہ تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی موقع میسر آجائے تو اسے گنوایا نہ جائے۔

یَأتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَحسُدُ الفُقَھَاءُ بَعضُھُم بَعضًا وَ یُغَارُ بَعضُھُم عَلٰی بَعضٍ کَتَغَائِرِ التُّیُوسِ بَعضِھَا عَلٰی بَعضٍ۔ (کنز العمال: ۲۹۱۱۹)

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ علماء اور فقہاء ایک دوسرے سے حسد کریں گے، اور وہ ایک دوسرے کی عزت پر اس طرح حملے کریں گے، جیسا کہ بکریوں اور ہرنوں کے بچے آپس میں ایک دوسرے پر جھپٹتے ہیں۔ جب کہ قرآن وحدیث میں کسی کی عزت نفس کے ساتھ کھیلنے اور اس پر کیچڑ اچھالنے اور لوگوں میں اس کے تعلق سے غلط تاثر قائم کرنے کی بڑی مذمت بیان کی گئی ہے، لیکن چونکہ دل میں حسد پیدا ہوجائے گا، اس لئے قرآنی احکام اور نبوی پیغام کو بالائے طاق رکھ کر کسی کی ہتکِ عزت میں کوئی کسر نہ چھوڑیں گے۔ کھلم کھلا اپنی دلی خباثت ظاہر کرکے دین کے نام پر کسی کی عزت پر حملے کریں گے۔

دین کی تباہی علماء اور دنیا کی تباہی امراء سے ہوگی:

اور یہ بات یاد رکھیں کہ جب ان میں فتنہ ہوگا تو وہ فتنہ ان کی ذات تک محدود نہیں ہوگا بلکہ وہ فتنہ ملکی فتنہ ہوگا، عالمی فتنہ ہوگا:

”صِنْفَانِ مِنَ النَّاسِ اِذَا صَلُحَا صَلُحَ النَّاسُ، وَإِذَا فَسَدَا فَسَدَ النَّاسُ: اَلْعُلَمَاءُ وَالْأُمَرَاءُ“ (کنز العمال: ۲۹۰۰۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں، اگر وہ دونوں صحیح ہو جائیں تو سارے لوگ صحیح ہو جائیں گے، جب وہ دونوں فساد مچائیں گے تو سارے لوگوں میں فساد پیدا ہو جائے گا۔ علماء اور امراء۔ گویا دنیا کی تباہی اور بربادی کا سبب امراء ہوں گے اور دین کی ہلاکت اور اس کی تباہی و بربادی کا سبب علماء ہوں گے بعض احادیث میں ہے: ”فَإِذَا فَسَدَ الْأُمَرَاءُ فَسَدَ الْمَعَاشُ وَإِذَا فَسَدَ الْعُلَمَاءُ فَسَدَتِ الطَّاعَاتُ وَإِذَا فَسَدَتِ الْقُرَّاءُ فَسَدَتِ الْأَخْلَاقُ“ (شعب الایمان: للبیہقی: نشر العلم: ۱۶۷۹) جب امراء فساد پھیلائیں گے تو لوگوں کی معیشت برباد ہوگی، اور جب علماء فساد پھیلائیں گے تو لوگوں کی طاعات اور دین تباہ ہوگا، اور جب قراء فساد پھیلائیں گے تو لوگوں کے اخلاق بگڑ جائیں گے۔

بے فائدہ علم اور فاجر عالم کے فتنہ سے پناہ مانگیں:

اس لئے احادیث میں بے فائدہ علم اور برے عالم سے پناہ مانگنے کا حکم ہے: ”اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یُنْتَفَعُ بِہٖ“ (شعب الایمان: ۱۷۴۹) اے اللہ! میں آپ سے بے فائدہ علم کی پناہ چاہتا ہوں۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ”تَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنْ فِتْنَۃِ الْعَابِدِ الْجَاهِلِ، وَفِتْنَۃِ الْعَالِمِ الْفَاجِرِ، فَإِنَّ فِتْنَتَهُمَا فِتْنَۃٌ کُلِّ مَفْتُوْنٍ“ (شعب الایمان: للبیہقی: نشر العلم: ۱۷۵۲)

جاہل عابد کے فتنہ اور گنہگار عالم کے فتنہ سے بچو، کیونکہ ان دونوں کا فتنہ ہر فتنہ میں مبتلا شخص کا فتنہ ہوتا ہے۔ چونکہ ان کا فتنہ عالمگیر فتنہ ہوتا ہے، سارے لوگوں کو متاثر کرتا ہے اس لئے ان کے لئے وعیدیں اور سزائیں بھی سخت بیان کی گئیں۔

عالم کی بے عملی کا فتنہ:

ایسے ہی علماء میں فتنہ کی ایک شکل یہ ہو گی کہ بے عمل ہو جائیں گے، بات تو حق کریں گے، لیکن ان کی زندگی عمل سے خالی ہو گی، اس کی کچھ تفصیل اوپر آچکی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

”إِيَّاكُمْ وَالْمُنَافِقَ الْعَالِمَ قَالُوْا: وَكَيْفَ يَكُوْنُ الْمُنَافِقُ عَلِيْمًا؟ قَالَ يَتَكَلَّمُ بِالْحَقِّ وَيَعْمَلُ بِالْمُنْكَر“

(شعب الایمان: للبیہقی: نشر العلم: ۱۶۴۰)

تم منافق عالم سے بچو، پوچھا گیا کہ منافق علیم کیسے ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا: جو بات تو حق کی کرتا ہے لیکن منکر پر عمل کرتا ہے۔ اس سے بچنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے اس کے پاس رہنے سے اس کا اثر ہو سکتا ہے، اور اس کی صحبت میں رہنے اور اس کی بد عملی کو دیکھنے سے عمل کی اہمیت کم ہو جاتی ہے، اس لئے اس سے بچنے کا حکم ہے۔

قیامت میں سب سے زیادہ حسرت بے عمل عالم کو ہو گی:

بعض علماء سے منقول ہے کہ قیامت میں سب سے زیادہ حسرت دو لوگوں کو ہو گی، ان میں سے ایک بے عمل عالم ہے۔ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”لَا يَرِدُ الْقِيَامَةَ أَكْثَرَ حَسْرَةً مِنْ رَجُلَيْنِ: عَالِمٍ لَمْ يَنْتَفِعْ بِعِلْمِهِ وَزَاهِدٍ أَكَلَ الدُّنْيَا بِدِيْنِهِ“ (شعب الایمان: للبیہقی: نشر العلم: ۱۷۵۱)

کہ قیامت میں دو آدمیوں کو سب سے زیادہ حسرت ہو گی، ایک تو وہ عالم جو اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھائے، دوسرے وہ زاہد جو اپنے دین کو بیچ کر دنیا کھائے۔

بے عمل علماء اور خطیبوں کا انجام:

اور قیامت میں ان کو جتنی زیادہ حسرت ہو گی اتنا ہی زیادہ ان کا انجام بھی سخت ہو گا، معراج کی رات جب آپ آسمانوں کی سیر فرما رہے تھے اس وقت دوزخیوں کے جو حالات آپ کو دکھلائے گئے اس کو آپ نے بیان فرمایا:

”أَتَيْتُ لَيْلَةَ أُسرِیَ بِیْ عَلٰی قَوْمٍ یُقْتَرِضُ شِفَاهُهُم بِمَقَارِیْضَ مِنْ نَّارٍ كُلَّمَا قُرِضَتْ دَقَّتْ فَقُلْتُ: يَا جِبْرَئِيْلُ مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: خُطَبَاءُ مِنْ أُمَّتِکَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَقْرَؤُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَلَا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ“ (کنز العمال: ۲۹۰۲۶)

میں اسراء کی رات ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ کی امت کے یہ وہ خطیب ہیں جو وہ باتیں کہتے تھے جن پر خود عمل نہیں کیا کرتے تھے، کتاب اللہ تو پڑھتے تھے لیکن اس پر عمل نہیں کیا کرتے تھے۔

علماء سوء کو اس وادی میں ڈالا جائے گا جس سے جہنم پناہ مانگتی ہے:

ایک اور حدیث میں ہے کہ ان عالموں کو جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تھے جو علماءِ سوء تھے ان کا انجام یہ ہوگا کہ انہیں جہنم کی اس وادی میں ڈالا جائے گا جس سے جہنم بھی پناہ مانگتی ہے، اس کی تفصیل حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

”اِنَّ فِیْ جَهَنَّمَ لَوَادِيًا تَتَعَوَّذُ جَهَنَّمُ مِنْ ذٰلِکَ الْوَادِیْ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَإِنَّ فِی الْوَادِیْ لَجُبًّا يَتَعَوَّذُ الْوَادِی وَجَهَنَّمُ مِنْ ذٰلِکَ الْجُبِّ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَإِنَّ فِی الْجُبِّ لَحَيَّةً يَتَعَوَّذُ الْجُبُّ وَالْوَادِیْ وَجَهَنَّمُ مِنْ تِلْکَ الْحَيَّةِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعَ مَرَّاتٍ تَبْدَأُ بِفَسَقَةِ حَمَلَةِ الْقُرْآنِ فَيَقُوْلُوْنَ: أَیْ رَبِّ بُدِئَ بِنَا قَبْلَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ قِيْلَ لَهُمْ: لَيْسَ مَنْ يَعْلَمُ كَمَنْ لَا يَعْلَمُ“ (شعب الایمان: نشر العلم: ۱۷۵۶)

بے شک جہنم میں ایک وادی ہے جہنم خود اس وادی سے ہر روز سات مرتبہ پناہ مانگتی ہے، اور بے شک اس وادی میں ایک گڑھا ہے، اور جہنم اس گڑھے سے ہر دن سات مرتبہ پناہ مانگتی ہے، اور اس گڑھے میں ایک ازدھا ہے، وادی، وہ گڑھا اور جہنم اس ازدھے سے روزانہ سات مرتبہ پناہ مانگتے ہیں، سب سے پہلے حاملین قرآن فساق کو اس میں ڈالا جائے گا، وہ کہیں گے کہ اے رب! بتوں کے پجاریوں سے پہلے ہم کو اس میں کیوں ڈالا جارہا ہے؟ تو ان سے کہا جائے گا کہ اہل علم غیر اہل علم کی طرح نہیں ہوسکتے۔ چونکہ انہوں نے علم کے بعد عمل نہیں کیا اس وجہ سے ان کے لئے اتنا ہی سخت عذاب ہوگا۔

بے عمل عالموں کے عذاب کی بد بو سے اہل جہنم پریشان ہوں گے:

منصور بن زاذان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”نُبِّئْتُ أَنَّ بَعْضَ مَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ لَيَتَأَذَّى أَهْلُهَا بِرِيحِهِ فَيُقَالُ لَهُ: وَيْلَكَ مَا كُنْتَ تَعْمَلُ أَمَا يَكْفِينَا مَا نَحْنُ فِيهِ مِنَ الشَّرِّ حَتَّى ابْتُلِينَا بِكَ وَنَتْنِ رَائِحَتِكَ؟ قَالَ: فَيَقُولُ: إِنِّي كُنْتُ عَالِمًا فَلَمِ انْتَفِعْ بِعِلْمِي“

(شعب الایمان: للبیہقی: نشر العلم: ۱۷۵۵)

مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ بعض وہ لوگ جنہیں جہنم میں ڈالا جائے گا ان کی بد بو کی وجہ سے اہل جہنم کو اور بھی زیادہ اذیت ہو گی، تو ان سے کہا جائے گا تیری بربادی ہو، تو دنیا میں کیا کرتا تھا؟ کیا ہم کو وہ برائی کافی نہیں تھی جس میں ہم مبتلا تھے، اب تو آیا تو تیری اور تیری بد بو کی وجہ سے ہم کو اور بھی سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا تو وہ کہے گا کہ میں عالم تھا، اور میں نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا اور عمل نہیں کیا، اس وجہ سے آج یہ عذاب دیا جارہا ہے۔ یہ بے عمل علماء کا انجام ہو گا، ایسی سزائیں انہیں دی جائیں گی جس سے جہنمی بھی پناہ چاہیں گے۔ اس لئے علم کی بھی قدر کرنی چاہیے، علماء کی بھی قدر کرنی چاہیے، اور عالموں کو بھی اپنی فکر کرنی چاہیے، اگر اللہ نے علم کی دولت سے نوازا ہے تو اس کی قدر کریں، اعمال کی فکر کریں، اعمال کی اصلاح کریں، آپس میں بغض وحسد نہ رکھیں، ایک دوسرے کی عزت پر حملے نہ کریں، خدا کا خوف کریں، اپنے علم سے دنیا کو نہ خریدیں، ورنہ آخرت میں اتنا ہی زیادہ پچھتاوا ہو گا، اتنا ہی زیادہ افسوس ہو گا۔ حق تعالیٰ ہم سب کو صحیح علم عطا فرمائے، اور ان فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

مال آل اور عیال کا فتنہ:

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

”مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰہِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ وَأَطِیْعُوا اللّٰہَ وَأَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَإِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَإِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ۔ اَللّٰہُ لَآ إِلٰہَ إِلَّا ھُوَ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ“

کوئی مصیبت بدون حکمِ خدا کے نہیں آتی۔ اور جو شخص اللہ پر (پورا) ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو (صبر ورضا کی) راہ دکھا دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے اور (خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر امر جس میں مصائب بھی داخل ہیں) اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو، اگر تم (اطاعت سے) اعراض کرو گے تو (یاد رکھو کہ) ہمارے رسول (علیہ السلام) کے ذمہ صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود (بننے کے قابل) نہیں۔ اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر (مصائب وغیرہ میں) توکل رکھنا چاہیئے۔

”یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِکُمْ وَأَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ وَإِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَإِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ“

اے ایمان والو! تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے (دین کی) دشمن ہیں۔ سو تم ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کر دو اور درگذر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ (تمہارے گناہوں کا) بخشنے والا ہے (اور تمہارے حال پر) رحم کرنے والا ہے۔

”إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ إِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ“ (التغابن: ۱۵ تا ۱۸)

تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لیے ایک آزمائش کی چیز ہے۔ اور (جو شخص ان میں پڑ کر اللہ کو یاد رکھے تو اللہ کے پاس (اس کے لئے) بڑا اجر ہے۔ تو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام کو) سنو اور مانو اور (بالخصوص مواقع حکم میں) خرچ (بھی) کیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ کو اچھی طرح (یعنی خلوص کے ساتھ) قرض دو گے تو وہ تمہارے لیے بڑھاتا چلا جاوے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا قدر دان ہے (کہ اعمال صالح کو قبول فرماتا ہے اور) بڑا بردبار ہے۔ پوشیدہ اور ظاہر (اعمال) کا جاننے والا ہے (اور) زبردست ہے (اور) حکمت والا ہے۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ“ (الانفال: ۲۷ و ۲۸)

اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسول سے اور خیانت نہ کرو آپس کی امانتوں میں جان کر۔ اور جان لو کہ بیشک تمہارے اموال اور اولاد خرابی میں ڈالنے والے ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ“ (المنافقون: ۹)

اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد اور (اطاعت) سے غافل نہ کرنے پاویں اور جو ایسا کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔

اس سے قبل یہ بات آپ کو بتائی گئی تھی کہ فتنہ کی مختلف شکلیں ہیں، ایک آدمی کی ذات کا فتنہ ہوتا ہے، ایک ملکی فتنہ ہوتا ہے، ایک مذہبی فتنہ ہوتا ہے، اوران چیزوں کے اعتبار

سے فتنہ کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے۔ان فتنوں میں سے ایک فتنہ گھر والوں کا فتنہ ہے، آج ہمارے گھر فتنوں سے بھرے ہوئے ہیں، یہ کس طرح کے ہوتے ہیں، اور ہم اس سے اپنے آپ کو کس طرح بچائیں؟اور حضور پاک ﷺ کی اس میں کیا رہنمائی ہے؟ اس سے متعلق کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔ خطبہ میں جو آیات میں نے پڑھی ہیں ان میں حق تعالیٰ نے تین فتنوں کا ذکر فرمایا ہے:(۱)مال۔(۲)اولاد۔(۳)بیوی۔ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

”مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ وَمَنْ يُؤْمِن بِاللهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ“

کوئی مصیبت بدون حکم خدا کے نہیں آتی، اور جو شخص اللہ پر (پورا) ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو (صبر ورضا کی) راہ دکھادیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تقدیر پر ایمان کا دینی اور دنیوی فائدہ:

دنیا حالات کی جگہ ہے، یہ نہ جنت ہے اور نہ جہنم ہے۔ یہاں کچھ راحت ہے، اور کچھ تکلیف ہے، اور جو بھی تکلیف آتی ہے تو وہ اللہ کے حکم سے آتی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو تکلیف آنے والی ہے وہ ٹل نہیں سکتی اور جو نہیں آنے والی ہے وہ آ نہیں سکتی۔

”مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ“جو تمہیں پہنچا وہ خطا نہیں کر سکتا۔

”وَمَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ“جو خطا کر گیا وہ تم کو پہنچ نہیں سکتا تھا۔

”قُلْ لَّنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ“

آپ فرمادیجئے ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر فرمایا ہے۔ اگر شکست مقدر ہے تو شکست ہو گی اور اگر فتح مقدر ہے تو فتح ہو گی۔ جو تکلیف تقدیر میں لکھی ہے وہ ٹلنے والی نہیں ہے، اور جو تقدیر میں لکھی ہوئی نہیں ہے وہ کبھی آنے والی نہیں ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے۔ اور سب کو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔کیونکہ مولا کو اپنے غلام اور اپنے بندے سے محبت ہوتی ہے، وہ اس کا برا نہیں چاہ سکتا، وہ بندہ کے حق میں خیر ہی چاہتا ہے، لیکن اس کے خیر کے چاہنے کو ہم نہیں جانتے، جیسے اگر آپ کا بچہ اسکول کے وقت میں چاہ رہا ہے کہ اسکول نہ جائے، اور گھر میں خوب بائیسکل چلائے، آپ نے اُس سے بائیسکل چھین لی،

اب اس کو تکلیف ہونے لگی اور وہ رونے لگا، تو کیا اس سے وہ بائیسکل چھیننا اور بچہ کو تکلیف کا ہونا اس کے لئے برا ہے؟ اس کے لئے تکلیف کی بات ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں، باپ چونکہ اپنی اولاد کا مولا ہے، اس کو معلوم ہے کہ بچے سے سائیکل چھیننا بُرا نہیں ہے، بلکہ اس کے حق میں وہی بہتر ہے، بلکہ یہی بیٹا کل کے دن اپنے باپ ہی کو دُعائیں دیگا۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا مسئلہ ہے، وہ بندوں کے حق میں خیر ہی چاہتے ہیں، فتح میں بھی خیر ہوتا ہے اور شکست میں بھی، دیکھنے والے اس کو شکست اور نقصان سمجھتے ہیں، لیکن در حقیقت بندوں کے لئے وہی بہتر ہوتا ہے۔ اس لئے ہم کو تکلیف اور راحت کو اللہ ہی کی طرف سے جان کر اسی میں خیر مان کر اللہ کے اس فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے۔ اس سے مصیبت ہلکی اور آسان ہو جاتی ہے۔

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے بلکہ بزرگوں کا تجربہ بھی ہے کہ جب بندہ پر کوئی تکلیف اور مصیبت آئے، چاہے بیوی بچوں کی طرف سے ہو، یا جاب کی طرف سے ہو، یا مال کی طرف سے، یا گرین کارڈ کی طرف سے ہو، یا شادیوں کی طرف سے، یا کسی اور طرف سے تو اس وقت اس بات کا مراقبہ کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرتے ہیں، اور محبت کرنے والا بدخواہی نہیں کرتا، وہ خیر خواہی ہی کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ حکیم ہیں اور حکیم کا کوئی بھی فعل خیر اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا، ان کے ہر کام میں حکمت اور مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے ضرور اس میں بھی اللہ نے کوئی فائدہ اور خیر رکھا ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ خیر مجھ کو نظر نہیں آرہا ہے، اس کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، اس طرح کا جب بندہ مراقبہ کرتا ہے تو پھر تسلی اور اطمنان حاصل ہو جاتا ہے اور بڑی سے بڑی مصیبت کا برداشت کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ عقیدۂ تقدیر آدمی کی بڑی سے بڑی مصیبت کو تنکا بنا دیتا ہے۔

آزمائش سے کسی کو مفر نہیں:

”وَأَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ“

”اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اور اگر تم اطاعت سے اعراض کروگے تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صاف صاف پہنچا دینا ہے“ نہ ماننے کی صورت میں سزا تم ہی کو بھگتنی

پڑے گی اور اُس کا وبال تم ہی پر آئے گا، اس وقت یہ مت کہنا کہ حالات ایسے تھے، مصائب اور پریشانیوں میں گھرے ہوئے تھے، اس لئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں ہو سکی۔ کیونکہ انسان کی اصل آزمائش مصائب ہی میں ہوتی ہے، اس دنیا میں نعمتوں کے ذریعہ بھی اس کا امتحان لیا جاتا ہے اور مصیبتوں کے ذریعہ بھی، چاہے آدمی کتنا ہی امیر ہو، چاہے کتنی ہی بڑی عزت والا ہو اور چاہے کتنا ہی آرام سے رہتا ہو، ہر طرح اسے آزمایا جائے گا۔ اور دیکھا جائے گا کہ وہ ان حالات میں اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا نہیں، کیوں کہ اطاعت اللہ اور رسول کے سوا کسی کی نہیں کی جاسکتی، اور عبادت سوائے اللہ کے کسی کی نہیں کی جاسکتی اس لئے فرمایا: ”اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ“ اللہ کے سوا کوئی معبود بننے کے قابل ہی نہیں۔ اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر مصائب اور تکالیف میں توکل رکھنا چاہیئے۔

حالات بھی اللہ کی مخلوق ہیں:

اللہ تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ وہ جس کے ساتھ جیسا چاہیں کریں، کیونکہ وہ سب کے خالق، سب کے رب اور سب کے مالک ہیں۔ اور مالک کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے ہاتھ، پاؤں، دل، دماغ، آنکھ اور ناک ہر چیز اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، ہمارے حالات بھی اسی نے بنائے ہیں۔ حالات بھی اسی کی مخلوق ہیں، غربت اور امارت، تندرستی اور بیماری، عزت اور ذلت، خوشی اور غم سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اس لئے ان حالات میں اللہ کی طرف رجوع کر کے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے، اور اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

مال کا فتنہ:

اس کے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک فتنہ مال کا فتنہ ہوتا ہے، کبھی مال لے کر فقیر و مسکین بنا کر آزمایا جاتا ہے، تاکہ صبر کا امتحان ہو سکے، اور کبھی فراوانی اور خوشحالی کے ذریعہ آزمایا جاتا ہے، تاکہ شکر کا امتحان ہو سکے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ“ (سنن ترمذی: ۲۳۳۶)

بے شک ہر امّت کا ایک فتنہ تھا، میری امّت کا فتنہ مال ہے۔

اللہ پاک نے انسان کی فطرت ہی میں مال کی محبت رکھ دی ہے، قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا: "زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ" (آلِ عمران: ۱۴)

لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے فریفتہ کیا ہوا ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی۔ اس لئے انسان ان کی محبت میں دیوانہ بنا پھرتا ہے، اور ان کو حاصل کرنے کے لئے جان توڑ کوشش کرتا ہے، اور جتنا چاہے مال اس کو حاصل ہو جائے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور مزید حاصل کرنے کی تمنا اور کوشش کرتا ہے۔ اور اسی بات کو احادیث میں اللہ کے نبی نے بیان فرمایا ہے:

"لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ ثَالِثٌ وَلَا يَمْلَأُ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ" (سنن ترمذی: ۲۳۳۷) اگر ابنِ آدم کے لئے سونے کی دو وادیاں بھر جائیں تب بھی وہ تیسری وادی کو پسند کرے گا اور اُس کے منہ کو سوائے قبر کی مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

بھوکے بھیڑیئے سے زیادہ فساد کن صفات:

یہ ایسا مذموم وصف ہے کہ حدیث میں اللہ کے نبی نے فرمایا:

"مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ"

(سنن ترمذی: ۲۳۷۶) دو بھوکے بھیڑیئے جب ان کو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے تو وہ اتنا زیادہ فساد نہیں مچاتے جتنا کہ مال کی حرص اور دینی شرف یعنی شہرت کو طلب کرنا نقصان پہنچاتا ہے۔

بوڑھے کی جوان صفات:

جتنا زیادہ انسان بوڑھا ہوتا جاتا ہے اتنا زیادہ اس میں یہ چیز اور یہ خواہش جڑ پکڑتی جاتی ہے اور بڑھتی جاتی ہے:

"یَھْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَیَشُبُّ مِنْہُ اثْنَتَانِ: اَلْحِرْصُ عَلَی الْعُمُرِ وَالْحِرْصُ عَلَی الْمَالِ" (سنن ترمذی: ۲۳۳۹) ابنِ آدم بوڑھا ہو جاتا ہے اور دو چیزیں اُس کی جوان ہو جاتی ہیں: ایک زندگی اور دوسری مال کی حرص۔ اس لئے مال کی محبت اور اس کو کمانے اور خرچ کرنے میں تھوڑا سا محتاط ہونا چاہیے۔

متقی کے لئے غنی نقصان دہ نہیں:

جائز حدود میں رہتے ہوئے اگر کوئی کمائے کھائے اور خرچ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ جیسے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا بَأْسَ بِالْغِنٰی لِمَنْ اتَّقَی اللّٰہَ" (مسند احمد: ۲۳۱۵۸) مالداری میں اُس شخص کے لئے کوئی حرج نہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔

ایسے ہی ارشاد ہے: "إِنَّ ھٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ مَنْ أَخَذَہٗ بِحَقِّہٖ وَوَضَعَہٗ فِي حَقِّہٖ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَةُ" (شعب الایمان: ۱۱۹۱) بے شک یہ مال سرسبز اور میٹھا ہوتا ہے، جو اس کو حق طریقے سے حاصل کر کے حق جگہ پر خرچ کرتا ہے تو یہ اُس کے لئے بہترین معاون اور مددگار ہوتا ہے۔

مال کے فتنہ کی صورتیں:

اگر اس کا بے جا خرچ ہو، یا غلط جگہوں پر استعمال کیا جائے یا مال کے لازمی حقوق مثلاً زکوۃ حج یا مال سے متعلق نذر وصیت اور کفارہ وغیرہ ادا نہ کئے جائیں، یا ان کے علاوہ دوسرے حقوق ادا نہ کئے جائیں، جیسے اس حدیث میں اشارہ ہے: "إِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکَاةِ" (سنن ترمذی: ۶۵۹) بے شک مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے، یا کمانے کے لئے جائز طریقہ اختیار نہ کیا جائے اور حلال اور حرام کی تمیز نہ کی جائے تو پھر اس پر وعیدیں ہیں، اس صورت میں مال آدمی کے لئے فتنہ ہوتا ہے، اور انسان کو ہلاک اور برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

"وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا إِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ" (الاسراء: ۲۷)

اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا (کیوں کہ) بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

اس آیت میں تبذیر سے بچنے کا حکم ہے، اور کہیں اسراف سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اَلَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَکَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا'' (الفرقان:۶۷)

وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔ غرض کہیں اسراف سے بچنے کا حکم ہے تو کہیں تبذیر سے، علماء نے ان دونوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ جائز حدود سے زیادہ خرچ کرنا اسراف کہلاتا ہے، اور بے موقع اور بے محل خرچ کرنا تبذیر کہلاتا ہے۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ معصیت میں مال خرچ نہ کیا جائے، خواہ وہ معصیت بالذات ہو جیسے شراب، زنا، سود وغیرہ، یا وہ فعل معصیت تو نہ ہو لیکن معصیت بن جائے، جیسے کوئی مال جائز جگہوں میں تو خرچ کرے، لیکن نیت شہرت اور فخر کی ہو۔ یہ مال کے فتنہ سے متعلق چند باتیں عرض کی گئیں ہیں، ان سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

آل واولاد کا فتنہ:

ان آیات میں ایک فتنہ آل اور اولاد کا فتنہ بتایا گیا ہے، جس کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ وَاَوۡلَادِکُمۡ عَدُوًّا لَّکُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُمۡ وَاِنۡ تَعۡفُوۡا وَتَصۡفَحُوۡا وَتَغۡفِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ''

اے ایمان والو! تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے (دین کی) دشمن ہیں۔ سو تم ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کر دو اور درگذر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ (تمہارے گناہوں کا) بخشنے والا ہے (اور تمہارے حال پر) رحم کرنے والا ہے۔

آیت کا شانِ نزول:

یہ آیت کریمہ اگرچہ ایک خاص واقعہ کے تحت نازل ہوئی، لیکن خطاب سب کو عام ہے، بہت سی آیات اگرچہ اپنے مورد کے اعتبار سے خاص ہوتی ہیں، لیکن معنی کے اعتبار سے

عام ہوتی ہیں۔ مورد کے اعتبار سے خاص کا مطلب یہ ہے کہ وہ نازل تو کسی خاص واقعے کے تحت ہوتی ہیں، لیکن ان کا حکم سب کو عام ہوتا ہے، جس کے لئے یا جس پس منظر میں نازل کی گئیں ہیں صرف اس وقت یا اس واقعہ کے لئے نہیں ہوتیں۔ مفسرین نے اس آیت سے متعلق دو واقعات بیان کئے ہیں۔ ایک واقعہ تو یہ ہے کہ بعض لوگ مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوگئے تھے، اور یہ وہ وقت تھا جب اہل مکہ پر ہجرت فرض تھی، سب کچھ چھوڑ کر مدینہ منورہ جانے کا حکم تھا، جائیداد، تجارت، مکان، بیوی، بچے، پیسے اگر ساتھ لے جاسکتے ہیں تو لے جانے کا حکم تھا، اور اگر ساتھ نہیں لے جاسکتے ہیں تو انہیں چھوڑ کر ہجرت کا حکم تھا، اللہ اکبر کس قدر بڑا امتحان تھا! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی سخت آزمائشوں میں انہیں مبتلا کیا، اور وہ اس میں بالکل کھرے اترے، ہم جیسے ضعفاء اور کمزوروں کے لیے بہت مشکل چیز تھی۔ بہت سے لوگ تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہم زمانۂ نبوت میں ہوتے، واقعۃً اگر ہم حضور کے زمانے میں ہوتے تو پتہ نہیں کون سی صف میں کھڑے ہوتے، کیونکہ ان حالات میں صحابہ کے ساتھ کھڑے ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ان امتحان اور آزمائشوں کا تحمل ہم سے نہیں ہوپاتا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں بعد میں پیدا کر کے بچالیا، یہ بھی اُن کی مہربانی ہے۔ غرض جب ہجرت کا حکم ہوا تو کچھ لوگ ہجرت کرنا چاہتے تھے لیکن ان کے بیوی بچے رکاوٹ بن رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے: صَبَرْنَا عَلٰی إِسْلَامِکُمْ فَلَا نَصْبِرُ عَلٰی فِرَاقِکُمْ (تفسیر بغوی: ۱۴۲/۸) ہم نے تمہارے اسلام لانے پر تو صبر کرلیا، لیکن تمہارے فراق پر صبر نہیں کرپائیں گے، ہمیں چھوڑ کر مت جاؤ۔ (تفسیرِ قرطبی: ۱۲۵/۱۸)

انسان کے دو سب سے بڑے دشمن:

اُس وقت اللہ پاک نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ۔ اے ایمان والو! تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے (دین کی) دشمن ہیں۔ سو تم ان سے ہوشیار رہو۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"وَامْرَأَتُکَ الَّتِي تُضَاجِعُکَ عَلٰی فِرَاشِکَ وَوَلَدُکَ الَّذِیْ مِنْ صُلْبِکَ فَھٰؤُلَاءِ أَعْدٰی عَدُوٍّ هُوَ لَکَ" (کنز العمال: الباب السادس: في أحکام القتلی، الجهاد الأکبر من الإکمال، ۱۱۲۶۴)

اور تمہاری وہ بیوی جو تمہارے بستر پر تمہارے پہلو میں لیٹتی ہے اور تمہاری صلبی اولاد یہ تمہارے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

بیوی بچوں کی محبت احکامِ الٰہی میں رکاوٹ بن جائے تو دشمنی ہے:

اس آیت میں اللہ پاک نے بتادیا کہ بیوی بچوں کی اس محبت کا کوئی اعتبار نہیں ہے جو حکم خداوندی کی تعمیل میں آڑے آئے، بلکہ ان کی وہ محبت محبت نہیں بلکہ دشمنی ہے، کیونکہ ان کی وہ محبت اللہ کے حکم کی تعمیل میں رکاوٹ بن رہی ہے، اس سے پتہ چلا کہ ہر محبت کا اعتبار نہیں ہے، جیسے ہر دُشمنی کا اعتبار نہیں ہوتا، لوگ کہتے ہیں کہ پوری مخلوق سے محبت کرو اور ہر حالت میں محبت کرو، کیسے کریں؟ جب کہ ہم کسی چیز میں بھی مختار نہیں ہیں، محبت اور نفرت میں بھی مختار نہیں ہیں، بیوی سے اللہ کی خاطر محبت کا حکم ہے اور اللہ ہی کی خاطر بچوں سے محبت کا حکم ہے۔ اگر یہی لوگ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں تو پھر یہ محبت نہیں ہے بلکہ تمہارے لئے فتنہ ہیں۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ اشجعی کا واقعہ:

مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں دوسرا واقعہ حضرت عوف ابن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے، ان کا واقعہ یہ تھا کہ جب یہ جہاد میں شرکت کرنا چاہتے تھے تو ان کے بیوی بچے رونے لگتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے: إِلٰی مَنْ تَدَعُنَا کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جارہے ہو؟ اُن کا دل نرم پڑجاتا اور وہ اپنے بیوی بچوں کے رونے کو برداشت نہیں کرتے تھے اور جہاد میں شرکت سے رہ جاتے۔ (تفسیر بغوی: ۱۴۳/۸۔ تفسیرِ قرطبی: ۱۲۵/۱۸)

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تمہاری بیوی اور بچے تمہارے دُشمن ہیں، کیونکہ جو بیوی بچے تم کو دین کے تقاضے پورا کرنے نہیں دے رہے ہیں وہ تمہارے دوست کیسے ہوسکتے ہیں؟ بلکہ بیوی بچوں کو دین کے تقاضوں میں ساتھ دینا چاہیے اور تعاون کرنا چاہیے۔

شوہر بھی فتنہ ہوتے ہیں:

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ صرف بیوی اور بچوں کے لئے یہ بات نہیں ہے کہ وہ فتنہ، آزمائش اور دشمن ہیں، بلکہ شوہر بھی اسی میں شامل ہے، بعض ظالم شوہر خود ایسے ہوتے ہیں جو بیویوں کو دین پر چلنے سے روکتے ہیں، بلکہ خلاف شرع کاموں کا حکم دیتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ بیویوں کو حکم ہے کہ وہ ایسے شوہروں سے بچ کر اور محتاط ہو کر رہیں، اس وقت حکمِ خدا کو دیکھیں، شوہروں کے حکم کو نہیں۔ (اللباب: ۵ ۱ /۲ ۱ ۳)

اہل وعیال کی غلطیوں سے در گزر کریں:

جب یہ آیت اُتری تو حضرت عوف ابن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ مکہ چھوڑ کر چلے گئے، اور مدینہ منورہ پہنچ کر دیکھا کہ مکہ کے دوسرے صحابہ علم وغیرہ میں کافی آگے نکل گئے ہیں تو اِن کو بڑا غم ہوا، اور اپنے بیوی بچوں پر غصہ آیا کہ اِن لوگوں نے ہمارا راستہ روکا، ورنہ ہم بھی دین میں کچھ اور آگے بڑھ چکے ہوتے، اس غصہ کی وجہ سے اُنہیں سزا دینے کا ارادہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں! وَإِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اگر تم ان کو معاف کردو، اور ان سے در گزر کردو اور ان کو بخش دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

ایک نکتہ:

اوپر والی آیت میں اللہ پاک نے ”من ازواجکم“ فرمایا، یعنی لفظِ ”مِنْ“ ارشاد فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری بیویوں میں سے بعض اور تمہارے بچوں میں سے بعض تمہارے دُشمن ہیں۔ مفسرین نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ہر بیوی اور ہر بچے کا دُشمن ہونا ضروری نہیں ہے، کچھ لوگوں کی بیویاں اور ان کے بچے دشمن نہیں ہوتے، بلکہ ان کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔

لیکن آگے والی آیت میں ”مِنْ“ نہیں فرمایا، بلکہ کہا: ”إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ“ بے شک تمہاری اولاد اور تمہارا مال فتنہ اور آزمائش ہے، یہاں بعض کے لئے آزمائش نہیں کہا، کیونکہ یہ ہر ایک کے لئے فتنہ اور آزمائش ہیں، ہر ایک کی بیوی اور ہر ایک کا بچہ اور ہر ایک کا

مال اُس آدمی کے لیے آزمائش ہے، یہ عام چیز ہے کیونکہ دُشمن ہونا الگ چیز ہے اور آزمائش کا ہونا الگ چیز ہے، یہاں پر آزمائش کا مطلب یہ ہے کہ دینی اور دنیوی اعتبار سے یہ تمہارے لیے آزمائش ہیں، انہیں دے کر اللہ پاک تم کو آزماتے ہیں، کہ تم ان کے ساتھ رہ کر اللہ کو یاد کرتے ہو یا نہیں، یہ تمہارے اللہ سے غافل بننے کا سبب بنتے ہیں یا نہیں، تم ان کی خاطر اللہ کی کتنی رعایت کرتے ہو اور اللہ کی خاطر ان کی کتنی رعایت کرتے ہو؟ ان کا لحاظ کر کے اللہ کے احکام کو کتنا توڑتے ہو؟ اور ان کا لحاظ کیے بغیر کتنا اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کو پورا کرتے ہو۔ ظاہر ہے اس میں آدمی کو جذبات قربان کرنے پڑتے ہیں، نفس کو دبانا پڑتا ہے، بیوی بچوں کی خواہشات چھوڑنی پڑتی ہیں، بلکہ بعض دفعہ ان کی مخالفت کرنی پڑتی ہے، اس لئے آگے اللہ نے تسلی دی: وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس بڑا ثواب ہے۔ بیوی بچوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اگر تم کو کوئی دُشواری اور مشقت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

اہل وعیال کے فتنہ کی تین صورتیں:

علماء نے لکھا ہے کہ مال اور اولاد کے فتنہ کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) فتنہ کا ایک معنیٰ امتحان اور آزمائش کے ہیں۔ (۲) ایک معنیٰ سبب عذاب کے آتے ہیں۔ (۳) اور ایک عذاب کے۔ اور یہاں یہ تینوں معنیٰ لینا صحیح ہے۔

اہل وعیال کی آزمائش کی پہلی صورت:

امتحان اور آزمائش کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کو بیوی، بچے اور مال بطورِ نعمت عطا کر کے آزماتے ہیں کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، وہ ان نعمتوں کو لے کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یا نافرمانی؟ ان کے حقوق ادا کرتا ہے یا نہیں۔

بیوی بچوں کی قدر کریں:

آدمی کے ذہن میں یہ بات ہی نہیں رہتی کہ بیوی بچے اللہ کی نعمت ہیں اور مجھے ان سے تعلقات قائم کرتے ہوئے اللہ کو راضی رکھنا ہے، اور ان نعمتوں کی قدر کرنا چاہیے۔ آدمی یہ سوچتا ہے کہ بیوی بچے میرے ہیں، اس لئے میں ان کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کروں، اس

لئے وہ ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کرتا ہے، ناانصافی کرتا ہے، ان کے حق تعالیٰ کی جانب سے نعمت ہونے کا دھیان دل میں نہیں رکھتا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، اور نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا حکم ہے، "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" اگر تم شکر کروگے تو میں نعمتوں میں اوراضافہ کروں گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیوی پر شکر کروگے تو ایک کے بجائے دو ہو جائیں گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے لیے باعثِ رحمت بن جائے گی۔ بیوی بچے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہیں اور اگر ان نعمتوں کی قدر دانی کی جائے اور رب کی مرضی کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کیا جائے تو وہ دنیا میں آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں گے اور آخرت میں رب ذوالجلال کی رضامل جائے گی۔

اہل وعیال کی قدر کا مطلب:

ان کی قدر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے ذمہ میں بیوی بچوں کے جو حقوق ہیں ان کو ادا کرے، اس میں بھی آدمی کی آزمائش ہوتی ہے، بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا شریعت کا ایک حکم ہے، اللہ پاک اس طرح بھی آزماتے ہیں کہ وہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر بھاگتا ہے یا اللہ کے حکم کے مطابق ان کے حقوق ادا کرتا ہے، ہم نے کتنے ہی لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، ان کے حقوق ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں، اور اُن کو پالنے سے گھبرا جاتے ہیں، ابھی ڈاکٹر صاحب (خلیفۂ مسیح الامت حضرت تنویر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو اپنے علاقے کا ایک قصہ سنا رہا تھا، ایک غریب خاتون ہے، کام کرنے کے لئے گھر پر آتی ہے، اُس کا شوہر اُس کے پاس رہتا ہی نہیں ہے، پندرہ پندرہ دن اور مہینہ، مہینہ گھر پر نہیں آتا۔ نہ بیوی کی خبر رکھتا ہے اور نہ بچوں کی خبر رکھتا ہے۔ جب مہینہ کے بعد گھر پر آتا ہے تو بیوی محنت کر کے جو پیسے جمع کرتی ہے، وہ پیسے لے کر چلا جاتا ہے۔

رہبانیت اور نفسانیت دونوں سے بچیں:

ایسے بھی کچھ ظالم مزاج ہوتے ہیں، اللہ پاک اس اعتبار سے بھی آزماتے ہیں کہ تم ان کے حقوق ادا کرتے ہو یا نہیں، کیونکہ اسلام میں نہ رہبانیت سکھائی گئی، اور نہ نفسانیت، نفسانیت سے بھی بچنے کا حکم ہے، اور رہبانیت سے بھی بچنے کا حکم ہے۔ لوگوں کے حقوق سے

کنارہ کشی کر کے صرف حقوق اللہ ہی میں مشغول ہو جائیں یہ رہبانیت ہے، اور ان پر ظلم وزیادتی کرنا نفسانیت ہے، اسلام میں اس کی گنجائش نہیں، اسلام میں سب کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم ہے، بیوی کا حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ بچوں کا حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، رشتہ داروں کا حق اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر ہے، ان کے حقوق ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ اگرچہ اطاعتِ الٰہی میں رکاوٹ بنتے ہیں یا ان کی وجہ سے رکاوٹیں پیش آتی ہیں، لیکن ان کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ ادا کرنا اصل ہے، اور بڑی فضیلت کی بات ہے۔

خواب کی حیثیت:

کسی بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب ان کا وصال ہو گیا تو کسی نے اُن کو خواب میں دیکھا، بزرگوں کو خواب میں دیکھنا اور بزرگوں سے خواب میں بات کا ہونا اور اُس کو ذکر کر کے دینی علوم میں تائید حاصل کرنا خلاف شرع نہیں ہے، حضور پاک ﷺ خود خواب کی تعبیر بیان فرماتے تھے اور فجر کی نماز کے بعد آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ صحابہ سے دریافت فرماتے کہ کسی نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ اور اگر آپ خود خواب دیکھتے تو وہ بیان فرماتے، اور صحابہ میں سے اگر کوئی خواب ذکر کرتے تو آپ اس کی تعبیر بیان فرماتے، محدثین نے احادیث کی کتابوں میں خوابوں سے متعلق "کتاب الرؤیا" کے عنوان مستقل ابواب قائم کئے ہیں، اس میں خواب، اس کی تعبیر، اس کی اقسام اور اس کے احکام بیان کئے ہیں، انبیاء کے خواب تو حجت ہوتے ہیں، لیکن انبیاء کے علاوہ دیگر لوگوں کے خواب شرعی حجت تو نہیں ہوتے، ہاں ان سے رہنمائی لی جاسکتی ہے، اور ان کو بطورِ تائید اور بطور عبرت و نصیحت ذکر کیا جاسکتا ہے، اور قبول کیا جاسکتا ہے۔ (صحیح بخاری: باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح، ۷۰۴۷)

عبادات کے لئے رکاوٹوں کو جھیلنے کا اجر:

غرض کسی نے کسی بزرگ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا اکرم فرمایا اور مجھے بخش دیا۔ پوچھا کہ کس سبب سے مغفرت ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس جو معرفت اور بزرگی تھی وہ تو کام نہیں آئی، البتہ اللہ پاک کو ہماری دو رکعت پسند آئی جو ہم آخری رات میں پڑھا کرتے تھے، اسی کی بنیاد پر ہماری مغفرت کر دی

گئی، اُس کے بعد فرمایا کہ ہم تو تنہا تھے، ہمارے ساتھ دنیا کے کوئی مسائل نہیں تھے، مگر جو ہمارا پڑوسی تھا اُسے ہم سے بڑا مرتبہ مل گیا، اس نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ فرمایا کہ وہ پڑوسی فرائض و واجبات پر اکتفا کرتا تھا اور بیوی بچوں کے پالنے میں اُلجھا ہوا تھا، اللہ کا ڈر اس کے اندر تھا، تمنا کیا کرتا تھا کہ اگر مجھے فرصت ملے تو میں بھی ان بزرگ کی طرح ذکر و فکر کروں، کچھ عبادت و ریاضت اور مجاہدہ کروں، لیکن اُس کو یہ سب کچھ کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، اسی تمنا کے ساتھ اُس کا انتقال ہو گیا، اُس کا بیوی بچوں کے حقوق کے ساتھ دین پر چلنے کا مجاہدہ اور بیوی بچوں کی پرورش کے ساتھ دین کی پیروی کرنے کے مجاہدے نے اُس کے رُتبے کو اتنا بڑھا دیا کہ اس کا درجہ ہم سے بھی بڑھ گیا۔

اولاد کی آزمائش کی دوسری صورت:

دوسری صورت آزمائش کی اس طرح ہوتی ہے کہ آدمی اپنے جائز یا ناجائز تقاضوں اور مطالبات کی تکمیل کے لئے للہ کی فرمانبرداری کرتا ہے یا نافرمانی یہ دیکھا جاتا ہے، ان کی وجہ سے کہیں وہ خدا سے غافل تو نہیں ہو رہا ہے، کہیں وہ اللہ کو تو نہیں بھول رہا ہے اور کیا ان کی وجہ سے احکامِ الٰہی پر عمل کرنے میں غفلت تو نہیں ہو رہی ہے؟ کہیں ان کے مطالبات یا ضرورتوں کی وجہ سے سودی معاملہ تو نہیں کر رہا ہے، کسی کو جھوٹ اور دھوکہ دے کر مال تو نہیں حاصل کر رہا ہے، کہیں مال کمانے میں بے احتیاطی تو نہیں ہو رہی ہے؟ اسے جائز اور ناجائز طریقے حلال اور حرام کی تمیز ہے یا نہیں؟ کیونکہ فطری طور پر انسان مال کی طرح اولاد کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے اُن کی جائز و ناجائز خواہشات کی تکمیل میں اپنی زندگی گزار دیتا ہے، اگر وہ اللہ سے اور رسول سے اور ان کی تعلیمات سے غفلت کا سبب بنے رہیں تو پھر یہ غفلت نہیں بلکہ عذاب کا سبب بن رہے ہیں، پھر اس صورت میں وعید ہے۔

اہل و عیال نیکیاں کھالیں گے:

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بعض لوگوں کے لئے جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا تو لوگ ان کو دیکھ کر کہیں گے: ”ھٰذَا عِیَالُہٗ اَکَلُوْا حَسَنَاتِہٖ“ (مسند ابن الجعد: ۱۹۰۷) یہ اس کے اہل و عیال ہیں جنہوں نے اس کی نیکیوں کو کھالیا۔

اولاد غم، بزدلی، جہالت اور بخل کا سبب ہوتی ہے:

ایسے ہی ایک حدیث میں فرمایا:

”اَلْوَلَدُ مَحْزَنَةٌ مَجْبَنَةٌ مَجْهَلَةٌ مَبْخَلَةٌ“ (المعجم الکبیر: ۲۴/۲۴۱ و مسند احمد: ۱۵۴۶۲)

بے شک اولاد غم و حزن، بزدلی، اور جہالت اور بخل کا سبب ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنے کسی نواسے کو لے کر باہر تشریف لائے اور فرمایا:

”إِنَّكُمْ لَتُبَخِّلُوْنَ وَتُجَبِّنُوْنَ وَتُجَهِّلُوْنَ وَإِنَّكُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللّٰهِ“(سنن ترمذی: کتاب البر والصلة: ۱۹۱۰)

تم بخیل بناتے ہو، بزدل بناتے ہو، جاہل بناتے ہو، اور تم ہی اللہ کی رحمت اور رزق میں سے ہو اور راحت کا باعث ہو۔

یعنی اولاد کی جانب سے انسان کو فکریں، اندیشے اور مختلف قسم کے خدشات و واقعات غمگیں بنا کر رکھ دیتے ہیں، اِسی طرح بعض اوقات اولاد کے لئے کسبِ معاش کی مصروفیتوں میں لگ کر انسان علمِ ضروری کے حصول سے بھی غافل رہ جاتا ہے۔ ایسے اولاد کی محبت میں انسان جہاد میں جانے سے گریز کرتا ہے کہ اگر میں مر گیا تو میرے بچوں کا کیا ہو گا، اِسی طرح انسان اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے میں پس و پیش ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ میں اپنی اولاد کی ضروریات اور زیادہ پوری کر سکوں گا۔

بیہقیِ وقت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ محدثِ زمانہ مفسرِ قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کے فتنہ اور آزمائش کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو ان کے حقوق ہیں اور ایک طرف اللہ کے حقوق، تو کیا ان کے حقوق ادا کرتے ہوئے بندہ اللہ کے حقوق ادا کرتا ہے یا نہیں، اس میں اس کا امتحان لیا جاتا ہے، اس اعتبار سے اس کو آزمائش کہا گیا، جو شخص حقوق العباد کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ ادا کرتا ہے تو اس کا درجہ اللہ کے ہاں بڑا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ابرار کے درجہ پر پہنچا دیتے ہیں، اور اس کا درجہ ان کے مقابلہ میں بڑھا ہوا ہوتا ہے جن کے ساتھ لوگوں کے حقوق متعلق نہ ہوں، اور لوگوں کی تکالیف کا

انہیں سامنا نہ کرنا پڑتا ہو، اور جو بندہ محض ان کے حقوق کو ادا کرنے میں لگا رہتا ہے اور اللہ کی اطاعت سے غافل ہوجاتا ہے تو اس کا درجہ پھر اسفل السافلین میں ہوتا ہے۔(تفسیرِ مظہری: ۱/۶۵۸۴)

انسان کو فرشتوں سے برتری کیوں؟

چونکہ بیوی بچوں کے حقوق اور ان سے تعلقات احکامِ الٰہی بجالانے میں رکاوٹ بنتے ہیں، اس وجہ سے ان کا اجر بھی بڑھا ہوا ہے، انسان کو فرشتوں سے جو برتری حاصل ہے اُس کی وجہ یہی ہے کہ فرشتوں کے لیے اللہ پاک کی اطاعت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اُن میں وہ طاقت ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کر سکیں، یا اللہ کی اطاعت میں انہیں کوئی چیز حارج بن جائے۔ بس اللہ تعالیٰ نے ان میں اطاعت ہی کی قوت دی ہے وہ اطاعت کر رہے ہیں۔ نافرمانی کا انہیں کوئی اختیار نہیں، انسانوں میں دونوں اختیار ہیں، اطاعت کا بھی اور نافرمانی کا بھی، جب وہ نافرمانی کو چھوڑ کر اطاعت اختیار کرتا ہے تو پھر اس کو فرشتوں سے بھی برتری حاصل ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام مقرب فرشتوں سے بھی افضل ہوتے ہیں:

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر متقی انسان کو مطلقاً فرشتوں پر برتری حاصل ہے، اس میں بھی کچھ تفصیل ہے، اس کو ذہن میں رکھنا چاہیے، محققین کا کہنا ہے کہ انبیاء کرام اخص الخاص اور مقرب فرشتوں سے بھی افضل ہوتے ہیں۔ اور صلحاء اور اتقیاء عام فرشتوں سے افضل ہوتے ہیں۔ عام صلحاء خاص فرشتوں سے افضل نہیں ہیں، کیونکہ ان فرشتوں کا بھی بڑا مقام ہے۔(تفسیر مظہری: ۱/۶۵۸۴) جب عام انبیاء کے بارے میں یہ حکم ہے تو پھر امام الانبیاء کا کیا کہنا! کیونکہ نبیوں کا تقویٰ و پرہیز گاری اور اطاعت اور حق تعالیٰ کی بندگی رکاوٹوں کے ساتھ اور مصائب کے ساتھ ہوتی ہے، بڑے بڑے مصائب ان کو پیش آتے ہیں۔ جبکہ فرشتوں کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ حضرت جبرئیل اور حضرت میکائل کو اللہ تعالیٰ کی بات ماننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، ایسے ہی عام مؤمنین اور متقین عام فرشتوں سے افضل

ہوتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کی بندگی میں بھی رکاوٹیں اور مصائب پیش آتے رہتے ہیں، ان پر صبر کرتے ہوئے اور ان کو جھیلتے ہوئے عبادت کرنے سے اللہ پاک ان کو بھی فوقیت عطا فرماتے ہیں، لیکن یہ فوقیت عام فرشتوں پر فوقیت ہوتی ہے۔

آزمائش کی تیسری صورت:

تیسری صورت یہ ہے کہ کبھی بیوی بچے آدمی کے لئے وبالِ جان اور تکلیف دہ بن جاتے ہیں، اس سے لڑتے ہیں، جھگڑتے ہیں، مارتے ہیں، اُس پر غصہ ہوتے ہیں، مال و دولت چھین لیتے ہیں، بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہیں، ایسی صورت میں اولاد اپنے ماں باپ کے لئے بیوی شوہر کے لئے بڑی تکلیف اور عذاب سے کم نہیں ہوتی۔ پہلے ماں باپ کے سامنے اولاد کے غصے کا تصور بھی نہیں ہوتا تھا، شادی کے بعد بھی ماں باپ کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، بیٹا ان کی ڈانٹ سن کر بھی خوشی خوشی گوارا کرلیتا تھا کہ یہ ہمارے ماں باپ ہیں، اُن کو ایسا کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ آج کل کا حال سنایا نہیں جاسکتا، ان کی حالت زبان پر لانے میں رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور یہ قیامت کی علامت ہے کہ اولاد اپنے ماں باپ کی نافرمان ہوجائے گی، ماں کے مقابلے میں بیوی اور باپ کے مقابلہ میں دوستوں کو عزت اور اہمیت دی جائے گی۔

بیوی سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

اس موقع پر مجھے ایک بات یاد آئی، حیدرآباد کے ایک اخبار میں ایک صاحب نے علامہ اقبال کے ایک مصرعہ میں ترمیم کرکے اسے اپنے مضمون کا عنوان بنایا تھا، مجھے وہ بہت پسند آیا، علامہ اقبال کا شعر ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے اور نہ ناری

اُن صاحب نے گھریلو زندگی پر مضمون لکھا اور اُس کے عنوان میں عمل کے بجائے بیوی کی ترمیم کی۔ مضمون یہ تھا کہ دنیا کی زندگی گھریلو حالات کی وجہ سے جنت اور جہنم بنتی ہے۔

اگر بیوی اچھی مل جائے، نیک صالح اور فرمانبر دار ہے تو گھر جنت کا نمونہ ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ وبالِ جان ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ فرمارہے ہیں کہ بیوی بچے تمہارے لیے فتنہ اور آزمائش ہیں، تمہارے لئے دنیا میں تکلیف دہ بن جاتے ہیں یا آخرت میں عذاب کا سبب بن جاتے ہیں، اس لئے تم ان کے ساتھ دیکھ سمجھ کر رہنا۔ سورۂ انفال میں حق تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (الانفال:۲۷و۲۸)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا قصہ:

ان آیات کا پس منظر بھی شریعت کے مقابلہ میں مال واولاد کی رعایت اوران کی پرواہ کرنے سے متعلق ہے، اکثر مفسرین کے بقول یہ آیات حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں، اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے واپس لوٹے تو حضرت جبرئیل وحی لے کر اترے کہ ابھی ہتھیار رکھنا نہیں ہے، بنو قریظہ جانا ہے، کیونکہ ان لوگوں نے عہد شکنی کی، اور آپ سے کئے گئے معاہدہ کو توڑ ڈالا، اور پس پردہ آپ کے خلاف بغاوت کی، اس لئے حکم الٰہی یہ ہے کہ ان کی طرف رخ کیا جائے اور انہیں ان کے کئے کی سزا دی جائے، آپ نے اُن کی طرف رخ کیا، اور ان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا، اور ۲۵ دن تک ان کا محاصرہ جاری رہا، اس کے بعد یہودیوں نے تنگ آکر مصالحت کی پیشکش کی۔ جب مصالحت کی پیشکش کی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تمہارے ساتھ مصالحت نہیں کر سکتے جب تک کہ تم سعد ابن معاذ کے فیصلے کے لئے راضی نہ ہو جاؤ، انہوں نے کہا کہ ابولبابہ کو ان کے بدلہ مقرر کیا جائے، کیونکہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال اور ان کا مال وہیں تھا، ان سے ان کو نرمی کی امید تھی، جب وہ آئے تو ان میں سے کچھ لوگ، کچھ عورتیں اور بچے آپ کے پاس آئے، اور رونے لگے، اور پوچھنے لگے کہ اگر ہم محمد کا فیصلہ مان لیں گے تو کیا ہو گا؟ انہوں نے اپنے ہاتھ سے گلے کی طرف اشارہ کیا، اور اشارہ کی زبان میں کہہ دیا کہ حضور تمہارا قتل کر دیں گے، جب انہوں نے بتادیا تو ان کو افسوس ہوا کہ میں نے حضور کا ایک راز ان کے سامنے

فاش کر دیا، چنانچہ اسی افسوس میں وہ وہاں سے نکلے اور مسجد نبوی جا کر اس کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا، اور کہا: "لَا أَبْرَحُ مَكَانِيْ هٰذَا حَتّٰى يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَي مِمَّا صَنَعْتُ" میں اپنی اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اس کئے ہوئے عمل کی توبہ قبول نہ فرمالیں، اور یہ صحابہ کی خصوصیت تھی کہ جب اُن سے کوئی غلطی ہو جاتی تو وہ فوراً اس پر نادم ہوتے، اللہ کی طرف رجوع کرتے، اور توبہ کرتے، اور کسی کی توبہ کے بعد ہم کو اسے تنقید کا نشانہ بنانا یا اس کی ذات پر کیچڑ اچھالنا جائز نہیں ہے تو صحابہ کی مقدس ہستیوں کے بارے میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، ان کے بارے میں ایسی باتوں کے بارے میں لب کشائی بغض و نفاق کی علامت ہے، جب حضور اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "أَمَّا لَوْ جَاءَنِيْ لَاسْتَغْفَرْتُ لَهٗ" کہ اگر وہ پہلے میرے پاس آجاتا تو میں اُس کے لیے استغفار کرتا، اب جب اُس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا ہے تو اب اللہ ہی اُس کا فیصلہ کرے گا، وہ بھوک اور پیاس کی حالت میں اسی طرح بندھے ہوئے تھے، نماز اور استنجاء کے وقت ان کی بیوی اُن کو کھول دیتیں، اور بعد میں باندھ دیتیں۔ کھانا ترک کر دیا تھا، غشی سے بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ میرے لیے کوئی فیصلہ نہ کریں تو میں اسی حالت میں رہوں گا، سات یا نو دن تک اپنے آپ کو باندھے رکھا، آخر حق تعالیٰ شانہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں، اور فرمایا کہ اس طرح خیانت مت کرو، تمہارے بیوی بچے تمہارے لیے آزمائش ہیں، اللہ کے معاملے میں اُن کی کوئی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ (تفسیر بغوی: ۳۴۸/۳۔ تفسیر ابن کثیر: ۴۱/۴۔ التحریر والتنویر: ۳۲۱/۹۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: ۱۳۶۱)

آدمی کی ہلاکت اہلِ خانہ کے ذریعہ ہوگی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے:

"يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَسْلَمُ لِذِيْ دِيْنٍ دِيْنُهٗ إِلَّا مَنْ هَرَبَ بِدِيْنِهٖ مِنْ شَاهِقٍ إِلٰى شَاهِقٍ، وَمِنْ جُحْرٍ إِلٰى جُحْرٍ، فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ الزَّمَانُ لَمْ تَنَلِ الْمَعِيْشَةُ إِلَّا بِسَخَطِ اللّٰهِ فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ كَذٰلِكَ كَانَ هَلَاكُ الرَّجُلِ عَلٰى يَدَيْ زَوْجَتِهٖ وَوَلَدِهٖ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ زَوْجَةٌ وَلَا وَلَدٌ كَانَ هَلَاكُهٗ عَلٰى يَدَيْ

أَبَوَيْهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَبَوَانِ كَانَ هَلَاكُهُ عَلَى يَدَيْ قَرَابَتِهِ أَوِ الْجِيرَانِ قَالُوا: كَيْفَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: يُعَيِّرُونَهُ بِضِيقِ الْمَعِيشَةِ فَعِنْدَ ذَلِكَ يُورِدُ نَفْسَهُ الْمَوَارِدَ الَّتِي تَهْلِكُ فِيهَا نَفْسُهُ" (الزهد للبيهقي: ٤٤٦)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ کسی دین والے کا دین محفوظ نہیں رہے گا مگر یہ کہ وہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ تک، یا ایک گوشہ سے لے کر دوسرے گوشہ تک بھاگے گا، اسے گھریلو زندگی سے ہاتھ اُٹھانا پڑے گا، اور سب سے کنارہ کشی کرنی پڑے گی، اور پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر اللہ کی عبادت کرنی پڑے گی، اور وہ زمانہ ایسا ہو گا کہ معیشت حاصل نہیں ہو گی مگر اللہ کی ناراضگی اور معصیت کے ذریعہ، اور جب وہ زمانہ آئے گا تو آدمی کی ہلاکت اس کی بیوی اور اس کی اولاد کے ہاتھوں ہو گی، اگر اس کی بیوی اور اولاد نہ ہو تو اس کی ہلاکت اس کے والدین کے ذریعہ ہو گی، اگر اس کے والدین بھی نہ ہوں تو اس کی ہلاکت اس کے رشتہ دار اور اس کے پڑوسیوں کے ذریعہ ہو گی۔

معیشت کا حصول بغیر معصیت کے نہیں ہو گا:

صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ کیسے ہو گا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ اس کو فقر اور معیشت کی تنگی سے عار دلائیں گے، اور وہ اس وقت ان کی خواہشات اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے آپ کو ان راستوں پر ڈال دے گا اور ایسے طریقے سے مال کمائے گا کہ جس میں اس کی ہلاکت ہو جائے گی۔ اللہ کی معصیت اور ناراضگی کے بغیر کمائی مشکل ہو گی، جائز اور ناجائز کی فکر نہیں کرے گا، حلال اور حرام کی تمیز نہیں کرے گا، جس طریقے سے ہو مال حاصل کرے گا اور حرام میں پڑ کر ہلاک ہو جائے گا۔

اہل وعیال اور پڑوسی دین کے لئے رکاوٹ بن جائیں گے:

ایسے ہی ایک حدیث میں ہے: "فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالأَمْرُ وَالنَّهْيُ" (صحیح بخاری: کتاب الفتن: باب الفتنة التي تموج كموج البحر، ۲۶۸۳)

آدمی اپنے گھر، مال، اولاد اور پڑوسی کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو گا، یہاں تک کہ ان کی وجہ سے نماز، صدقہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گا۔ یہ احادیث اپنے مفہوم کے اعتبار سے بہت تفصیل طلب ہیں، لیکن ماشاء اللہ! آپ لوگ سمجھ دار ہیں صرف اس کو سمجھنے کے لئے اس کا ترجمہ بھی کافی ہے، زیادہ تفصیل کے بغیر بھی بات سمجھ میں آجائے گی۔ میں اور آپ جس معاشرے اور جس ماحول میں ہیں اور جن حالات سے دوچار ہیں اُن میں بیوی، بچوں یا ماں باپ یا رشتہ داروں کی طرف سے یہ مطالبہ ہے کہ بس پیسے کمائے جائیں۔ اس سے بحث نہیں ہے کہ وہ حلال ہوں یا حرام ہوں۔ ہمیں مکان چاہیے، چاہے وہ سود کا ہو یا بغیر سود کا، ہمیں فلاں چیز کی ضرورت ہے، بس وہ چاہیے، اب جو چاہے طریقہ اختیار کیا جائے اس سے کوئی سروکار نہیں، ہماری یہ ضرورت پوری ہونی چاہئے، بچوں کو اسکولس اور کالجس میں بھاری فیس کی ضرورت ہے، اب کیا کیا جائے؟ اتنا قرض تو کوئی دینے کے لئے تیار نہیں، چلو سودی قرض لے لیں، کسی تقریب میں چلے گئے، وہاں کوئی مکان یا گاڑی یا کوئی اور چیز دیکھی بس اس کی خواہش شروع ہو گئی، ان کی وجہ سے مرد حرام کمائی میں یا حرام کاموں میں اُلجھ جاتے ہیں، چاہے مکانات خریدنے کا مسئلہ ہو، یا گاڑی خریدنے کا مسئلہ ہو، یا سامان و فرنیچر خریدنے کا مسئلہ ہو، یا بیوی بچوں کی خواہشات کو پورا کرنے کا مسئلہ ہو۔

سود سے بچنا مشکل ہو جائے گا:

آدمی دیکھتا ہے کہ میری اتنی خواہشات ہیں، میرے اتنے تقاضے ہیں، اور اتنا پیسہ میرے پاس نہیں ہے، اب کیا کیا جائے؟ سوائے سودی قرض کے اور کیا صورت ہو گی؟ کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ یا بینک کے ذریعہ سودی قرض لے لیتا ہے، اب سود کا ناپاک، منحوس اور مال کو تباہ و برباد کرنے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ فتنہ ہے۔

"لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لاَ يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبَا فَإِنْ لَمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بُخَارِهِ" (سنن ابی داؤد: کتاب البیوع: ۳۳۳۱)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی باقی نہیں رہے گا مگر سود کا کھانے والا، اگر وہ سود نہیں کھائے گا تو اس کے بخار سے نہیں بچ پائے گا۔ آج ہماری یہی حالت ہے، ہر چھوٹی اور

بڑی چیز میں سودی معاملات ہیں، مکان خریدیں یا گاڑی خریدیں یا فون خریدیں یا کوئی چیز خریدیں سودی معاملات سے واسطہ ہے، اگرچہ سودی معاملہ ہم کرنا نہیں چاہتے لیکن مجبورًا اس میں مبتلا ہیں، نہ چاہتے ہوئے بھی ہمارا یہ حال ہے، آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی ہے، اور آج ہم پر کیسے صادق آرہی ہے؟ اللہ اکبر! اس لئے اس زمانے میں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے، اگر بیوی بچوں کی طرف سے زائد تقاضہ ہو تو اُن کو بتادینا چاہیے کہ معاملہ ایسا ہے، جائز حدود میں رہ کر ہم کو اپنی ضرورت پوری کرنی ہے، ہماری جتنی چادر ہے ہم اتنا ہی پیر پھیلائیں گے، آدمی چاہے کسی بھی سطح کا ہو، بڑے سے بڑا ہو یا چھوٹے سے چھوٹا ہو، فی گھنٹہ پانچ ڈالر پر کام کرتا ہو، یا فی گھنٹہ سو ڈالر پر کام کرتا ہو، کسی دوسرے کو دیکھ کر منہ سے رال نہ ٹپکائے، اپنے حالات میں اپنے کو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے ساتھ ایڈجسٹ کرلے، بیوی بچوں کو بھی یہی سمجھادے۔ ان پر برس نہ پڑے، بلکہ حکمت اور مصلحت سے کام لے، ان کو سمجھا کر برداشت کرتے ہوئے اپنے ساتھ لے کر چلے۔ اور بتائے کہ چند دن کی عارضی خوشی کے لیے ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈال سکتے۔ ہمارا معاملہ صرف اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو پالنے کا نہیں ہے بلکہ ہمارا معاملہ ہم سب کے دین کو پالنے کا بھی ہے، تم اور بچے میرے پاس امانت ہو، کل مجھے خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اپنی کمائی اور خرچ کا حساب دینا ہے۔ وہاں کیا جواب دیں گے؟ اور قیامت میں جب تک کمائی کا حساب نہ دیا جائے اس وقت تک آدمی کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے۔ (سنن ترمذی: صفة القیامة: ۲۴۱۷)

قناعت اختیار کریں:

موجودہ حالات میں حلال پر قناعت کی اَشد ضرورت ہے، حرص اور طمع سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے، کفایت شعاری اور تھوڑے پر راضی ہونے کا جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے، غالباً حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب آدمی کو حلال مال مل جائے تو اُس کو خرچ کرنے میں احتیاط کرنا چاہیے، کیونکہ وہ عام طور پر زیادہ نہیں ملا کرتا ہے۔ ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ یہاں تو اتنا خرچ نہیں کرتے لیکن اپنے وطنوں میں جاکر بے تحاشا خرچ کردیتے ہیں۔ جائز مصرف میں خرچ کرنا تو ٹھیک ہے، لیکن ناجائز محل میں بھی بہت پیسہ ضائع کیا جاتا ہے۔

بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کا فتنہ:

ہمارے معاشرہ میں ایک طرف بیویوں سے تعلقات میں بے اعتدالی اور گھریلو تعلقات کی خرابی کا یہ عالم ہے تو دوسری طرف ان کی حمایت اور بے جا ان کی اطاعت کا فتنہ بھی پایا جاتا ہے، اور اس کو بھی نبی علیہ السلام نے قربِ قیامت کی ایک علامت قرار دی ہے۔

ایک حدیث میں ہے: ''أَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَعَقَّ أُمَّهُ'' (سنن ترمذی: کتاب الفتن، ۲۲۱۰) امت پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ شوہر ماں کی نافرمانی کر کے بیوی کی بے جا اطاعت کرنے لگے گا۔ ماں کے مقام و مرتبہ کے مقابلہ میں بیوی کی اہمیت اور اس کا مقام و مرتبہ ہوگا، اس کی عزت ہوگی، اور ماں کی تذلیل ہوگی۔ جب کہ اللہ پاک نے مرد و عورت میں یہ ترتیب رکھی ہے کہ بیوی مطیع ہو اور شوہر مطاع ہو۔

ایک لطیفہ:

حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی اچھی بات فرمائی تھی کہ ایک آدمی کو گھوڑے کی ضرورت تھی، وہ پیدل جا رہا تھا، چلتے چلتے تھک گیا، تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا، اور اللہ تعالیٰ سے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنی شروع کی کہ اے اللہ! ایک سواری دیدے، کافی دیر تک دُعا کرتا رہا، کچھ دیر بعد دیکھا کہ ایک فوجی سواری پر سوار ہو کر اس کی طرف آرہا ہے تو خوش ہوا، فوجی اس کے پاس آیا، اور آکر اس درخت کے نیچے ٹھہر گیا، فوجی کی سواری گھوڑی تھی جو حاملہ تھی، اُس نے بچہ دے دیا، یہ سیدھا سادہ آدمی تھا اور وہ فوجی تھا، اس نے ذرا سخت لہجے میں کہا کہ اِدھر آ! اور اس بچے کو اپنے سر پر اُٹھا اور میرے ساتھ چل، اب اُس بیچارے نے فوجی سے ڈر کر گھوڑی کے بچے کو سر پر اُٹھایا اور اُس کے ساتھ چل دیا، اس کے بعد کہنے لگا کہ یا اللہ! میں نے سواری نیچے مانگی تھی اوپر نہیں۔

شوہر کو حاکم ہونا چاہیے:

آدمی کا شروع سے یہ مزاج ہونا چاہیے کہ وہ بیوی پر حاوی ہو اور بیوی مطیع و فرمانبردار ہو، اور یہ چیز اس کی صحیح تربیت پر موقوف ہوتی ہے کہ وہ شوہر کے مقام کو پہچانے، اس کی

عزت اور عظمت کو پہچانے، اسلام میں اس کی اہمیت کو جانے، ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی قیس بن سعد رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے حیرہ میں دیکھا ہے کہ وہاں لوگ مرزبان کو سجدہ کرتے ہیں، اور آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، مجھے سجدہ مت کرنا، اس کے بعد فرمایا:

"لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ يَسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللهُ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقِّهِمْ" (سنن ابی داود: کتاب النکاح: ۲۱۴۰)

اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ اسلام میں شوہروں کی یہ عظمت بتائی گئی ہے، لیکن ہم بیویوں کو سجدہ کرنے لگتے ہیں، یعنی ان کی بے جا اطاعت کرتے ہیں، اپنا ذمہ دار ان کو مانتے ہیں، ان پر اپنا اقتدار، اپنی حاکمیت اور حیثیت کا کوئی اثر نہیں رکھتے، جب کہ اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" (النساء: ۳۴)

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے۔

مرد وزن میں عدم مساوات کا اعتراض اور اس کا جواب:

یہاں کوئی یہ نہ سمجھے کہ اسلام میں مساوات نہیں ہے، عورتیں بالکل مظلوم ہیں، ان کو کوئی آزادی نہیں دی گئی، ان کے حقوق نہیں بیان کئے گئے، انہیں بالکل باندی بنا دیا گیا، یہ در اصل لاعلمی اور اسلامی احکامات سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اسلام میں عورتوں کے حقوق بھی بیان کئے گئے اور مردوں کے حقوق بھی بیان کئے گئے ہیں کچھ ذمہ داریاں انہیں بھی دی گئی ہیں اور کچھ ذمہ داریاں انہیں بھی دی گئی ہیں، دونوں میں مساوات ہے، دونوں کے حقوق ہیں، دونوں پر ذمہ داریاں ہیں، اور یہ بات قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی: "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" یعنی "عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمہ ایسے ہی واجب ہیں جیسے مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمہ ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کے حقوق صورت کے اعتبار سے الگ الگ ہیں، عورت کی ذمہ داریاں الگ ہیں، اور مردوں کی ذمہ

داریاں الگ ہیں، عورت گھریلو امور اور بچوں کی پرورش، تربیت اور حفاظت کی ذمہ دار ہے، اور مرد ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہے، عورت کے ذمہ مرد کی خدمت اور اطاعت ہے تو مرد کے ذمہ اس کا مہر، اس کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام ہے، ہاں اللہ پاک نے مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت عطا فرمائی ہے۔ پہلے اللہ پاک نے ان میں مساوات کا ذکر فرمایا، اس کے بعد مردوں کی ایک خاص فضیلت بیان کی، اور ان کو ایک درجہ افضل بتایا: ’’ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ‘‘(البقرة: ۲۲۸) اس فضیلت میں خود عورتوں کی مصلحت اور انہیں کا فائدہ ہے، وہ نہ عورت کی شان کے خلاف ہے، نہ اس میں عورت کا کوئی نقصان ہے۔ اور وہ فضیلت اس کی حاکمیت کی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ مرد عورتوں پر قوام یعنی حاکم ہے، قوام اس کو کہتے ہیں جو کسی کام یا کسی نظام کا ذمہ دار ہو، اسی لئے مفسرین قوام کا ترجمہ عموماً حاکم سے کرتے ہیں، یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ دنیا میں کسی بھی نظام کو چلانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا کوئی سربراہ ہو، بڑا ہو، امیر ہو، حاکم ہو، تاکہ وہ اپنی قوت سے فیصلہ کر سکے، داخلی اور خارجی دونوں ذمہ داریوں کو بخوبی نبھا سکے، جس طرح یہ سربراہی اور امیری اور حاکمیت دنیوی امور میں مسلم ہے تو عائلی امور میں اس کی ضرورت کیوں نہیں؟ چونکہ مردوں میں عموماً قوت اور صلاحیت اور استعداد عورتوں اور بچوں کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہیں اس لئے حق تعالیٰ نے عائلی ذمہ دار مردوں کو بنایا، در اصل حاکمیت کا جو تصور عرف میں پایا جاتا ہے اس سے غلط فہمی ہوتی ہے، مرد کے حاکم ہونے سے لوگوں نے عرفی حاکم ہونا مراد لیا ہے، جس میں ظلم و بربریت، مکمل اختیارات اور ان کے تحت قید و بند کی زندگی ہوتی ہے۔

عورتوں کے ساتھ مشورے اور حسن سلوک کا حکم کیوں؟

جب کہ اسلام میں ایسا تصور نہیں ہے، بلکہ اسلام نے حاکمیت کے ساتھ ساتھ مردوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کریں: ’’ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ‘‘ (النساء: ۱۹) عورتوں کے ساتھ معروف طریقہ پر اچھا سلوک کرو۔ حاکمیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد اپنے ظالمانہ، جاہلانہ اور جارحانہ تیور دکھائے، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی

حکم دیا ہے کہ باہمی معاملات میں مشورے کیا کریں: ”فَإِنۡ أَرَادَا فِصَالًا عَنۡ تَرَاضٍ مِنۡهُمَا وَتَشَاوُرٍ“ (البقرہ:۲۳۳) ان کے ساتھ حسن سلوک اور مشوروں کی ہدایت دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جس سے مشورہ کیا جاتا ہے اس کی اہمیت ہوتی ہے، اس کا مقام ہوتا ہے، اس کی عزت اور عظمت ہوتی ہے، کسی غیر اور نااہل سے مشورہ نہیں لیا جاتا، اب بتائیے کہ اس میں عورتوں کی تنقیص ہے یا عزت ہے؟ کیا اس میں عورتوں کے مقام اور مرتبہ اور ان کی حیثیت اور اہمیت کو اجاگر نہیں کیا گیا ہے؟

مردوں کی افضلیت کی وجوہات:

اور پھر آگے حق تعالیٰ نے اس پہلو کو بھی مد نظر رکھا کہ مرد کی حاکمیت کی وجہ سے کہیں عورتوں کو تکلیف یا رنج یا ناگواری نہ ہو، اس لئے اس کی وجوہات بھی بیان فرمائیں کہ یہ فضیلت خود اللہ نے انہیں اپنی مخفی مصالح اور حکمتوں کی بنیاد پر دی ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ یہ ہیں۔ جمعہ، جماعت، خرچ، غزوات، کمال دین، عقل اور رائے، چار عورتوں کے نکاح کی حلت، ملکِ نکاح، ملکِ یمین کے ذریعہ حلتِ وطی، طلاق، رجعت، عبادتوں کا کمال، شہادتوں میں فضیلت، عصبیت، میراث میں حصوں کی زیادتی، دیت، نبوت کی صلاحیت، خلافت، امامت، خطابت، جہاد، رمی، اذان، اعتکاف، مالِ قسامہ، مالِ حمالہ، اولاد کا انتساب اور ولایت۔ (البحر المحیط:۱۹۳/۳) دراصل یہ سب چیزیں من جانب اللہ مرد میں ودیعت کی گئیں ہیں، اور یہ اللہ کو حق ہے کہ وہ جس کو چاہے افضل بنادے، اور جس کو چاہے مفضول بنادے، جیسے اللہ نے بیت اللہ کو جتنی فضیلت دی اتنی کسی اور جگہ کو نہیں دی، اس کو قبلہ بنادیا، اس میں ثواب کئی گنا زیادہ رکھا، اس کے الگ احکام بیان فرمائے، جب کہ مسجد نبوی اور مسجد اقصی کا وہ حکم نہیں ہے، وہاں کی وہ فضیلت نہیں ہے، اللہ کو یہ حق ہے جس کو چاہے فضیلت دیں، اس پر ہم انگلی نہیں اٹھاسکتے، اسی طرح مردوں کی فضیلت اور ان کی حاکمیت بھی خدا کی طرف سے مقرر ہے، اس پر ہم انگلی نہیں اٹھاسکتے، اس میں ہمارا کوئی عمل دخل نہیں ہے، البتہ عقلی اعتبار سے مردوں ہی کی حاکمیت سمجھ میں آتی ہے جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا

دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ مرد اپنا مال عورتوں اور بچوں پر خرچ کرتے ہیں، ان کی تمام ضروریات کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں اس لئے انہیں حاکمیت کے درجہ پر رکھا گیا، یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مردوں کی عورتوں پر فضیلت اور فوقیت مجموعی اعتبار سے ہے، ہر ہر فرد کے اعتبار سے نہیں، کیونکہ کہ کچھ خواتین کمالات کے اعتبار سے، علمی اعتبار سے، دانشمندی کے اعتبار سے، قوت وصلاحیت کے اعتبار سے، مردوں سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ فضیلت عمومی اور مجموعی اعتبار سے ہے۔ اور قرآن کے نہج ہی سے مفسرین نے اس نکتہ کو بیان کیا ہے۔ (البحر المحیط: ۱۹۳/۳)

بہترین مرد کون ہے؟

غرض ان وجوہات کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے مرد کو افضل اور عورتوں پر حاکم بنایا ہے، لیکن ان کی حاکمیت سے نہ عورتوں کا کوئی درجہ کم ہوتا ہے اور نہ ان کا کوئی حق چھینا جاتا ہے، اور نہ ان پر ظلم ہوتا ہے بلکہ اسی میں ان کے لئے فائدہ اور مصلحت ہے۔

عورتوں کی اطاعت اور حاکمیت کا فتنہ:

یہاں ایک بات یہ سمجھیں کہ ایک اطاعت تو بیوی کی ہوتی ہے، اور ماں کی نافرمانی ہوتی ہے، اور ایک اطاعت مطلقاً عورت کی ہوتی ہے، جہاں عورت حاکم ہوتی ہے اور مرد محکوم، فیصلہ عورت کے اختیار میں ہوتا ہے مرد کے ہاتھ میں نہیں، احکام کا نفاذ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے مرد کے ہاتھ میں نہیں، یہ فتنہ ہے، یہ قیامت کی نشانی اور حضور ﷺ کی پیشین گوئیوں میں سے ایک پیشین گوئی ہے کہ معاملات عورت کے ہاتھ میں ہوں گے، مرد حاکم ہونے کے بجائے عورت حاکم ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا:

”إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَأُمُوْرُكُمْ شُوْرىٰ بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ وَأُمُوْرُكُمْ إِلٰى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا“ (سنن ترمذی: کتاب الفتن، ۲۲۶۶)

جب امراء بہترین ہوں، مال دار سخی ہوں، اور تمہارے امور تمہارے مشوروں کے درمیان ہوں تو زمین کا ظاہر تمہارے لئے بہتر ہے، اور جب تمہارے امراء بدتر ہوں، مال دار بخیل ہوں اور تمہارے امور عورتوں کے حوالہ ہوں تو زمین کا باطن تمہارے لئے بہتر ہے زمین کے ظاہر پر رہنے کے مقابلے میں۔ اس لیے مرد کی عورت پر حاکمیت کا اثر ہونا چاہیے، قرآن پاک میں جو یہ ترتیب بتائی گئی ہے اور اس کی رہبری کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ایسے ہی نہیں ہے، اس میں بھی بہت بڑی مصلحت ہے، اس میں تواضع کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اپنی ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے۔

عورتوں میں مساوات کا دھوکہ اور اس کے منفی اثرات:

آج کے زمانے میں لوگ ہمدردی خیر خواہی اور مساوات کے نام پر شریعت کے احکام میں تبدیلی کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں، گھر اور گھر کے باہر کے اختیارات اور ذمہ داریاں عورتوں کے سپرد کرنے لگے ہیں، بالخصوص یورپی ممالک میں اس کا اثر زیادہ دیکھا جاتا ہے، اتنی زیادہ ان کی رعایت اور ہمدردی کہ ان پر ہونے والے مظالم اور ان کی شکوہ شکایات کی وجہ سے قانون بننا شروع ہو گئے، جب عورتوں کی موافقت میں قانون بنے تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مردوں پر ظلم ہونا شروع ہو گیا، ان لوگوں نے اس کا نام ہمدردی اور خیر خواہی رکھا اور یہ صرف یورپ ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں یہ فتنہ پھیل رہا ہے، ان کے بے جا سپورٹ اور حمایتوں کے سبب عورتیں اپنی گھریلو زندگی کے ساتھ ساتھ دینی معاملات میں بھی بہت جری اور بد تمیز ہو گئی ہیں، ان کی جرأت اور بد تمیزیوں کی وجہ سے شرفاء پریشان ہیں، ان کی عزت خطرے میں پڑ گئی، عزت بچانا ان کے لئے ایک مسئلہ ہو گیا، بعض دفعہ تو مرد کی جانب سے زیادتی ہوتی ہے لیکن معاشرے میں عورتوں کی جانب سے بھی ایسے بہت سے واقعات دیکھنے میں آرہے ہیں۔ یہ بھی در اصل مسلمانوں کو اسلام سے دور رکھنے اور اسلام کے بارے میں غلط تاثرات پیدا کرنے کی ایک سازش ہے، ان لوگوں نے مساوات کا سبق پڑھا کر عورتوں کے دلوں میں قرآن وسنت سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی، ان کو برہنہ گھروں اور آفسوں کے باہر کھڑا کر دیا، اور ہر جگہ ان کو مقتدا بنا دیا، اپنے انفرادی اور

اجتماعی معاملات میں انہیں گھسیٹا، اس لئے بازار ہوں، یا مساجد، تفریحات کی جگہیں ہو یا کوئی اور، خوشیوں کے مواقع ہوں، یا غم کے، دعوت وتقاریب ہوں یا دوسرے جلسے ہر جگہ وہ نظر آرہی ہیں، تاکہ ان سے اپنی ہوس پوری کی جائے، لطف اندوزی زیادہ ہو، شریعت نے اس سے استمتاع کا بھی ایک وقت اور ایک نوعیت مقرر کی، لیکن ان لوگوں نے ان کے ذہنوں سے ان سارے حدود کو مٹاڈالا۔ کہیں یہ سازشیں ہیں تو کہیں ہوس پرستی اور نفس پرستی بھی، ان نفس اور ہوا پرستوں کے ساتھ ساتھ غیروں کی سازشیں بھی اس کے پیچھے کام کررہی ہیں ،اس لئے انہوں نے عورتوں کو سپورٹ کرنا شروع کیا، اسلام پر ان کے ظلم کا الزام لگانے لگے، ان میں عدم مساوات کا شور برپا کرنے لگے۔

کیا مساوات برہنگی اور نوکر بنانے کا نام ہے؟

سوال یہ ہے کہ ان لوگوں نے عورتوں کو کیا مساوات دی؟ کیا مساوات صرف اسی کا نام ہے کہ ہر جگہ ان کو غلام بنادیا جائے، اور ننگا کرکے بازاروں میں لاکر کھڑا کردیا جائے، اور مردوں کی چھوٹی بڑی ہر ضرورت کی تکمیل کا انہیں ذمہ دار بنادیا جائے، کھلانے پلانے کا انہیں ذمہ دار بنایا جائے، استقبال میں ان کو ٹھہرایا جائے، خرید وفروخت میں انہیں آگے کیا جائے، فون پر وہی آپ کو نظر آے، ریسپشن پر وہی نظر آئے، سروس میں وہی نظر آئے، کیا اس کا نام ترقی ہے، کیا ان کو برہنہ کرنا ترقی اور مساوات ہے، کیا ان کو ویٹر اور نوکر بنانا ترقی اور مساوات ہے، یاد رکھیں کہ ان سے بات کرنا، ان کی بات سننا، ان کو چھونا، ان کو دیکھنا ان کے پاس چل کر جانا سب زنا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فَالْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا الْبَطْشُ وَالرِّجلاَنِ يَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا الْمَشْيُ وَالْفَمُ يَزْنِي وَزِنَاهُ الْقُبَلُ وَالْقَلْبُ يَهْوِي وَيَتَمَنّٰى وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ" (مسند احمد: مسند ابی ہریرۃ: ۸۷۵۲)

آنکھیں زنا کرتی ہیں، ان کا زنا ہے بری نظر سے دیکھنا، ہاتھ زنا کرتے ہیں، ان کا زنا ہے غیر محرم کو چھونا، پیر زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا ہے چلنا اجنبیہ کے پاس بنیت شہوت چانا، منھ زنا

کرتا ہے، اس کا زنا ہے بوسہ لینا، اور دل مائل ہوتا ہے اور بری خواہش کرنے لگتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

ماہرینِ نفسیات کا بیان ہے کہ آدمی کے ان اعضاء سے قوتِ شہوانیہ باقاعدہ طور پر نکلتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جو آدمی ان اعضاء کی حفاظت نہیں کرپاتا وہ قوتِ مردانگی میں کمزور ہوتا ہے، اس کے لیے کوئی بھی آدمی تجربہ کر سکتا ہے کہ جو دین دار ہو، متقی ہو، جس کی بری سوچ نہ ہو، برے ارادے نہ ہوں، اس کی قوت اور طاقت الگ ہوتی ہے۔ اور جو ان چیزوں میں مبتلا ہوتا ہے اس کی قوت الگ ہوتی ہے۔

حاکمیت اور تعلقات میں اعتدال چاہیے:

غرض مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا گیا ہے، اور یہ حاکمیت باقی رکھنی چاہیے، لیکن حاکمیت کا اثر دکھانے میں تعلقات ختم نہیں کرنا چاہیے۔ ایک طرف شوہر حاکم ہے تو دوسری طرف اسے نرمی، پیار اور محبت کا بھی حکم دیا گیا ہے، لیکن نرمی کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ آدمی اتنا نرم بن جائے کہ گھر میں بس عورت ہی کی بات چلے، اور آدمی کا سارا اختیار ختم ہو جائے اور وہ حاکم بن کر بیٹھ جائے، اور گھر کی ساری ذمہ داریاں اور امور اسی کے زیرِ انتظام ہو جائیں، اور مرد کی حاکمیت اور اس کا اثر بالکل بھی نہ رہے، بلکہ اس میں اعتدال اور توازن باقی رکھے، بہت سے لوگ اپنی قوت کا بے جا استعمال کرتے ہیں، اور عورتوں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں، ان کی کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، ان کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے، ان کی عزت کی پرواہ نہیں کرتے، اللہ نے انہیں جو قوت اور پاور دیا ہے اس کا غلط استعمال کرتے ہیں، یہ بہت غلط بات ہے، اللہ پاک نے جہاں مرد کو حاکم بنایا ہے وہیں حسنِ سلوک اور نرمی کی بھی ہدایت دی ہے کہ کہیں یہ اپنی قوت اور پاور کا غلط استعمال نہ کرے۔ ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں پر ظلم و زیادتی نہ کریں، خوش اخلاقی سے پیش آئیں، رحم کریں، برداشت کریں، صبر و حلم سے کام لیں، اُن کے ساتھ محبت کریں، اچھا برتاؤ کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ خُلُقًا (سنن ترمذی: کتاب الرضاع، ۱۱۹۵)

تم میں سب سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہترین ہو۔ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی ایک خصوصیت ہے کہ شریف آدمی اس سے مغلوب ہو جاتا ہے اور غیر شریف ان پر غالب رہتا ہے۔ذرا سی ناگواری اور ناراضگی ہو جائے تو آپے سے باہر ہو جانا، غصہ میں غلط الفاظ کا استعمال کرنا، گالیاں دینا، بدتمیزی اور بیہودگی کرنا نہ یہ اسلامی تعلیم ہے،اور نہ اس سے اصلاح ہوتی ہے،بلکہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں طلاق کی نوبت آجاتی ہے۔

طلاق کی کثرت کا فتنہ:

آج معاشرے میں جس کثرت سے یہ واقعات پیش آرہے ہیں وہ سب جانتے ہیں، جو ملک پہلے سے اسلامی تہذیب و تمدن سے خالی ہیں،وہاں عورتوں میں آزادی،بے حیائی اور بدتمیزی ہے، اُن میں یہ چیز بہت عام ہے، لیکن اب مشرقی ممالک ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان وغیرہ میں بھی یہ واقعات بڑے پیمانے پر بڑی تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے قیامت کے قریب جن فتنوں کی اور قیامت کی جن علامات کی خبر دی ہے ان میں سے ایک طلاق کی کثرت بھی ہے، آپ نے فرمایا کہ قربِ قیامت طلاق کی کثرت ہوگی۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور:۱۳/۳۷۷)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانو! تم طلاق کے بارے میں محتاط رہنا،عورت اور مرد دونوں کو تنبیہ کردی۔ ایسا مت کرنا کہ تھوڑی سی بات پر طلاق دینے لگو،اس معاملے میں مرد سے زیادہ جلد باز عورت ہوتی ہے،شاید یہی حکمت ہے کہ شریعت نے طلاق کا اختیار عورت کو نہیں دیا، ورنہ وہ شادی کے ایک ہفتے بعد ہی سارا قصہ تمام کر دیتی، کیونکہ عورتوں کے پاس صبر کم ہوتا ہے۔ اسلام کا قانون یہ ہے کہ عورت کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے بلکہ مرد ہی کو طلاق کا حق ہے۔ اگر مرد کی طرف سے عورت پر ظلم وزیادتی ہو تو وہ خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے، اور خلع مطالبۂ طلاق ہی کو کہتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ نے یہ بھی مہربانی فرمائی کہ اگر عورت پر واقعۃً ظلم وزیادتی ہو رہی ہے اور عورت کا شوہر کے ساتھ رہنا دشوار ہو جائے تو عورت مال وغیرہ کے بدلے اس سے نجات حاصل کر سکتی ہے، اور شوہر اس کو قبول کرتا ہے،تو پھر دونوں میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔اسی کا نام خلع ہے۔

حتی الامکان طلاق دینے سے بچیں:

شوہر اور بیوی کو چاہیے کہ نوبت یہاں تک آنے ہی نہ دیں، کیونکہ یہ چیز ان کے اختیار میں ہے، اگر کچھ اونچ نیچ ہوتی ہے تو اس کو خود حل کریں، یا بڑوں کے ذریعہ حل کروائیں، لیکن طلاق نہ دیں، کیونکہ شادی طلاق دینے اور لینے کیلئے نہیں کی جاتی، شادی مادّی بنیادوں پر نہیں کی جاتی، یہ بھی شرعی حکم ہے۔

اختلاف ختم کریں رشتہ ختم نہ کریں:

ہاں یہ اور بات ہے کہ ایک ساتھ رہنے سے اختلافِ رائے ہوگا، ایک دوسرے کو تکلیف پہنچے گی، کیونکہ ہر ایک کا مزاج الگ ہوتا، ہر ایک کی سوچ الگ ہوتی ہے، ہر ایک کی صفات الگ ہوتی ہیں، رہنے سہنے کا انداز الگ ہوتا ہے، اس لئے اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، رشتہ ختم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

شادی کے بعد کا اصول:

شادی کے بعد تکلیف نہ پہنچنے کا اصول نہیں ہے بلکہ شادی کے بعد برداشت کا اصول ہے۔ اور دونوں اس بات کی کوشش کریں کہ مجھ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے، مرد خیال کرے کہ میری جانب سے عورت کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور عورت خیال کرے کہ مجھ سے مرد کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اگر دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں گے تو پھر دونوں کو تکلیف نہیں ہوگی۔ اگر کچھ ہوتا ہے تو صبر کرنا چاہیے، کیونکہ جو اقدام ہم غصہ میں کرتے ہیں تو بعد میں ہم خود پچھتاتے ہیں، بعد میں رشتہ جوڑنے کی حد درجہ کوشش کرتے ہیں لیکن زبان سے نکلا ہوا ہمارا ایک بول ہمیشہ کے لئے اس رشتہ کو ختم کر دیتا ہے۔ اور سوائے افسوس اور ندامت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے پہلے سے یہ طے کرنا چاہیے کہ ہمیں ایک دوسرے کو چھوڑنا نہیں ہے، دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے، چاہے کچھ ہو لیکن کبھی ہم اس رشتہ کو ختم نہیں کریں گے۔

ایک مہتمم صاحب کا واقعہ:

ایک مدرسہ کے مہتمم کا واقعہ مجھے یاد آیا، ان کی مدرسہ کے اساتذہ سے لڑائی ہوگئی، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کبھی کمیٹی کی امام صاحب سے نہیں بنتی ہے تو کبھی مؤذن صاحب سے، جب دو فریق ایک ساتھ کام کرتے ہیں تو آپس میں اختلاف رائے ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے منشے کے خلاف ہو جاتا ہے، مدرسہ میں بھی کچھ اس طرح ہوا، مہتمم صاحب نے مدرسہ کے تمام اساتذہ کو بلایا اور کہا کہ سنا ہے آپ لوگوں کو ہم سے شکایت ہے، اس لئے اس کی وضاحت کے لئے آپ لوگوں کو بلایا گیا ہے، البتہ بات شروع کرنے سے پہلے ایک بات میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ میں نے یہ طے کیا ہے کہ مجھے آپ لوگوں کو مدرسے سے نکالنا نہیں ہے اور آپ لوگوں کو یہ مدرسہ چھوڑنا نہیں ہے، مجھے آپ کی خدمت چاہیئے، اور مجھے آپ کی ضرورت ہے، اس کے بعد کہا کہ بتائیے آپ حضرات کو مجھ سے کیا شکایت ہے؟ سب خاموش ہوگئے، کسی کے پاس کوئی جواب نہیں، وہ ان کے تعلق سے غلط فہمی میں تھے، جب ان کی طرف سے یہ بات واضح ہوگئی تو ان کا منھ ہی بند ہو گیا، اس سے ہم کو یہ سبق ملتا ہے کہ کبھی ایک دوسرے سے استغنائیت نہیں دکھانی چاہیے، عام طور پر مہتمم یا ذمہ دار کہتے ہیں کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے، تمہاری جگہ کئی لوگ مل جائیں گے، ایسا کہہ کر اکثر ادارے والے پریشان ہو جاتے ہیں، اس کو سنانے کا مقصد یہ ہے کہ غیر ضروری استغنائیت اور غیر ضروری بڑے بول تعلقات کو ختم کر دیتے ہیں، نکاح کے معاملہ میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے، ایک طرف تو استغنائیت، حقوق کی پامالی، اور دوسری طرف بڑے بڑے بول، اس لئے پہلے سے ایک دوسرے کی ضرورت کا احساس، اور ایک فیصلہ کا دھیان دونوں کے دل میں ہو تو پھر بات آگے نہیں بڑھتی۔

طلاق نجات نہیں بلکہ الجھن کا سبب ہے:

میاں بیوی کو پہلے سے یہ طے کرنا چاہیے کہ زندگی بھر ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ رہنا ہے، اور ایسے الفاظ ہم اپنی زبان سے نہیں نکالیں گے جو ہمارے رشتہ کو ختم کرنے والے

ہوں، پہلے زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ جس گھر میں ڈولی آئی ہے اُسی گھر سے ڈولا جائے گا۔ جو خواتین ایسے ذہن کو لے کر آتی ہیں وہ شوہر سے اپنے تعقات نبھالیتی ہیں، برداشت کرتی ہیں، صبر سے کام لیتی ہیں۔ زندگی میں مختلف چیزیں پیش آتی رہتی ہیں، لیکن اس کی وجہ سے رشتہ ختم نہیں کرنا چاہیے۔لوگ یہ کہتے ہیں کہ طلاق سے یہ اختلافات ختم ہو جائیں گے، مصیبت چلی جائے گی، پریشانی سے نجات مل جائے گی، ذہنی سکون مل جائے گا، ٹینشن ختم ہو جائے گا، لیکن یہ صرف ہماری خام خیالی ہوتی ہے، طلاق کے بعد یہ چیزیں اور بڑھ جاتی ہیں، دوبارہ تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں تو بعض صورتوں میں دوبارہ تعلق قائم نہیں کیا جاسکتا، ایک ساتھ تین طلاقیں دے دی جاتی ہیں، جو گناہ ہے، یہ چیز بھی بہت عام ہورہی ہے، اس سے بچنا ضروری ہے، دوسروں سے نکاح کرنے میں دشواری پیش آتی ہے، کبھی کبھی عورت کی زندگی بغیر نکاح کے گزر جاتی ہے، اگر نکاح ہو جائے تو وہاں الگ مسئلہ ہوتا ہے، کسی کے بچے اور بچیاں ہوتی ہیں، ان کی پرورش اور تربیت کا مسئلہ الگ ہوتا ہے، بچے ماں باپ سے دور ہو جاتے ہیں، ان کی محبت اور شفقت سے محروم ہو جاتے ہیں، ان کو اپنے ماں باپ کی ضرورت کا احساس الگ ہوتا ہے، بچوں اور بڑوں کے لئے اپنی عزت کا مسئلہ الگ ہوتا ہے، بے شمار چیزیں ہوتی ہیں جو مزید الجھن اور ٹینشن پیدا کرتی ہیں، اس طرح ان کی، ان کے بچوں کی اور خاندان والوں کی زندگی پریشانی اور الجھن کا شکار ہو جاتی ہے، یاد رکھیں کہ طلاق کے ذریعے زندگی سنبھالی نہیں جاتی، یہ جو بات چل رہی عام حالات کے اعتبار سے ہے۔ بعض دفعہ ایسی صورت بھی ہوتی ہے کہ طلاق کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

ایک عورت کا واقعہ:

ابھی حال ہی میں اٹلانٹا سے آئے ہوئے ایک استفتاء کا جواب دیا، بڑا طویل استفتاء تھا، اُس میں شوہر نے بیوی سے متعلق پندرہ سوالات کئے، جس کو پڑھ کر اور حالات دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں مرد کن کن حالات سے دوچار ہیں، صرف شکاگو کے گزشتہ بیس پچیس برس آپ دیکھیں، پچاسوں ایسے واقعات ہیں جن میں شوہر اور بیوی میں علاحدگی ہوئی ہے، ان میں بہت سے گھرانے دیندار بھی ہیں، لیکن ان کی حالت یہ ہے، جب کہ معاشی

اعتبار سے بڑے مضبوط ہیں، اس میں بڑے بڑے ڈاکٹرس، انجینئرس، تاجر زیادہ مبتلا ہوئے ہیں، جن صاحب نے استفتاء بھیجا تھا اُن کی کافی طویل روداد ہے، پہلے عورت کو یہاں لائے، اُس کو پڑھایا اور لکھایا، اپنے اکاؤنٹ میں شریک کیا، وہ برابر ان کے اکاؤنٹ سے پیسے نکالتی رہی اور بھیجتی بھی رہی، خود بھی خرچ کرتی رہی اور اپنے نام جائیداد بناتی بھی رہی، اس میں کسی کو شریک نہیں کیا، اپنے نام پر ہزاروں اور لاکھوں کے شیئرز خریدے، ہزاروں ڈالر کا انہیں مقروض بناڈالا، اور اسے اس کا اقرار بھی ہے، اب کہہ رہی ہے کہ میرے پاس پیسے کافی جمع ہوگئے ہیں لہٰذا میں قانونی طور پر طلاق لیناچاہتی ہوں تاکہ آدھا حصہ مجھے ملے، اور آدھا آپ کو ملے، وہ صاحب بھی کتنے بے وقوف ہیں، ان کی اگلی بات سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے وہ پوچھ رہے ہیں کہ کیا وہ طلاق کے بدلے میرا دل مجھے دیدے گی؟ ابھی بھی وہ اسی خیال میں ہیں کہ وہ اُس کو آمادہ کرلیں گے۔ میں یہ عرض کررہا تھا کہ بعض دفعہ ایسی عورتوں سے بھی آدمی کو سابقہ پڑجاتا ہے، ایسے وقت بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، اسی وجہ سے نیک بیوی اللہ پاک کی طرف سے عظیم نعمت ہوتی ہے، بیوی نیک ہے تو دنیا اس کے لئے جنت ہے، اگر بد ہے تو وہ اس کے لئے بہت بڑا فتنہ اور عذاب ہے، اس کی وجہ سے آدمی پریشان ہوتا ہے، اور اس کا اثر اس کی دوسری چیزوں پر پڑتا ہے، جاب میں جی نہیں لگتا، دل میں بے چینی اور اضطراب ہوتا ہے، نمازوں میں وہی فکر طاری رہتی ہے، حالات میں سدھار نہیں ہوتا، اختلافات بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں، زندگی اجیرن بن جاتی ہے، ان کی اصلاح کی بہت سخت ضرورت ہوتی ہے، اور کبھی ان سے نجات کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

ناموافق حالات میں پہلا مرحلہ صبر کا ہے:

اس کے لئے شریعت نے ایک ترتیب بیان کی ہے، اس ترتیب سے ہم کو چلنا چاہیے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر ایسی کوئی بات پیش آجائے جس سے غصہ آجائے تو سب سے بنیادی چیز صبر ہے، دونوں کو خلاف طبیعت چیزوں کے دیکھنے پر صبر کرنا چاہیے۔ اگرچہ کہ شیطان اکساتا رہتا ہے، ابھارتا رہتا ہے، لیکن صبر سے کام لینا چاہیے۔ اور اس حقیقت کا استحضار کرنا چاہیے کہ یہ شیطان کی ایک سازش ہے، اور مجھے اس کی اس سازش کو کامیاب نہیں بنانا ہے۔

ہمارے لڑائی جھگڑے پر شیطان کی شاباشی:

جیسا کہ یہ حدیث اس سے پہلے بھی بیان کی گئی تھی کہ شیطان اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنی گمراہ کرنے والی ساری ذرّیات سے کارگزاری سنتا ہے، سب اپنی کارگزاری سناتے ہیں توسب کو کہتا ہے کہ تونے کچھ خاص کام نہیں کیا، انہیں میں سے ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے میاں بیوی میں لڑائی کروادی، اور جھگڑا پیدا کر دیا تو وہ اس کو سراہتا ہے اور بہت خوش ہوتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ وہ اٹھ کر اس کو اپنے سینہ سے لگالیتا ہے۔ اور اس کو شاباشی دیتا ہے، اور خوب سراہتا ہے۔

گھروں میں نااتفاقی شیاطین کی آمدورفت کی علامت ہے:

یہ بہت عام چیز ہے، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب ہمارے گھروں میں یہ چیز پائی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کی آمدورفت ہمارے پاس ہورہی ہے، اور وہ اپنی چال میں اور اپنے پلان میں کامیاب ہورہا ہے، اور اس کا اثر ہم پر ہورہا ہے، اور ہم ہی اس کو یہ موقع دے رہے ہیں، اگر ہم کچھ کنٹرول کرلیں اور کچھ صبر کرلیں تو ہمارے لئے اجر کی بات ہے اور اس کے لئے ذلت ورسوائی کی بات ہے۔

غصہ میں عافیت والا راستہ:

خامی دونوں طرف سے ہوتی ہے، کبھی عورت کی جانب سے تو کبھی شوہر کی جانب سے، بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ شوہر دن بھر کا تھکا ہوا خوشی خوشی گھر آتا ہے تو فوراً گھر کے مسائل شروع کر دیتی ہیں، یا بعض نافرمانی اور ناشکری کرتی ہیں، اس سے آدمی جھنجھلا جاتا ہے، اور اس کو غصہ آجاتا ہے، اور دونوں میاں بیوی آپس میں لڑ بیٹھتے ہیں، بدکلامی کرتے ہیں، کبھی کبھی مارپیٹ بھی ہوجاتی ہے، بات بڑھتی ہی چلی جاتی ہے، اور شیطان بیچ میں داخل ہو کر ایک دوسرے کو مشتعل کر دیتا ہے، جب ایک ذرا سخت جملہ کہتا ہے تو دوسرا اس کی وجہ سے مشتعل ہو کر اور بھی برا کہنے لگتا ہے، ظاہر ہے کہ جب دونوں غصے میں ہوتے ہیں تو معاملہ

اور بھی خراب ہو جاتا ہے، اس لئے اگر دونوں میں سے کوئی ایک غصہ میں ہو تو دوسرے کو نرم ہو جانا چاہیے، دونوں میں اتنی سمجھ ہونا ضروری ہے کہ مرد کو غصہ آجائے تو عورت کو خاموش ہو جانا چاہیے، اگر عورت کو غصہ آجائے تو مرد خاموش ہو جانا چاہیے، عام طور پر مشہور یہی ہے کہ عورت کی زبان چلتی ہے اور مرد کا ہاتھ چلتا ہے، ایسا نہیں کرنا چاہیے، دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنا چاہیے اور اپنے آپ کو کنٹرول کرنا چاہیے، اسی میں بہتری اور عافیت ہوتی ہے۔

غصہ ایک انگارہ ہے:

غصہ بہت خطرناک چیز ہے، حضور پاک علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةٌ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ أَمَا رَأَيْتُمْ إِلَى حُمْرَةِ عَيْنَيْهِ وَانْتِفَاخِ أَوْدَاجِهِ"

بے شک غصہ ابن آدم کے دل میں ایک انگارہ ہوتا ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا اس کی آنکھوں کی سرخی کو اور اس کی رگوں کے پھول جانے کو۔

غصہ کی حالت میں زمین سے چپکنے کا حکم کیوں؟

اس کے بعد فرمایا کہ پس جو آدمی اس میں سے کچھ بھی محسوس کرے تو چاہیے کہ وہ زمین سے چپک جائے:

"فَمَنْ أَحَسَّ بِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ فَلْيَلْصَقْ بِالْأَرْضِ" (سنن ترمذی: کتاب الفتن: باب مَا جَاءَ مَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. ۲۳۵۰۔ مسند احمد: ۱۱۹۰۱)

غصہ کی حالت میں زمین سے چپکنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حقیقۃً زمین سے چپک جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ جائے، یہاں زمین کی تخصیص کیوں کی گئی؟ علماء نے اس کی وجہ بھی لکھی ہے کہ دراصل انسان کو اس میں اشارہ ہے کہ تمہاری پیدائش مٹی سے ہوئی، تم اپنی حقیقت کے بارے میں سوچو کہ جب تم ایسی چیز سے پیدا کئے گئے ہو تو تمہارے لئے یہ بالکل بھی مناسب نہیں ہے کہ تم تکبر کرو۔ (تحفۃ الاحوذی: کتاب الفتن: ۵/۴۷۰) اور دوسروں پر غصہ کرو، یا ان کی تحقیر اور تذلیل کرو۔

غصہ دور کرنے کی مختلف تدابیر:

اس روایت میں غصہ دور کرنے کی یہ تدبیر بتائی گئی ہے اور دوسری روایات میں اور بھی احکامات ہیں، مثلاً حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَإِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ" (سنن ابی داود: کتاب الادب: باب ما یقال عند الغضب، ۴۷۸۴)

جب تم میں سے کسی کو غصہ آجائے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اگر غصہ ختم ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ لیٹ جائے۔ ایک حدیث میں فرمایا:

إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ (سنن ابی داود: کتاب الادب: باب ما یقال عند الغضب، ۴۷۸۶)

بے شک غصہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اور آگ پانی سے بجھتی ہے، اس لئے جب کسی کو غصہ آجائے تو چاہیے کہ وہ وضو کرے۔ ایک حدیث میں فرمایا: "إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُهُ مِنَ الْغَضَبِ"

میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر کوئی اس کو کہے گا تو اس کا غصہ ختم ہو جائے گا، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! "مَاهِيَ" وہ کونسا کلمہ ہے، آپ نے فرمایا: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" (سنن ابی داود: کتاب الادب: باب ما یقال عند الغضب، ۴۷۸۲)

ان احادیث میں آپ نے غصہ دور کرنے کے مختلف طریقے بیان فرمائے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ اس میں خاص کوئی فعل مقصود نہیں ہے، بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ آدمی غصہ والے معاملہ اور ماحول سے اپنی توجہ ہٹادے، یا تو وہاں سے چلا جائے، یا کسی اور کام میں مشغول ہو جائے، تاکہ ذہن اس طرف نہ جائے کیونکہ جب تک وہ وہاں رہے گا بات بڑھنے اور فساد پھیلنے کا امکان بھی زیادہ ہوگا، اس لئے اصل مقصود اس طرف سے اپنی توجہ ہٹا دینا ہے۔ اس کے لئے آدمی یہ طریقے اختیار کرے۔

عام طور پر غصہ کی حالت میں آدمی سینہ تان کر آگے جانے کی کوشش کرتا ہے، لوگ

پکڑ رہے ہوتے ہیں، اور پکڑ کر اس کو پیچھے کھینچ رہے ہوتے ہیں اور یہ آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے، نبی علیہ السلام کی تعلیم یہ ہے کہ پیچھے ہٹ جائے، اگر غصہ آجائے تو آدمی آگے نہ بڑھے بلکہ اپنے آپ کو قابو میں رکھے، غصہ کے تقاضوں پر عمل نہ کرے، تعوذ پڑھ لے، یا پھر وضو کر لے، کھڑا ہوا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہوا ہے تو لیٹ جائے، جس پر غصہ آیا ہے اُس کو اپنے سامنے سے ہٹا دے، اگر اُس کو نہیں ہٹا سکتا ہے تو خود ہٹ جائے۔ اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھے، ایک دوسرے کے حقوق اور مزاج کو سمجھے، ایک دوسرے کی ذمہ داریوں کو سمجھے، اپنے اخلاق کو درست رکھے۔

عورتوں کی اصلاح کے درجات:

اس کے بعد کا درجہ یہ ہے کہ ان کو نرمی سے سمجھائے، قرآن مجید میں حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا:

"وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا" (النساء:۳۴)

اور جن (عورتوں) کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو ان کو، پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی بیشک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے۔

اگر عورتوں میں نشوز، نافرمانی، سرکشی، بغاوت، ضد پائی جائے تو بتایئے کہ اس کو ٹینشن ہوگی یا نہیں ہوگی؟ اُس کے لیے دین پر جمنا مشکل ہوگا یا نہیں ہوگا؟ اُس کے لیے آنکھوں کی حفاظت مشکل ہوگی یا نہیں ہوگی؟ اُس کو اپنی شہوت کی حفاظت مشکل ہوگی یا نہیں؟

(۱) اس لئے فرمایا کہ اگر بیوی میں نافرمانی ہو تو "فَعِظُوهُنَّ" پہلے اس کو سمجھاؤ، اور اس کو نصیحت کرو۔

(۲) بعض عورتیں اس سے متاثر نہیں ہوتیں تو ان کے لئے آگے فرمایا: "وَاهْجُرُوهُنَّ" ان سے ترک تعلق کر دو۔ اپنا بستر الگ کر لو، الگ سو جاؤ، چند دن تک ان سے خاموش ہو جاؤ۔

(۳) اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو فرمایا: "وَاضْرِبُوهُنَّ" ان کو مارو۔

حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ:

جب حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت سعد بن ربیع سے ہوا، تو ان میں کسی بات پر ناراضگی ہو گئی، حضرت سعد نے غصہ میں انہیں ایک طمانچہ مار دیا، حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد سے شکایت کی، ان کے والد شرفاء میں سے تھے، وہ ناراض ہو گئے، اور ان کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور واقعہ سنایا تو آپ نے حکم فرمایا کہ حبیبہ قصاص لے سکتی ہے، لہذا جتنی زور سے سعد نے ان کو طمانچہ مارا ہے وہ بھی اتنی ہی زور سے ان کو مار سکتی ہیں، اس موقع پر اللہ پاک نے یہ آیت اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ نازل کی، اور فرمایا کہ مرد حاکم ہیں اس لئے بطور اصلاح اور تادیب اگر مارنا چاہیں تو ان کو گنجائش ہے۔ (تفسیر بغوی: ۲/۲۰۷)

مارنے کی اجازت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہاتھ پیر چلنا شروع ہو گئے، اور غصہ ختم ہونے تک اُن کی پٹائی کی جائے، اور جی کے ٹھنڈا ہونے تک ان کو مارا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی حد بیان فرمائی: ''فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ'' (صحیح مسلم: کتاب الحج، ۳۰۰۹) اُن کو ایسا نہ مارو کہ اُن کے چہرے پر زخم آجائے، خون بہنے لگے، اعضاء ٹوٹ جائیں، بلکہ تنبیہ اور اصلاح کی نیت سے اتنی ہلکی مار ماری جائے کہ کوئی نشان تک ان پر نہ پڑے۔

شرفاء کا کام ہاتھ اٹھانا نہیں ہے:

علماء نے لکھا ہے کہ پہلی دو سزائیں شریفانہ سزائیں ہیں، انبیاء اور صلحاء کا عمل اسی پر تھا، سمجھانا یا ترک بستر کر لینا، لیکن مار کی اگرچہ مجبوری میں ایک حد میں رہتے ہوئے اجازت ہے مگر اس کے ساتھ آپ نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے: ''لَنْ يَضْرِبَ خِيَارُكُمْ'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۹۶۷) یعنی اچھے مرد عورتوں کو ہرگز نہ ماریں گے، اس لئے جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہیے، یہ شریفوں کا کام نہیں ہے۔ اگر ضرورت پڑ جائے اور اس درجہ کی نوبت آجائے تو ٹھیک ہے، لیکن اس میں تمہیں زیادتی سے بچنا ضروری ہے، اگر تم پھر بھی اُن سے بڑا پن کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم سے بلند اور بڑے ہیں، تم اپنی بیوی کے میاں ہو لیکن یاد رکھو کہ تمہارا بھی کوئی میاں ہے اور وہ ہے اللہ میاں۔ وہ علی ہیں، یعنی علوِ مرتبت والے ہیں

اور کبیر بھی ہیں۔ یہ تاثر اسی لئے دیا گیا ہے کہ آدمی اللہ کی بڑائی کا استحضار کر کے اعتدال میں رہے، حد سے تجاوز نہ کرے۔

تعلقات کے سدھار میں مسنون دعاؤں کی اہمیت:

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ گھروں میں داخل ہوتے وقت مسنون دعاؤں کا اہتمام کیا جائے، اور اللہ پاک سے ہدایت کی دعا کی جاتی رہے۔ آپ ﷺ نے گھر میں داخل ہوتے وقت دعا پڑھ کر داخل ہونے کی ترغیب فرمائی ہے، اس کا بھی بہت اثر پڑتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے، کیونکہ شیطان ایسے گھر میں نہیں رہ سکتا، جس گھر میں داخل ہوتے وقت دعا پڑھی جاتی ہے، اور اللہ کا نام لیا جاتا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهٗ فَذَكَرَ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُوْلِهٖ وَعِنْدَ طَعَامِهٖ" جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے: "لَا مَبِيْتَ وَلَا عَشَاءَ لَكُمْ هَا هُنَا" اس گھر میں نہ کھانا کھایا جا سکتا ہے اور نہ رات گزاری جا سکتی ہے، اور جب آدمی گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے: "اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ" تم نے یہاں رات گزارنے کی جگہ پالی، اور اگر کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے: "اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَالْعَشَاءَ" (صحيح مسلم: كتاب الاشربة: باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، ۱۰۳) تم نے یہاں کھانے اور رات گزارنے کی جگہ پالی۔

اس لئے گھر میں داخل ہوتے وقت دعا پڑھ کر داخل ہونا چاہیے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو کہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا ثُمَّ لِيُسَلِّمْ عَلٰى اَهْلِهٖ" (سنن ابی داود: كتاب الادب: باب ما يقول الرجل إذا دخل بيته، ۵۰۹۸)

اے اللہ! میں تجھ سے بہترین داخل ہونا اور بہترین نکلنا مانگتا ہوں، اللہ کے نام کے ساتھ ہم داخل ہوئے، اور اللہ ہی کے نام کے ساتھ ہم نکلے، اور اللہ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے، پھر اس

کے بعد آدمی گھر والوں کو سلام کر کے داخل ہو۔ اس کی وجہ سے ایک تو شیطان سے حفاظت رہتی ہے، اور دوسرے گھریلو ماحول امن اور سکون والا ہوتا ہے، کیونکہ اصل چنگاری لگانے والا وہی ہے، اور دونوں میں اشتعال انگیزی کا سبب وہی ہے، کبھی آپ خود محسوس کریں گے کہ اشتعال کی کوئی خاص بات نہیں ہوتی اور نہ شوہر اور بیوی کے ذہن میں لڑائی کا کوئی تصور ہوتا ہے لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں ایک بڑی لڑائی ہو جاتی ہے، اس کا ایک بڑا سبب شیطان ہی ہوتا ہے، اس لئے اس دعا کے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ تاکہ شیطان اور اس کے وساوس سے حفاظت ہو۔

(۵) اس کے علاوہ ایک اور طریقہ یہ ہے کہ اُس کے لیے کچھ دُعا و درود کا اہتمام کیا جائے، جیسے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۵ ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ الخ'' کو پڑھ کر کھانے پینے کی چیزوں پر پھونک دیا جائے، ایسے ہی بعض بزرگوں سے یہ منقول ہے کہ کھانے پر اکیس مرتبہ یاسلام پڑھ کر پھونک دیا جائے اس سے بڑوں اور بچوں کی ضد میں فرق آجاتا ہے۔ مزاج میں نرمی اور سلامتی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح دعا اور درود سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔

(٦) اگر پھر بھی عورت باز نہ آئے اور اس میں سدھار نہ ہو تو اخیر درجہ یہ ہے کہ مجبوری میں اس کو طلاق دے کر رخصت کر دیا جائے۔

زن و شوہر کے تعلقات میں اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے:

ایک بات مرد حضرات کو یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ بیوی کے ساتھ تعلقات میں تھوڑا سا تحفظ بھی باقی رکھیں، زیادہ بے تکلفی مناسب نہیں ہوتی، اس میں حکمت یہ ہے کہ جب آدمی اپنی خواہش اور ضرورت کو پورا کرنے تھوڑا سا تحفظ کرتا ہے تو پھر اُس کا ایک وقار اور ایک حیثیت فریق مخالف کے سامنے رہتی ہے۔ پھر آدمی کچھ رعب بھی ڈال سکتا ہے اور ڈانٹ ڈپٹ بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ بعض مرتبہ اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے، اور زیادہ بے تکلفی اس کے لئے حارج بن جاتی ہے، اس لئے اس چیز کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے، جہاں آدمی کو

گرمی دکھانی ہے وہاں گرمی دکھائے اور جہاں نرمی دکھانی ہے وہاں نرمی دکھائے، لیکن اس میں توازن برقرار رکھے۔ کچھ چیزیں اور کچھ حقوق تو وہ ہیں جو مردوں کو ملحوظ رکھنے پڑتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو عورتوں کو ملحوظ رکھنے پڑتے ہیں۔ مرد اپنے حقوق کا خیال رکھیں، اور عورتیں اپنے حقوق کا خیال رکھیں۔

بہترین عورت کی صفات:

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَلَا أُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ" (سنن ابی داؤد: کتاب الزکاۃ، ۱۶۶۶)

کیا میں تمہیں سب سے بہترین چیز نہ بتاؤں جو آدمی رکھتا ہے، وہ نیک عوت ہے، جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اس کو دیکھ کر مسکرائے، اور اس کو خوش کر دے، اور جب وہ اس کو حکم دیتا ہے تو وہ اس کی اطاعت کرتی ہے، اور جب وہ گھر سے غائب ہوتا ہے تو وہ اپنی اور مال کی حفاظت کرتی ہے۔ یہ بہترین عورت کی صفات ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ مومن کے لئے تقویٰ کے بعد نیک بیوی سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں۔

"مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ" (سنن ابن ماجہ: کتاب النکاح: ۱۸۵۷)

عورت کے لئے یہ تعلیم ہے کہ شوہر سے خوش اخلاقی سے پیش آئے، اس سے مسکراتے ہوئے ملے، خوشی سے اس کا استقبال کرے اور جن باتوں کا وہ حکم دے اور وہ خلاف شرع نہ ہوں تو ان کو پورا کرے، اور جو چیزیں اسے ناپسند ہوں ان سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرے۔ اگر یہ چیزیں عورت کرے گی تو جھگڑے ہی ختم ہو جائیں گے۔ سورہ نساء میں اللہ پاک نے عورتوں کی صفات بیان فرمائی ہیں: " فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ" (النساء: ۳۴) یعنی عورتوں کو دینی اعتبار سے نیک، یعنی حقوق اللہ کی ادائیگی اور شوہروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور شوہروں کی فرمانبرداری اور ان کے غیاب میں اپنی عزت اور شوہروں کے راز اور ان کے مال کی حفاظت کرنا چاہیئے۔ (فتح القدیر: ۱۳۵/۲۔ تفسیر بغوی: ۲۰۷/۲۔ تفسیر البحر المحیط: ۱۹۵/۳)

چونکہ عورتوں کے لئے یہ دونوں کام آسان نہیں ہیں کہ وہ اپنی عصمت کی حفاظت کریں، اور اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کریں اس لئے اللہ پاک نے فرمایا: ''بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ'' یعنی اس حفاظت میں اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال ہوگی، اللہ کی خصوصی مدد اور توفیق کی وجہ سے وہ ان ذمہ داریوں کو ادا کر پائیں گی، ورنہ نفس اور شیطان ان کو بہکا کر ان میں خیانت کروادیں گے۔

نیک بیوی کے لئے پرندے درندے مچھلی اور فرشتوں کی دعائے مغفرت:

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''یَسْتَغْفِرُ لِلْمَرْأَۃِ الْمُطِیْعَۃِ لِزَوْجِھَا الطَّیْرُ فِی الْھَوَاءِ وَالْحِیْتَانُ فِی الْبَحْرِ وَالْمَلَائِکَۃُ فِی السَّمَاءِ وَالسِّبَاعُ فِی الْبَرَارِیْ'' (تفسیر البحر المحیط: ۱۹۵/۳)

اپنے شوہر کی فرمانبردار بیوی کے لئے پرندے ہوا میں، مچھلیاں دریا میں، اور فرشتے آسمانوں میں اور درندے جنگلوں میں استغفار کرتے ہیں۔ (تفسیر البحر المحیط: ۱۹۴/۳)

یہ صفات عورتوں کو اپنانا چاہیے، اس کے بعد دیکھیں کہ گھر کا ماحول کیسے نہیں سدھرے گا؟ اور گھروں میں انقلاب کیسے نہیں آئے گا؟

خواتین صفائی کا خیال رکھیں:

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ صفائی ستھرائی کا اہتمام ہو، خود بھی صاف ہوں اور گھروں کو بھی صاف رکھیں، عورتوں کی طبیعت میں یا تو میک اپ، اور فیشن کا رجحان زیادہ ہوتا ہے، جن میں بعض چیزیں خلاف شرع ہوتی ہیں تو بعض سے شوہر کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، روزانہ نئے نخرے جھیلنے پڑتے ہیں، ناز برداری کرنی پڑتی ہے، یا بالکل میک اپ کا رجحان نہیں ہوتا، بلکہ صفائی ستھرائی کا بھی خاطر خواہ خیال نہیں ہوتا، نہ بالوں میں کنگی کرتی ہیں، نہ کپڑے صاف ستھرے ہوتے ہیں، ہمارے پاس ایک عجیب و غریب مسئلہ ہے، جو خواتین ماڈرن ہیں وہ اچھے انداز میں رہتی ہیں کہ شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے۔ اور جو دینی مزاج رکھنے والی خواتین ہیں وہ ایسی حالت میں رہتی ہیں کہ شوہر دیکھے تو اس کی طرف مائل نہ ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حسن اور جوانی دی ہے، کپڑے دئے ہیں، سب کچھ ہے لیکن

دین کے نام سے یہ سمجھتی ہیں کہ جتنی میلی کچیلی رہیں اتنی ہی دینداری ہے۔ دین میں پاکی اور صفائی کا حکم ہے، حضور پاک ﷺ کبھی میلے کچیلے نہیں رہتے تھے۔ آپ ﷺ سادہ رہتے تھے، لیکن انتہائی صاف ستھرے اور پاکیزہ رہتے تھے، پاکی صفائی الگ ہے اور فیشن الگ ہے، ہم کو پاک صاف رہنے کا حکم ہے۔

حضور ﷺ کی نظافت و نفاست:

آپ ﷺ کے شمائل میں یہ بات لکھی ہے کہ آپ اپنے سر میں کثرت سے تیل استعمال فرماتے تھے۔ جو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ تیل لگانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا وہ بے وقوف ہیں، تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ جو آدمی سر میں تیل زیادہ استعمال کرتا ہے اُس کو غصہ کم آتا ہے، اُس کی طبیعت میں سکون رہتا ہے اور چڑچڑا پن نہیں ہوتا، اُس کو نیند اچھی آتی ہے، مجھے ایک ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ سر پر تیل لگانے سے سر کا دورانِ خون بڑھ جاتا ہے اور آرام کا باعث بنتا ہے۔ آپ ﷺ اپنی ٹوپی مبارک اور عمامہ مبارک میں تیل لگنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے اس کا الگ کپڑا آپ نے رکھا تھا، جس وقت تیل استعمال فرماتے تو وہ کپڑا باندھ لیتے، تاکہ اُس سے ٹوپی اور عمامہ میلا نہ ہو۔ یہ آپ کی نظافت اور نفاست تھی۔

(شمائل محمدیه: ۱/۵۱، رقم: ۳۳)

ہم نے بے ڈھنگے پن کو سادگی کا نام دے رکھا ہے:

ہمارے مردوں میں بھی یہ بات ہونی چاہیے، ان کو بھی پاکی اور صفائی کا اہتمام کرنا چاہیے، ہم نے بے ڈھنگے پن کا نام سادگی دے رکھا ہے، کئی لوگ وہ ہوتے ہیں جو دینی کاموں سے منسلک ہوتے ہیں، اور دین سے منسلک ہونے کی وجہ سے سادگی کا ایک تاثر دینا چاہتے ہیں، اُن کی داڑھی ایک طرف ہوتی ہے، کُرتا ایک کلر کا، پاجامہ ایک کلر کا، ٹوپی ایک الگ کلر کی، اور پھر صفائی کی طرف کوئی توجہ نہیں، سادگی اس کا نام نہیں ہے، یہ بے ڈھنگا پن ہے، اس کو بد سلیقگی کہتے ہیں۔ جیسے مرد چاہتا ہے کہ اس کی بیوی صاف ستھری ہو ایسے ہی عورت

چاہتی ہے کہ اس کا مرد بھی صاف ستھرا ہو، اس کے علاوہ یہ ایک شرعی حکم ہے، اس کا تو پاس ولحاظ کرنا چاہیے۔ ہم کو ایسے ہونا چاہیے کہ دیکھنے والے کو خوشی ہو، اور اسلام کے بارے میں اس پر اچھا اثر پڑے، اور وہ اس کی طرف مائل ہو، ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں دیکھ کر کراہت اور کندراہٹ محسوس کرے۔

تعلقات کی خرابی کی وجہ رشتوں کے صحیح انتخاب کا فقدان ہے:

دراصل ان اختلافات کا ایک اور سبب بھی ہے، وہ ہے رشتوں کا انتخاب اور انتخاب کے وقت اس کا معیار، ہم عموماً دین اور اخلاق دیکھ کر نہیں بلکہ پیسے اور حسن وجمال یا کسی اور چیز کو بنیاد بنا کر نکاح کرتے ہیں، حالانکہ یہ ثانوی درجہ کی چیز ہے، اصل چیز نیکی، تقویٰ اور اخلاق کی عمدگی ہے۔ نکاح کے وقت اس کو مدنظر نہیں رکھتے اور نکاح کے بعد رونے لگتے ہیں۔ حدیثوں میں آپ ﷺ نے فرمایا:

”لا تَنْكِحُوا النِّسَاءَ لِحُسْنِهِنَّ فَعَسىٰ حُسْنُهُنَّ أَنْ يُرْدِيَهُنَّ وَلَا تَنْكِحُوهُنَّ عَلىٰ أَمْوَالِهِنَّ فَعَسىٰ أَمْوَالُهُنَّ أَنْ يُطْغِيَهُنَّ وَانْكِحُوهُنَّ عَلَى الدِّيْنِ وَلَأَمَةٌ سَوْدَاءُ خَرْمَاءُ ذَاتُ دِيْنٍ أَفْضَلُ“(سنن ابن ماجہ: کتاب النکاح: ۱۸۵۹)

عورتوں سے ان کے حسن کی وجہ سے نکاح نہ کرو، ہوسکتا ہے کہ ان کا حسن ہلاکت میں ڈال دے، اور عورتوں سے ان کے مال کی وجہ سے نکاح نہ کرو، ہوسکتا ہے کہ ان کا مال تمہیں سرکشی اور نافرمانی میں مبتلا کر دے۔ لیکن تم ان سے دین کی بنیاد پر نکاح کرو، اور یاد رکھو کہ کان چھدی ہوئی اور ناک کٹی ہوئی کالی باندی جو دیندار ہو وہ ان سے افضل ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا:

”تُنْكَحُ النِّسَاءُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفُرْ بِذَاتَ الدِّيْنِ“(سنن ابن ماجہ: کتاب النکاح: ۱۸۵۸)

عورتوں سے چار وجوہات کی بنیاد پر نکاح کیا جاتا ہے، یا تو مال کی وجہ سے، یا دنیوی اعتبار سے اعلی حسب ونسب کی وجہ سے، یا خوبصورتی کی وجہ سے، یا دین کی وجہ سے، تم دین دار

لڑکی کو تلاش کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اس کے علاوہ محبت کرنے والی بچے جننے والی عورتوں سے آپ نے نکاح کی ترغیب دی ہے۔ رشتوں کے انتخاب میں حضور پاک علیہ السلام کی یہ تعلیمات ہیں، کیا ہم ان تعلیمات کو مد نظر رکھتے ہیں؟ کیا رشتوں کا انتخاب اس معیار پر کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ہم نکاح کے وقت ان چیزوں کو ملحوظ نہیں رکھتے اس لئے بعد میں پریشانیوں اور الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان الجھنوں سے اور ان مصائب سے اور ان فتنے والی چیزوں اور حالات سے بچنا ہے اور ان کی فکر کرنا ہے کہ کیسے ان سے بچا جائے؟

گھریلو حالات کے سدھار کے لئے کامیاب ترکیب:

خاص کر ایسے حالات میں سدھار اور اصلاح کی بہت زیادہ ضرورت ہے، ذہن سازی کی بہت زیادہ ضرورت ہے، دینی مزاج بنانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، اس کے لئے کچھ کوشش کرنی پڑتی ہے، بزرگوں نے لکھا ہے کہ یہ ساری چیزیں گھروں میں تعلیم سے آتی ہیں۔ آج کے زمانے میں گھریلو ماحول کے سدھار کی بہت ہی کامیاب ترکیب گھروں میں تعلیم کا نظام ہے، بیوی بچوں کا ذہن بنانے کا سب سے بہترین ذریعہ گھر کی تعلیم ہے۔ اگر آپ گھر میں تعلیم شروع کریں تو آپ کو خود اس کا اثر محسوس ہو گا، اگر روزانہ دس پندرہ منٹ اپنے گھر والوں کو اللہ اور اُس کے رسول کی بات گوش گزار کی جائے تو حالات میں ان شاء اللہ بہتری آئے گی، اس کا تجربہ کر کے دیکھیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بیوی بچے پوری طرح فرمانبردار رہیں، لیکن اس کے لئے کچھ کرتے نہیں، ہمارے بچے صبح سے شام تک خرافات دیکھتے رہتے ہیں، ہم میں جرأت، بے باکی، بدتمیزی، بے ہودگی، بہت سی خرابیاں ہوتی ہیں، اور پھر یہی خرابیاں ہم اپنے بچوں میں دیکھتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کا ایک واقعہ:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ میں تین چار سال کا تھا، اُس وقت میرے ایک عزیز نے میرے لیے قیمتی مخمل کی صدری سلوا دی، جب والد صاحب گھر میں آئے اور دیکھا کہ میں صدری پہنا ہوا ہوں اور شوخی کر رہا ہوں تو لکھتے ہیں کہ والد

صاحب نے جوتالے کر مجھے اتنا مارا کہ جس کی کوئی حد نہیں، لیکن جو نفسیات کا ماہر ہے اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ صدری کے پہننے سے اس کا دماغ کہاں جارہا ہوتا ہے، انہوں نے اس کو بھانپ لیا، اور اس پر تنبیہ کی، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بچہ ہے، اس کو شان کرنے دینا چاہیئے، کھیلنے دینا چاہیے، کبھی وہ ستانے لگتا ہے تو اس کو ٹی وی کے سامنے بٹھا دیا جاتا ہے تاکہ اُس کا دل بہل جائے، اگر وہ بڑے پن کی باتیں کررہا ہے تو اس کو کہنے دیتے ہیں کہ بچہ ہے، اس کو بولنے دینا چاہیے، یہ ہمارا تصور غلط ہے، ہمارا ایسا تائثر نہیں ہونا چاہیے، یہ وہ بیج ہیں جو اس وقت اس کے دماغ میں بوئے جارہے ہیں، اور جیسے بیج بوئے جاتے ہیں ویسے ہی درخت اور اس کا پھل سامنے آتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دن اور آج کا دن ہے کہ میرے دماغ سے خناس نکل گیا، حالانکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا، قصور کسی اور کا تھا لیکن مار مجھ پر پڑی۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب نے بڑی سختی سے خاص انداز میں ان کی تربیت فرمائی تھی، ہر کوئی اُسے نبھا نہیں سکتا۔ بعض لوگوں کے ساتھ ایسی استثنائی صورت ہوتی ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ بچے کی کس طرح نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ ان کی فکر کرنی چاہیے کہ ان کے عادات واطوار میں شریعت کے خلاف کوئی بات تو نہیں۔ ان کا لباس کیسا ہے؟ کہیں شریعت کے خلاف تو نہیں ہے؟ ان کا مزاج کیسا ہے؟ کہیں شریعت کے خلاف تو نہیں ہیں؟ ان کی صفات کیسی ہیں؟ کہیں شریعت کے خلاف تو نہیں ہے؟ عجب ہے، خود پسندی ہے، بڑا پن ہے، دوسروں کی تحقیر اور تذلیل ہے، دوسروں کے ساتھ بدتمیزی ہے، یہ سب صفاتِ رذیلہ ہیں۔ ان کو لاڈ میں گوارا نہیں کیا جاسکتا۔

گھر کی تعلیم کیسی ہونی چاہیے؟

اس لئے ہر آدمی اس بات کا اہتمام کرے کہ اس کے گھر میں تعلیم کا نظم ہو، ”فضائلِ اعمال“ کی تعلیم شروع کی جائے، یا اس کے علاوہ ترغیب اور ترہیب سے متعلق دوسری مستند کتاب علماء سے مشورہ کرکے پڑھے، مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ”تحفۂ خواتین“ بھی

بڑی اچھی کتاب ہے۔ وہ بھی پڑھ سکتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ مسائل کی بھی تعلیم کا اہتمام کیا جائے، روزانہ ایک مسئلہ ''بہشتی زیور'' سے بیان کیا جائے، اوراس کے ساتھ ساتھ سیرت کی مستند کتب وغیرہ کی بھی تعلیم کرنی چاہیے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کی ایک کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے، اس کتاب کے بارے میں یہ تجربہ ہے کہ جس بستی میں یہ کتاب پڑھی جاتی ہے اللہ پاک اس کو طاعون اور وباؤں سے محفوظ رکھتے ہیں، کئی مرتبہ اس کا تجربہ کیا گیا۔

نبیِ رحمت کے تذکرہ سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے:

''سیرتِ مبارکہ'' کے پڑھنے میں بڑی برکت ہے۔ چونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت ہیں، اُس رحمت والے نبی کا ذکر کرنے سے رحمت آتی ہے اور زحمت دور ہوتی ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کرنے کے لئے اور آپ سے تعلق بڑھانے کے لئے سیرت کی تعلیم کریں گے تو اُس کی برکت ظاہر ہوگی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعلقین اور منتسبین کے لیے کتابیں تجویز کیا کرتے تھے کہ یہ یہ کتب پڑھیں۔ پہلے اس کو پڑھیں، اس کے بعد اس کو پڑھیں، اُن سب کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے، اُس کا نام ''اصلاحی نصاب'' رکھا گیا ہے۔ اُسے بھی پڑھ سکتے ہیں۔

صحابہ اور اولیاء اللہ کے واقعات پڑھنے کے اثرات:

اس کے علاوہ بزرگوں کے واقعات بھی سننے اور سنانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ بزرگوں کے واقعات پڑھنے اور سننے سے آدمی بہت زیادہ متأثر ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ والوں کی ہر چیز میں برکت ہوتی ہے، اُن کے واقعاتِ زندگی اور حالاتِ زندگی سنانے میں بھی بڑی برکت ہوتی ہے، چاہے صحابہ کے واقعات ہوں یا بزرگانِ دین کے، اُن میں غیر معمولی تأثر انسانی ضمیر اور انسانی قلب پر پڑتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ جن کی مائیں بچپن میں اپنے بچوں کو رات سوتے ہوئے صحابہ اور بزرگوں کے واقعات سناتی ہیں عام طور پر ایسے بچے نیک نکلتے ہیں۔ بلکہ

اگر آپ بزرگوں کی تاریخ پڑھیں گے تو پتہ چلے گا کہ ان میں سے بہت سارے ایسے ملیں گے جن کی والدہ یا دادی یانانی بچپن میں انہیں اللہ والوں کے واقعات سنایا کرتی تھیں۔ کیونکہ اگر بچے کو شروع میں اس طرح کی بات سنائی جائے تو اس پر ویسا ہی اثر پڑتا ہے، اور اس کا ذہن بھی ویسا ہی بنتا ہے، ہم لوگ اُلٹی سیدھی کہانیاں اور قصے سناتے ہیں۔ تو بچے انہی اثرات کے ساتھ بڑے ہوتے ہیں، اگر شروع ہی میں ان چیزوں کا دھیان رکھا جائے تو پھر بعد میں انہیں جھیلنا نہ پڑے گا۔ اللہ پاک ہماری اور ہمارے گھروں کی تمام شر و فتن سے پوری پوری حفاظت فرمائے۔ اور گھروں کا نظام بہتر سے بہتر بنائے۔ (آمین)

بے حیائی کا فتنہ:

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

’’يَا بَنِيْ آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔ يَا بَنِيْ آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا إِنَّهٗ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ وَإِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ‘‘ (الاعراف: ۲۶ تا ۲۸)

’’اے اولاد آدم ہم نے تمھارے لیے لباس پیدا کیا جو کہ تمھاری پردہ داریوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجبِ زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس اس سے بڑھ کر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں، اے اولادِ آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا اس نے تمہارے دادا دادی کو جنت سے باہر کرادیا ایسی حالت سے کہ ان کا لباس بھی ان سے اتروادیا تاکہ ان کو ان کا پردہ کا بدن دکھلائی دینے لگے وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو، ہم شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے

اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہم کو یہی بتلایا ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا، کیا خدا کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے"

اس امت سے سب سے پہلے حیاء اور امانت اٹھالی جائے گی:

فتنوں سے متعلق مضامین آپ حضرات کے سامنے ذکر کئے جا رہے تھے، انہیں میں سے ایک مضمون بے حیائی اور لباس سے متعلق ہے، قربِ قیامت یہ فتنہ بھی بہت عام ہو جائے گا، مردوں اور عورتوں میں بے حیائی عام ہو جائے گی۔ اس لئے ارادہ ہوا کہ کچھ باتیں اس تعلق سے آپ کے سامنے ذکر کی جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَوَّلُ مَا يُرْفَعُ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْحَيَاءُ وَالْأَمَانَةُ" (شعب الایمان: ۵۲۷۶)

سب سے پہلے اس امت سے حیاء اور امانت اٹھائی جائے گی۔ ایک حدیث میں فرمایا:

"لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَظْهَرَ الْفَحْشُ" (المستدرک علی الصحیحین: کتاب الفتن: ۸۵۶۶)

قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ فحش ظاہر ہوگا۔

لباس ایک نعمت ہے:

جو آیتیں میں نے پڑھی ہیں ان میں اللہ پاک نے اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے، اور اس کو شیطانی فتنہ قرار دیا ہے کہ انسان بے حیاء بن جائے، اور ننگا بن کر پھرتا رہے، پہلے اس آیت کی تشریح ذہن میں رکھیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت میں لباس کا ذکر فرمایا ہے، لباس اللہ پاک کی ایک عظیم نعمت ہے، اور انسان کی فطری خواہش کے ساتھ ساتھ ضرورت بھی ہے، اس لئے اس کی قدر کرنی چاہیے، اللہ پاک کا یہ خطاب تمام ابن آدم کو ہے، جس میں مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی سب شامل ہیں، سب کے لئے لباس کو باضابطہ فرض کیا گیا ہے۔

ان آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کا واقعہ بیان فرمایا، جس میں شیطان کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک بھول ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے ان کا اور حضرت حواء

کا جنتی لباس اتر گیا، اور انہوں نے پتوں سے اپنے ستر کو چھپایا تھا، اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان آیات کو ذکر فرمایا، جس میں لباس کی اہمیت اور اس کے بنیادی مقاصد کو ذکر فرمایا۔

لباس کے دو بنیادی مقصد:

(۱) ایک تو یہ ہے کہ وہ جسم کو چھپاتا ہے، خاص طور پر "سَوْءَ اتٌ" یعنی جسم کا وہ حصہ جس کے اظہار سے شرمندگی معلوم ہوتی ہے، لباس کی وجہ سے آدمی اس سے بچتا ہے، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ سردی اور گرمی سے حفاظت بھی ہوتی ہے۔ اور اس آیت میں پہلے ستر کا ذکر کیا گیا، کیوں کہ انسانی لباس کا اصل مقصد ستر کا چھپانا ہے، اور اسی کی وجہ سے وہ جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے، جانوروں کا لباس وہ ہے جو قدرتی طور پر ان کے بدن پر بال یا کھال کی شکل میں بنادیا گیا ہے، ان میں ستر پوشی کا اتنا اہتمام نہیں، البتہ اعضائے مخصوصہ کو اس انداز میں رکھا گیا ہے کہ وہ بالکل کھلے نہ رہیں، کہیں ان کو دم سے چھپایا گیا ہے تو کہیں کسی اور طریقے سے۔

لباس کا دوسرا مقصد:

لباس کا دوسرا مقصد زینت ہے، مرد کے لباس میں مردوں کے لیے زینت ہے اور عورتوں کے لباس میں عورتوں کے لیے زینت ہے۔ ریش اس لباس کو کہتے ہیں جو آدمی بطور زینت استعمال کرتا ہے، ستر چھپانے کے لئے تو مختصر لباس کافی ہوتا ہے، لیکن اللہ پاک نے ستر سے زیادہ اس لئے لباس عطا کیا، تاکہ اس کے ذریعہ زینت حاصل کی جائے، اور پھر زینت کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک زینت تو اس معنیٰ کر ہے جو یہاں مذکور ہے، اور ایک زینت کپڑے کی عمدگی، اور اس کی خوبصورتی اور اس کے نقش ونگار کے اعتبار سے ہوتی ہے، اس کی بھی اجازت ہے، البتہ اس کے کچھ حدود و قیود ہیں، جن کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

ایک نکتہ:

اس جگہ اللہ پاک نے "اَنْزَلْنَا" یعنی اتارنے کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس سے مراد دینا اور عطا کرنا ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اللہ پاک آسمان سے لباس بنا کر نہیں اتارتے، لیکن علماء نے

لکھا ہے کہ اس لفظ کو ذکر کرنے میں بھی حکمت ہے، اور یہاں اس سے لباس کا سبب یعنی بارش مراد ہے، کیونکہ بارش کے ذریعہ روئی اور اون وغیرہ پیدا ہوتی ہے، جس سے کپڑا بنایا جاتا ہے، یا بارش کی وجہ سے وہ جانور زندہ رہتے ہیں جن کی کھال اور جن کے بال انسان استعمال کرتے ہیں، اور ان کو لباس بناتے ہیں، اس لئے لفظ ''اَنْزَلْنَا'' سے اشارہ کیا کہ لباس ہم نے ہی اتارا ہے، اگر یہ بارش نازل ہی نہ ہو تو پھر نہ روئی بنے گی، نہ جانور زندہ رہیں گے کہ جن کی کھال اور بال سے تم اپنا لباس بنا سکو۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶۱/۷)

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ جس طرح آسمان سے اترنے والی چیزوں میں کسی انسانی تدبیر کا دخل نہیں ہوتا، اسی طرح لباس کا جو اصل مادہ ہے یعنی روئی یا اون وغیرہ ہے اس میں بھی کسی انسانی تدبیر کو ذرّہ برابر بھی دخل نہیں، وہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے، اس کو اللہ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ (روح المعانی: ۱۴۶/۶) اس کے بعد انسان اپنی ضرورت اور راحت کے اعتبار سے اس کو بنالیتا ہے، اس میں اس کی کاریگری اور استعداد کام آتی ہے۔ وہ بھی در حقیقت محض اللہ کی عطا اور اس کا احسان ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حواء کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لباس کا حکم ذکر فرمایا، اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ انسان کے لئے ننگا ہونا اور اس کے ستر کا لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جانا بڑی شرم، انتہائی ذلت ورسوائی اور بے حیائی کی بات ہے۔

شیطان کا سب سے پہلا حملہ:

انسان پر شیطان کا سب سے پہلا حملہ اس کو ننگا کرنے کی صورت ہی میں ہوا، آج بھی یورپی تہذیب مرد وخواتین کو برہنہ کرنے میں لگی ہوئی ہے، آج بھی شیطان جب انسان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو تہذیب کے نام پر سب سے پہلے اس کو برہنہ کرکے لوگوں میں کھڑا کر دیتا ہے اور آج شیطان ہی نے ان کے ذہنوں میں عورت کو شرم وحیاء سے خالی اور برہنہ کرکے منظر عام پر لانے کو ترقی اور عزت کا نام دیا ہے۔

اسلام کے بعد سب سے پہلا فرض:

اسلام لانے کے بعد سب سے پہلا حکم اور سب سے پہلا فرض لباس پہننے اور ستر کو چھپانے کا ہے۔ جیسے ہی آدمی اسلام قبول کرتا ہے تو اس کو ستر کا چھپانا فرض ہو جاتا ہے، بلکہ نماز کے حکم سے پہلے لباس کا حکم ہے، کیونکہ لباس خود نماز کی شرائط میں سے ہے۔ شیطان نے سب سے پہلے انسان پر اس طرح حملہ کیا اور اس کو برہنہ کرنے کی کوشش کی تو حق تعالیٰ نے اس کا اتنا اہتمام کیا کہ ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض اسی کو قرار دیا، اور اس کے بعد نماز، روزہ وغیرہ کا حکم دیا۔

لیکن جتنا زیادہ ہمارے لئے ستر کا حکم ہے اتنا ہی ننگا پن ہمارے اندر پایا جاتا ہے، اتنی ہی بے حیائی معاشرہ میں پائی جاتی ہے۔ آج کے معاشرہ کا حال آپ ﷺ نے اس حدیثِ مبارکہ میں بیان فرمایا ہے: ’’رُبَّ کَاسِیَاتٍ عَارِیَاتٍ مَائِلَاتٍ مُمِیْلَاتٍ لَا یَدْخُلْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا یَجِدْنَ رِیحَھَا‘‘ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۸۸۹۷)

اس زمانے کے آخر میں ایسی عورتیں ہوں گی جو کپڑے پہنے کے باوجود بھی ننگی ہوں گی، خود بھی مائل ہوں گی اور دوسرے مردوں کو مائل کرنے والی ہوں گی، وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گی۔

بے ستری کی صورتیں:

جس وقت آپ علیہ السلام نے یہ حدیث پاک بیان فرمائی اس وقت سے لے کر ماضی قریب تک شارحینِ حدیث نے اس کی مختلف توجیہات اور تاویلات کی ہیں، اور کافی پریشان رہے ہیں کہ یہ کیسے ہوگا کہ عورت کپڑا پہننے کے باوجود ننگی ہو؟ کپڑا بھی ہو اور برہنہ بھی ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن آج سب جانتے ہیں کہ ننگا پن کس عروج پر ہے؟ یا تو جسم پر بالکل کپڑے ہی نہیں ہیں، جیسا کہ مغربی ممالک میں عام ماحول ہے، یا پھر جسم پر آدھے کپڑے ہیں، یہ ماحول مشرق میں پھیلتا جا رہا ہے، یا پھر سارے جسم پر کپڑے ہیں لیکن جالی والے ہیں جس سے جسم نظر آتا ہے، یا اتنے تنگ ہیں کہ اعضاء کا حجم ظاہر ہوتا ہے۔

پچاس عورتیں ایک آدمی کے پیچھے ہوں گی:

آپ ﷺ نے اس سے بھی آگے کا حال بیان فرمایا کہ زنا اتنا عام ہو جائے گا کہ ایک ایک مرد کے پیچھے پچاس پچاس عورتیں ہوں گی:

”وَيَظْهَرُ الزِّنَا وَيَقِلُّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرُ النِّسَاءُ حَتّٰى يَكُوْنَ قَيِّمٌ وَاحِدٌ عَلٰى خَمسِيْنَ امْرَأَةً“

(المستدرک علی الصحیحین: کتاب الفتن: ۸۵۱۳)

اور زنا ظاہر ہو گا، مرد کم ہو جائیں گے، عورتوں کی کثرت ہو گی، یہاں تک کہ ایک آدمی پچاس پچاس عورتوں کا ذمہ دار ہو گا۔ آج مغرب میں یہ چیز بہت عام ہے، کلب بنے ہوئے ہوتے ہیں، گھر بنے ہوتے ہیں، باضابطہ ان کا مقصد یہی ہوتا ہے، بیہودہ حرکتیں کرنا ان کا مشغلہ ہوتا ہے، وہاں یہ پیشین گوئی عین صادق آتی ہے۔

زن، زر اور زمین فتنہ ہے:

کسی کہنے والے نے کہا ہے کہ زن، زر، زمین فتنہ ہیں، زن معنیٰ عورت، زر یعنی سونا چاندی، زمین تو زمین ہے، ان سے مراد مال و دولت ہے، یہ تین چیزیں فتنہ ہیں، اور قرآن وحدیث میں بھی ان کو فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِي النَّاسِ فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ“ (سنن ترمذی: ۲۳۳۹)

میں نے اپنے بعد مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنہ سے زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔ ایک روایت میں ہے:

”إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَتَخَوَّفُ عَلَيْكُمْ فِتْنَةُ النِّسَاءِ إِذَا تَسَوَّرْنَ الذَّهَبَ وَلَبِسْنَ رَيْطَ الشَّامِ فَأَتْعَبْنَ الْغَنِيَّ وَكَلَّفْنَ الْفَقِيْرَ مَا لَا يَجِدُ“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۲۸۱)

بے شک مجھے تمہارے اوپر جس فتنہ کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ عورت کا فتنہ ہے، جب کہ وہ سونے کے زیورات پہنیں گی، شام کا نرم لباس پہنیں گی، مالداروں کو تھکا دیں گی، اور فقیر کو ایسی چیزوں کا مکلف بنائیں گی جس کی وہ استطاعت نہیں رکھے گا۔ اور اسی وجہ سے احادیث میں فرمایا گیا:

”فَاتَّقُوا الدُّنیَا وَ اتَّقُوا النِّسَاءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتنَۃِ بَنِیْ اِسرَائِیْلَ کَانَت فِی النِّسَاءِ“(سنن نسائی :۹۲۶۷ وصحیح مسلم: ۲۷۴۲)

دنیا کے فتنہ سے بچو، اور عورتوں کے فتنہ سے بچو، کیونکہ بنی اسرائیل کا سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کا تھا۔

عورتیں راستے میں پڑے ہوئے جوتے کو پہچان لیں گی:

اور یہ فتنہ اتنا بڑھ جائے گا اور بے حیائی کا یہ عالم ہو گا کہ راستے میں اگر جوتا پڑا ہوا ہو تو عورتیں اس جوتے کو پہچان لیں گی کہ یہ فلاں کا جوتا ہے، فلاں نے اس کو پہنا تھا، ”لَیَأتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَجِدُ النِّسوَۃَ نَعْلًا مُلقًی عَلَی الطَّرِیْقِ فَیَقُوْلُ بَعضُھُنَّ لِبَعْضٍ قَد کَانَت ھٰذِہٖ النَّعْلَۃُ مَرَّۃً لِرَجُلٍ“(المستدرک علی الصحیحین: کتاب الفتن: ۸۵۱۳)

راستوں پر زنا سے روکنے والا وقت کا ابو بکر و عمر جیسا ہو گا:

ان سب سے آگے اور خطرناک بات آپ نے ارشاد فرمائی کہ عین راستے پر زنا ہو گا، لوگوں کے سامنے یہ بیہودہ حرکت کی جائے گی:

”لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی . . . تُؤخَذَ المَرأَۃُ نَھَارًا جِھَارًا تُنْکَحُ وَسْطَ الطَّرِیْقِ لَا یُنْکِرُ ذٰلِکَ أَحَدٌ فَیَکُوْنُ أَمْثَلُھُمْ الَّذِیْ یَقُوْلُ: لَوْ نَحَّیْتَھَا عَنِ الطَّرِیقِ لَیْلًا فَذَاکَ فِیْھِم مِثْلُ أَبِيْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ فِیْکُمْ“ (المستدرک: کتاب الفتن: ۸۵۱۶)

قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ عورت سے دن میں علانیہ سب کے سامنے راستے کے درمیان زنا کیا جائے گا، اور کوئی اس وقت انکار نہیں کرے گا، اور جو اس وقت ان سے یہ کہے گا کہ اگر تم راستے سے ہٹ کر رات میں یہ کام کر لو تو وہ ان میں ایسے درجہ پر ہو گا جیسے تم میں ابو بکر اور عمر ہیں۔ یہ پیشین گوئی بھی مغربی ممالک میں بالکل صادق آتی ہے، وہاں ان کاموں کے لئے نہ دن کوئی چیز ہے اور نہ رات، لوگوں کے پیچھے، لوگوں کے سامنے، گھروں میں راستوں میں، سب کے سامنے اس کو کیا جاتا ہے، ایسے ماحول میں اس سے بچنا بڑا مشکل ہوتا ہے، اس لئے اس وقت اس سے بچنے اور روکنے کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔

حیاء نہ ہو تو پھر کچھ بھی نہیں:

یہ سب دراصل حیاء نکل جانے کی وجہ سے ہو گا۔ حدیث میں ہے: جب حیا نکل جائے تو جو چاہے کرو! ”إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِیْ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ“ (صحیح بخاری: کتاب الادب: باب اذا لم تستحیی فاصنع ماشئت، ۶۱۲۰)

جب انسان کے اندر سے حیا نکل جاتی ہے تو کپڑے بھی اتر جاتے ہیں، زنا بھی عام ہو جاتا ہے، آج کے قوانین یہ ہیں کہ اگر دونوں کی رضامندی ہے تو پھر زنا بھی کوئی چیز نہیں، اور زنا گھروں میں نہیں، راتوں میں نہیں بلکہ دن میں سڑکوں پر کیا جاسکتا ہے، ظاہر ہے کہ جب معاشرہ کی یہ حالت ہو جائے گی تو ان میں زنا سے پیدا ہونے والی اولاد کی بھی کثرت ہو گی، اور ان کی کثرت بھی قربِ قیامت کی علامت ہے، امریکی فوج میں آپ دیکھیں کہ ان کی اکثریت زنا ہی کی پیداوار ہے، ان کے کوئی ماں باپ تو ہیں نہیں، اس لئے لے جا کر ان کو فوج میں بھرتی کر دیا جاتا ہے۔ حیاء ایک ایسی صفت ہے جو سارے دین پر چلنے کا سبب بنتی ہے، گناہوں اور منکرات سے بچنے کا سبب بنتی ہے، نیکیوں اور اطاعت پر ابھارتی ہے، اگر آدمی میں حیا اور شرم ہی نہ ہو تو پھر وہ جو چاہے کرتا ہے، اس کا دین پر چلنا مشکل ہوتا ہے۔ اسلام میں جس فریضہ کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اس کے بارے میں امت کا یہ حال ہے کہ امت نے اس کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔

لباس پہنتے وقت نبی علیہ السلام نے ہم کو جو دعا سکھلائی ہے اس میں اسی کی تعلیم دی ہے کہ اس کا مقصد ستر چھپانا اور زینت حاصل کرنا ہے، لیکن ہم دعا پڑھتے ہی نہیں، یا پڑھتے ہیں تو اس طرف دھیان نہیں دیتے، اس وجہ سے نہ اس کا مقصد ہم جانتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔

لباس پہنتے وقت دعا کی ترغیب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نیا لباس پہنے تو یہ دعا پڑھے: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ“ (تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۰۰)

”اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسا لباس پہنایا جس کے ذریعہ میں اپنے ستر کو چھپاتا ہوں اور زینت حاصل کرتا ہوں“ انسان کو اللہ پاک نے یہ دو مقاصد یاد دلا کر اس پر شکر ادا کرنے کی ترغیب دی، لیکن ہمارا لباس ایسا ہے کہ ہم کو وہ مقصد حاصل ہی نہیں ہو رہا ہے کہ شکر ادا کر سکیں۔

نیا لباس پہن کر پرانا لباس صدقہ کرنے کا اجر:

ایک فائدہ کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے اگلے جملہ میں آپ ﷺ نے نیا لباس پہننے کے بعد ایک اور حکم بیان فرمایا، وہ یہ ہے کہ نیا لباس پہننے کے بعد پرانے لباس کو صدقہ کر دیا کرو، ہمارے پاس کپڑوں کے انبار جمع ہو جاتے ہیں، لیکن ہم صدقہ نہیں کرتے، اس کا بڑا ثواب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "ثُمَّ عَمَدَ إِلَى الثَّوْبِ الَّذِيْ أَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهِ كَانَ فِيْ كَنَفِ اللهِ وَفِيْ حِفْظِ اللهِ وَفِيْ سَتْرِ اللهِ حَيًّا وَمَيِّتًا" جو شخص نیا لباس پہننے کے بعد پرانے لباس کو غرباء و مساکین پر صدقہ کرتا ہے تو وہ اپنی موت اور حیات دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اللہ کی پناہ میں آجاتا ہے۔ (سنن ترمذی: کتاب الدعوات: ۳۵۶۰) کیونکہ یہ تو نیا لباس پہن کر زینت میں ہوتا ہے لیکن اس کے غریب بھائی کو ضرورت کا لباس بھی میسر نہیں، اس لئے انسان کو نیا لباس پہنتے وقت یہ یاد دلایا گیا ہے کہ وہ اپنے غریب اور محتاج بھائی کی ضرورت کو محسوس کرے، اگرچہ زینت وہ اختیار نہیں کر سکتا لیکن اس کی مدد کی وجہ سے اس کی ضرورت تو پوری ہو سکتی ہے۔

جدید فلسفہ اور نظریۂ ارتقاء کا رد:

یہاں ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اس تفصیل سے اور ان آیاتِ قرآنیہ سے جدید فلسفہ کا رد بھی ہوتا ہے، جو کہتا ہے کہ انسان پہلے ننگا تھا، جانوروں کی شکل میں تھا، آہستہ آہستہ پھر اس کی یہ شکل بنی، اول تو یہ ان کا من گھڑت خیال ہے، جس پر نہ کوئی ثبوت ملتا ہے، نہ کسی نے اس کا مشاہدہ کیا، نہ اس طرح کا کوئی تجربہ سامنے آیا، اگر واقعۃً یہی بات ہوتی تو تاریخ انسانی میں کسی نے کہیں یہ واقعہ دیکھا ہوتا، یا اس بارے میں کچھ کہا ہوتا، یا اس کو نقل کیا ہوتا، لیکن ایسا کچھ نہیں ہے، جب کہ قرآن و حدیث دوٹوک اور واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی قدرت سے مٹی سے پیدا کیا، اور ان کی پسلی سے حضرت حواء کو پیدا کیا، اور ان کی فطرت میں حیاء رکھی، ایک بھول کی وجہ سے جب ان کا لباس جنت میں اتر گیا تو وہ اپنے ستر کو جنت کے پتوں سے چھپانے لگے۔ اور اللہ نے انہیں زمین پر بھیجا، پھر وہیں سے ان کی نسل چلی۔

تقویٰ کا لباس:

لباس کے یہ دو مقصد بیان کرنے کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ اس کے علاوہ لباس کی ایک اور قسم ہے، اور وہ ہے تقویٰ کا لباس، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ“ اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔ اصل تو یہی لباس ہے، جسمانی لباس بھی پہننے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بھی تقویٰ کے لباس کا ایک حصہ ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

وَخَيْرُ لِبَاسِ الْمَرْءِ طَاعَةُ رَبِّهٖ... وَلَا خَيْرَ فِيْ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ عَاصِيًا (تفسیر قرطبی: ۱۶۱/۷)

آدمی کا بہترین لباس اپنے رب کی اطاعت ہے، اور اس آدمی میں کوئی خیر نہیں جو اللہ کا نافرمان ہو۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: تقویٰ کے لباس سے مراد وہ خاص لباس مراد ہے، جس کو متقی قیامت کے دن پہنیں گے۔ ”هُوَ مَا يَلْبَسُهُ الْمُتَّقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ (تفسیر ابن کثیر: ۴۰۰/۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لباسِ تقویٰ سے مراد اعمالِ صالحہ اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ (روح المعانی: ۱۴۷/۶)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح ظاہری لباس انسان کے ستر کے لئے پردہ اور سردی گرمی سے بچنے اور زینت حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح تقویٰ، اعمالِ صالحہ اور خوفِ خدا بھی ایک معنوی لباس ہے، جو انسان کے اخلاقی عیوب اور کمزوریوں کا پردہ ہے، اور دائمی تکلیفوں اور مصیبتوں سے نجات کا ذریعہ ہے اسی لئے وہ سب سے بہتر لباس ہے۔

تقویٰ کا لباس نہ پہنیں تو ذلت کا لباس پہننا پڑے گا:

اس لباس کو پہننا چاہیے، اگر ہم تقویٰ کا لباس نہ پہنیں، اور خوفِ خدا ہمارے اندر نہ ہو، اور ہمارے اعمال صحیح نہ ہوں تو چاہے ہم کتنا ہی چھپے ہوئے کیوں نہ ہوں ہمیں ذلت کا لباس پہننا پڑے گا۔ ایک حدیث میں آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ اَحَدٌ قَطُّ سِرًّا اِلَّا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ رِدَاءً عَلَانِيَةً اِنْ خَيْرًا فَخَيْرًا وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ“ (تفسیر طبری: ۳۶۸/۱۲)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کوئی آدمی عمل نہیں کرتا ہے کوئی بھی چھپا کر مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس عمل کی چادر اڑھا دیتے ہیں، نیک عمل ہو تو نیکی کی اور برا عمل ہو تو برائی کی "یعنی جس طرح جسم پر اوڑھی ہوئی چادر سب کے سامنے ہوتی ہے، اسی طرح انسان کا کیا ہوا اچھا یا برا عمل اور اس کے اثرات اللہ تعالیٰ ظاہر کر دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس کے ذریعہ ستر چھپانے کا اصل مقصد تقویٰ اور خوف خدا ہے۔

آگے فرمایا: ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ یعنی انسان کو لباس کی یہ تینوں قسمیں عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے احکام میں سے ہے، تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

ہماری برہنگی کو شیطان اور اس کا قبیلہ دیکھتا اور دکھاتا ہے:

اس کے بعد فرمایا:

''یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا اِنَّہٗ یَرٰىکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ''

اے اولادِ آدم شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا اس نے تمہارے دادا دادی کو جنت سے باہر کرا دیا ایسی حالت سے کہ ان کا لباس بھی ان سے اتروا دیا تاکہ ان کو ان کا پردہ کا بدن دکھلائی دینے لگے وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو ہم شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت میں وہی تنبیہ فرمائی کہ جس طرح تمہارے جد امجد کو شیطان نے فتنہ مبتلا کیا تھا ویسا کہیں تمہارے ساتھ نہ ہو جائے، شریف آدمی کے لئے یہ بہت ہی زیادہ شرم اور افسوس کی بات ہوتی ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کا لباس اُتر جائے، اس کے علاوہ ایک اور قباحت اس میں یہ ہے کہ شیطان اور اُس کا خاندان اور قبیلہ اس کو دیکھتے ہیں، جب کہ وہ انہیں نہیں دیکھ پاتا، ان سے نہ ہم لوگ چھپے ہوئے ہیں، نہ ہمارے حالات چھپے ہوئے ہیں اور نہ ہمارے اعمال چھپے ہوئے ہیں، وہ ہم کو اور ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ لیکن ہم اُن کو بالکل بھی نہیں

دیکھ سکتے کہ وہ کہاں گھات لگائے بیٹھے ہیں؟ اور وہ کس طرح ہم لوگوں پر حملہ کر رہے ہیں؟ اور کس طرح فتنے میں ڈال رہے ہیں؟ ہمیں اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس کا داؤ زیادہ چل جائے، اس کی تدابیر کہیں کارگر نہ ہو جائیں، اور اس کا اثر ہم پر نہ ہو جائے، اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ کافروں کے تو وہ دوست ہوتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے نہیں، کافروں پر ان کا زور زیادہ چلتا ہے، اور مسلمانوں پر کم، اس لئے ان کے بہکاوے سے بچنا کوئی مشکل کام بھی نہیں۔

کفارِ مکہ کا ننگا طواف اور اس کی شیطانی وجہ:

”وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ (الاعراف:۲۸)

وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہم کو یہی بتلایا ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا، کیا خدا کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے۔

اس آیت کا پسِ منظر بھی یہی بے ہودگی اور ننگا پن ہے، زمانہ جاہلیت میں شیطان نے کفار کو بیہودہ رسموں میں مبتلا کر رکھا تھا، ان میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ قریش کے سوا کوئی شخص بیت اللہ کا طواف اپنے کپڑوں میں نہیں کر سکتا تھا، یا تو وہ کسی قریشی سے اس کا لباس عاریت کے طور پر مانگتا یا پھر ننگا طواف کرتا، اور ظاہر ہے کہ سارے عرب کو قریش کہاں تک کپڑے دے سکتے، اس لئے یہ لوگ اکثر ننگے ہی طواف کیا کرتے تھے، مرد بھی اور عورتیں بھی، کچھ عورتیں اپنے ستر پر کپڑے رکھ لیتیں، اور کچھ رات کے اندھیرے میں طواف کرتی تھیں، اور اپنے اس فعل کی شیطانی حکمت یہ بیان کرتے تھے کہ ”جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں انہی کپڑوں میں بیت اللہ کے گرد طواف کرنا ادب کے خلاف ہے، لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ننگے طواف کرنا اس سے زیادہ خلافِ ادب اور خلافِ فطرت اور بے حیائی کا کام ہے، چونکہ قریش کو اپنے خدامِ حرم ہونے پر فخر تھا اس لئے وہ اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ سمجھتے تھے۔

اتباع قرآن وسنت کی ہوگی آباء واجداد کی رسومات کی نہیں:

جب کوئی انہیں روکتا تو کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے تھے، اس لئے ہم بھی ایسا ہی کریں گے، بلکہ بعض تو کہتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴۰۲/۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بیہودہ رسم کی تردید کی، اور فرمایا کہ یہ ایک فحش کام ہے، جب کہ تم اس کو اچھا سمجھ رہے ہو، اور اس کے لئے آباء واجداد کا سہارا لے رہے ہو، یاد رکھو کہ باپ داداؤں کی اتباع کا سہارا بے وقوفی ہے، کیونکہ اگر کسی بھی عمل کے صحیح ہونے کے لئے باپ داداؤں کا طریقہ کافی ہوتا تو نہ اللہ تعالیٰ کتابوں کو نازل کرتے اور نہ رسولوں کو بھیجتے، اور پھر دنیا میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے آباؤاجداد کے طریقوں پر چلتے ہیں، کیا سب کے طریقے صحیح ہیں، کوئی اس کا قائل نہیں، اس لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ اگر باپ دادا کوئی جہالت کا کام کریں تو وہ جہالت ہی پر مبنی ہوگا، ان کی جہالت قابلِ اتباع نہیں ہوگی، اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ جو حکم دیں اس کو ماننا پڑے گا۔ ایک تو وہ لوگ اس عمل کو باپ دادا کے حوالے سے کرنے لگے، دوسرے یہ کہ اپنے اس جاہلانہ اور بے حیاء عمل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی، اس لئے للہ پاک نے فرمایا کہ یہ اللہ پر بہتان ہے، اللہ تو تم سے یہ کہتا ہے کہ اس طرح کی بیہودگیوں سے اپنے آپ کو دور رکھو، اللہ تعالیٰ اس طرح کے بیہودہ کام کا حکم نہیں دیتا۔ یہ اللہ کی شان قدوسیت کے خلاف بھی ہے، اور یہ اللہ پر انتہائی دلیری، ظلم اور جرم کی بات ہے۔ یہ ان آیات کی مختصر تشریح تھی، جن میں اللہ پاک نے لباس کی اہمیت، اس کے مقاصد اور اس کے فتنہ کو بیان فرمایا۔

اس کے ساتھ اس کے حدود بھی ذہن میں رکھنا چاہیے، کیونکہ ان حدود سے تجاوز بھی فتنہ ہے، کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت میں لباس کی کوئی حد نہیں ہے، اسلام میں لباس میں آزادی ہے، جس طرح چاہے لباس پہن سکتے ہیں، کسی طرح کی روک ٹوک نہیں ہے، در اصل یہ قرآن وحدیث سے دوری اور ناسمجھی کی دلیل ہے، کیونکہ قران وحدیث میں اس کے اصول اور حدود بیان کئے گئے ہیں، جن کا لحاظ کرنا ضروری ہے، جن میں سے کچھ کو تو

قربِ قیامت کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ کچھ حدود مردوں کے لئے ہیں، اور کچھ عورتوں کے لئے، اور کچھ دونوں کے لئے۔ ذیل میں لباس کے چند حدود ملاحظہ کریں:

مردوں کے لباس کے حدود:

(۱) لباس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ ساتر ہو، جسم کو چھپانے والا ہو۔ جس کا اس آیتِ مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) کرتا، پاجامہ، ازار، پینٹ، جبہ، عمامہ وغیرہ، جو اوپر سے نیچے کی طرف جانے والا ہو وہ ٹخنوں کے نیچے نہ ہو۔ کیونکہ حدیث میں ہے:

"مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَفِي النَّارِ" (صحیح بخاری: کتاب اللباس: ۵۷۸۷) ٹخنوں کا وہ حصہ جو ازار سے چھپ جائے وہ جہنم میں جائے گا۔ البتہ عورت اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

(۳) مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کے مشابہ نہ ہو۔

"لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْاَةِ وَالْمَرْاَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ" (سنن ابی داؤد: باب فی لباس النساء: ۴۰۹۸)

جو مردوں کا لباس پہننے والی عورت ہو گی اس پر لعنت ہے اور جو عورتوں کا لباس پہننے والا مرد ہے اس پر لعنت ہے۔

(۴) زعفرانی رنگ کا لباس نہ ہو۔ لیکن عورت کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ زعفرانی رنگ کی دو چادریں پہنے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: هٰذِهِ ثِيَابُ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهَا" (سنن نسائی: کتاب الزینة: ۵۳۳۳ و ۵۳۳۴) کہ یہ کفار کے کپڑے ہیں، انہیں مت پہنو۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے انہیں پھینکنے کا حکم دیا، انہوں نے پوچھا کہ کہاں پھینکوں؟ آپ نے فرمایا کہ آگ میں پھینکو۔

(۵) لباس میں فساق، فجار اور کفار کی مشابہت نہ ہو۔

(۶) لباس کا مقصد ریاکاری، شہرت اور نام و نمود نہ ہو۔

"مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ أَلْبَسَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَوْبًا مِثْلَهُ" زَادَ عَنْ أَبِي عَوَانَةَ «ثُمَّ تُلَهَّبُ فِيهِ النَّارُ

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" (سنن ابی داؤد: باب فی لبس الشهرة: ۴۰۳۳)

جو دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا اللہ تعالیٰ کل قیامت میں اسے اسی کے مثل ذلت والا لباس پہنائیں گے۔ پھر اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اور بعض روایات میں ہے کہ جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ انہیں میں سے شمار ہوتا ہے۔

لباس میں مردوزن کی نقالی اور مشابہت کا فتنہ:

قیامت کے قریب جن فتنوں کا ذکر ہے، ان میں ایک فتنہ غیروں کی مشابہت کا فتنہ ہے، اور ایک فتنہ مردوں اور عورتوں میں ایک دوسرے کی مشابہت کا فتنہ ہے، عورتیں مردوں کی مشابہت اختیار کریں گی، اور مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کریں گے، عورتیں لباس میں، وضع قطع میں، شکل و صورت میں مرد کی مشابہت کو پسند کریں گی اور مرد عورتوں کی مشابہت کو پسند کریں گے، حضور پاک ﷺ نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، اور ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں، عورت کا لباس الگ ہے اور مرد کا لباس الگ ہے۔ عورت کی وضع قطع الگ ہے اور مرد کی وضع قطع الگ ہے۔ آج کے مرد عورتوں کی طرح کان میں بالی، گلے میں چین اور ہاتھوں میں چوڑیوں کی طرح کڑے پہنتے ہیں، جب کہ یہ چیزیں عورتوں کے لئے ہیں، کوئی عورت کی طرح بال رکھے ہوئے ہے، کسی کے بال کھلے ہوئے ہیں تو کسی کو چوٹی ہے، اگر پیچھے سے آپ دیکھیں تو پہچاننا مشکل ہے کہ یہ مرد ہے، مہندی کی طرح ہاتھوں اور پیروں میں ڈیزائن بنائے جا رہے ہیں، ٹیٹو بنائے جا رہے ہیں، اور کپڑوں کے ڈیزائن بھی عورتوں کی طرح بنائے جا رہے ہیں، بالکل خواتین کے لباس کی طرح مردوں کے لباس کی نقش نگاری ہے، اب کیا چیز رہ گئی جو عورتوں میں ہے اور ان میں نہیں، بال عورتوں کی طرح کپڑے عورتوں کی طرح، گلے اور ہاتھوں میں زیور، چین اور کڑے عورتوں کی طرح، ہاتھوں پیروں پر مہندی کی طرح ڈیزائن عورتوں کی طرح، ہمارے نوجوانوں میں اس کا احساس نہیں ہے، ان کو کوئی بتانے والا نہیں ہے، حد یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے معاشرہ میں یہ بات پائی جاتی ہے، لیکن پھر بھی لوگ اپنی اولاد کو اس طرح کرنے سے منع نہیں کرتے۔

(۷) لباس پہن کر تکبر، بڑائی اور فخر نہ کیا جائے۔

(۸) لباس میں اسراف نہ کیا جائے۔

”كُلُوا وَاشْرَبُوا وَالْبَسُوا وَتَصَدَّقُوا فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلَا مَخِيلَةٍ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَا شِئْتَ مَا أَخْطَأَتْكَ اثْنَتَانِ سَرَفٌ أَوْ مَخِيلَةٌ“ (صحیح بخاری: کتاب اللباس: ۵۷۸۳)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھاؤ، پیو اور صدقہ کرو، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو چاہے کھاؤ اور جو چاہے پہنو، لیکن اس میں اسراف، تکبر، بڑائی اور فخر نہ ہونا چاہیے۔

(۹) ریشم کا لباس نہ پہنا جائے۔

”نَهَانَا عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَلُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالْإِسْتَبْرَقِ“ (صحیح بخاری: کتاب المرضیٰ: ۵۶۵۰)

ہم کو نبی ﷺ نے سات چیزوں سے روکا، جن میں سے سونے کی انگوٹھی اور ریشم کا لباس پہننا بھی ہے۔ اس حکم سے بھی عورتیں مستثنیٰ ہیں۔

عورتوں کے لباس کے حدود:

ایسے ہی عورتوں کے لباس کے بھی کچھ حدود اور شرائط ہیں:

(۱) مثلاً عورتوں کے بارے میں اصول یہ ہے کہ وہ لباس میں مردوں کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ (سنن ابی داؤد: باب فی لباس النساء: ۴۰۹۸)

(۲) ایسا لباس پہنیں جو ساتر ہو، چھپانے والا ہو، جس میں سے بدن نہ دکھائی دے، یا ایسا چسپاں نہ ہو کہ اعضاء کی نشو نما اور ساخت معلوم ہو۔

”صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا“ (صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینۃ: ۵۷۰۴)

اہل جہنم کی دو قسمیں ہیں، ان میں سے ایک وہ عورتیں ہیں جو کپڑا پہننے کے باوجود ننگی نظر آرہی ہوں گی، یا تو کپڑے میں سے ان کا جسم چھلک رہا ہو گا، یا جسم تو نہ چھلکے لیکن کپڑے اتنے چست اور چسپاں ہوگے کہ اعضاء کی ساخت نظر آرہی ہو گی۔ ایسی عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی خوشبو سونگھ پائیں گی، جب کہ جنت کی خوشبو کتنی ہی بڑی اور دور کی مسافت سے سونگھی جاسکتی ہے۔

(۳)اوڑھنی اور دوپٹہ اوڑھ کر رہیں۔ جس سے سر اور سینہ دونوں اچھی طرح ڈھک جائیں۔
"لَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ (وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ) شَقَّقْنَ مُرُوْطَهُنَّ فَاخْتَمَرْنَ بِهٖ" (صحیح بخاری: کتاب التفسیر: ۴۷۵۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حجاب والی یہ آیت نازل ہوئی تو خواتین انصار نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر یعنی گاڑھے اور موٹے کپڑے پھاڑ کر اپنے دوپٹے بنا لئے تھے۔ اگرچہ محارم کے سامنے اس کی اجازت ہے، لیکن فتنہ اور فساد کی وجہ سے علماء نے موجودہ زمانے میں اس سے بھی منع کیا ہے۔

(۴)فاسقہ، زانیہ، کافرہ عورتوں والا لباس نہ پہنے۔

(۵)لباس میں تکبر، بڑائی اور فخر نہ رہے۔

(۶)ریاکاری، نام و نمود اور شہرت مقصود نہ ہو۔

(۷)لباس میں اسراف نہ ہو۔ ان کا حوالہ بھی گزر چکا ہے۔

یہ لباس سے متعلق چند اصول اور ضوابط ہیں جو شریعت نے بیان کیے ہیں، اگر ہر قسم کے لباس کی اجازت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدود کیوں بیان فرماتے؟ اور لعنتیں اور وعیدیں کیوں سناتے؟ پتہ چلا کہ لباس میں ان چیزوں کی رعایت بھی ضروری ہے، اگر ان کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو پھر اس لباس کا پہننا بھی ناجائز ہوگا۔ ان حدود سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں لباس کی بہت اہمیت ہے، اسلام نے ہم کو لباس میں بالکل آزاد نہیں رکھا، ہاں آزادی ہے لیکن ان حدود میں رہ کر آزادی ہے، ان سے تجاوز کی اجازت نہیں ہے۔

مسلمان کی پہچان اس کی وضع قطع اور اس کا لباس ہے:

ہمارا معاشرہ اس معاملہ میں بالکل لاپرواہ ہے، نہ مرد اپنے لباس کی پرواہ کرتے ہیں، نہ عورتوں کے لباس کی، نہ چھوٹوں کی فکر ہوتی ہے اور نہ بڑوں کی، جب کہ یہ اسلامی تہذیب کا حصہ ہے، ہماری وضع قطع اور ہمارا لباس ہماری پہچان ہے، کیا ہم اپنی تہذیب کو چھوڑ کر اپنی پہچان مٹانا چاہتے ہیں، کسی آفس میں اگر آپ اس کے لباس اور اس کے ڈریس کے بغیر چلے جائیں تو کیا آپ اس آفس میں کام کرسکتے ہیں؟ کیا وہاں کا باس آپ کو آنے کی اجازت دے

گا؟ بلکہ بعض جگہ مسلمان کو ان کی پہچان کو مٹانے کی شرط ہوتی ہے، داڑھی کٹانا ضروری ہوتا ہے، ٹائی اور کوٹ ضروری ہوتا ہے، اس کے بغیر نہ آپ وہاں کے ملازم سمجھے جاتے ہیں، نہ وہاں آپ کو کام کی اجازت ملتی ہے، کسی کے ہاں دھوتی ان کی پہچان ہے، کسی کے ہاں پگڑی اور عمامہ جو اصلا مسلمانوں کا لباس ہے اس کی اہمیت ہے اور وہ ان کی پہچان ہے، کسی کے ہاں فلاں لباس ان کی پہچان ہے، جب غیروں میں لباس کی اتنی اہمیت ہے تو دین میں کیوں نہیں؟ کیا ایک مسلمان کی کوئی تہذیب نہیں ہے، اس کا کوئی لباس نہیں ہے، اس کی کوئی پہچان نہیں ہے؟ اس کی کوئی وضع قطع نہیں ہے؟ ہے! لیکن ہم نے سمجھا نہیں، قرآن وحدیث کو ہم نے کھلواڑ بنا کر رکھ دیا، جاہلوں کے ہاتھ میں جب قرآن وحدیث چلے گئے تو پھر یہ جہالت پھیلنے لگی، اس لئے میرے دوستو! اسلامی لباس کی اسلامی وضع قطع کی بہت اہمیت ہے، اس کے بغیر ہماری پہچان مشکل ہے، ہمیں اپنے بارے میں بھی اس کی فکر کرنی چاہیے، اور اپنے بچوں کی بھی فکر کرنی چاہیے۔

ظاہری دین کی حفاظت مذہب کی بقاء کا ذریعہ ہے:

ایک بہت ہی اہم بات آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ اگر آپ اپنے اور اپنے بچوں کے ظاہری دین، ان کی اسلامی تہذیب کی اور ان کی اسلامی وضع قطع کی فکر نہیں کریں گے تو پھر آپ کے اور ان کے مذہب پر باقی رہنے کی کوئی گیارنٹی نہیں ہے، اس بات کو معمولی نہ سمجھیں، مسلمان کے لیے مسلمان کی صورت رکھنا ضروری ہے۔ پوری دنیا کی تاریخ کو دیکھ لیجیے کہ جیسے ہی لوگوں نے اپنی تہذیب بدلی، لباس بدلا، کلچر بدلا، اُن میں کس طرح بے دینی پیدا ہوئی، عجم تو عجم عرب آج اس میں مبتلا ہیں۔

اسلامی تہذیب کی ایک بہترین مثال:

اس موقع پر ایک بہت اچھی مثال یاد آئی، ہمارے گھر کے قریب ایک حادثہ ہوا، جس میں ایک بچی جل گئی، ہم لوگ عیادت کے لئے گئے، ڈاکٹر نے بتایا کہ بچی اَسّی فیصد جل چکی ہے، اب اس کا زندہ رہنا مشکل ہے، چنانچہ دو دن بعد اس کا انتقال ہو گیا، میری ڈاکٹر صاحب

سے دوستی تھی، میں نے ان سے پوچھا کہ انسانی جسم جلتا ہے تو موت کس سبب سے آتی ہے؟ صرف جلنے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے؟ اُس ڈاکٹر کی بات میں نقل کر رہا ہوں کہ انہوں نے بتایا کہ جب آدمی کی جلد جل جاتی ہے تو وہ اس وجہ سے نہیں مرتا کہ اُس آدمی کے جسم کے اندر کا کوئی بہت زیادہ نقصان ہو گیا ہو، میں نے پوچھا کہ پھر کیوں مرتا ہے؟ کہنے لگے کہ جب جسم کی کھال جل جاتی ہے تو جسم پر انفکشن کو روکنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ مختلف قسم کے وائرس کا حملہ ہو جاتا ہے جس سے مریض مر جاتا ہے۔

یہ بات میں نے آپ کو اس لئے سنائی تاکہ آپ کو پتہ چلے کہ اسلامی تہذیب کتنی اہم ہے؟ اگر آپ کے پاس اسلامی تہذیب نہیں ہے، لباس میں، کھانے پینے میں، کلچر و تمدن میں، شکل وصورت میں، وضع قطع میں تو وہ کتنے خطرے کی بات ہے، ہمارے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ہم ٹوپی کے ساتھ پھر رہے ہیں یا بغیر ٹوپی کے، ہم سمجھتے ہیں کہ دین میں اتنی سختی نہیں کی گئی ہے، لیکن دین اور ایمان کی بقاء میں اس کا اہم رول ہوتا ہے، ہم اپنے جسم میں کھال کو اتنی اہمیت نہیں دیتے جتنا دل، دماغ، خون، آنکھ وغیرہ کو دیتے ہیں، اور ہمارے جسم کے بہت سے اعضاء یقیناً ایسے ہیں جو جسم کی کھال سے زیادہ قیمتی ہیں، مگر کھال کی نوعیت الگ ہے، اس کا معاملہ اس طرح ہے کہ اگر وہ جسم پر نہیں ہے تو اندر کی چیزیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ اسی طرح دینی تہذیب بھی ہمارے باطن کو، ہمارے اعتقادات کو بچائے ہوئے ہوتی ہے، وہ ایک پردہ ہوتی ہے جو برائیوں سے، خرابیوں سے، ہلاکت وبربادی سے روکنے والی ہوتی ہے، اگر یہ پردہ ہی نہ رہے تو پھر اندر کے ایمان کا، عقائد کا محفوظ رہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

اسلامی تہذیب سے دوری ارتداد کا سبب ہے:

میرے دوستو اور بھائیو! یہ نہ سمجھو کہ شریعت نے ظاہری طور پر وضع قطع کی زیادہ سختی نہیں رکھی ہے، اس لئے اس میں کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے، اپنائیں تو بھی چلے گا، نہ اپنائیں تو بھی چلے گا، ایسی بات نہیں ہے، اس ظاہری وضع قطع کی بھی بہت اہمیت ہے، اور کیا یہ خطرناک

بات نہیں ہے کہ آج کا مسلمان اسلامی تہذیب کو چھوڑ دیا ہے تو اس کو پہچاننا مشکل ہو گیا، آج کے مسلمان کو ظاہری طور پر دیکھنے سے یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ مسلمان ہے یا ہندو، یہ بچہ مسلمان کا ہے یا ہندو کا، جن ملکوں میں، جن قوموں میں، جن قبیلوں میں ظاہرِ شریعت کی پابندی کا اہتمام نہیں رہا وہاں ارتداد بڑی تیزی سے آگیا اور وہ قومیں خود کو محفوظ نہیں رکھ سکیں۔ اس لئے ہمارے دین کی حفاظت اسی میں ہے کہ ہم باطن کے ساتھ ساتھ ظاہری اعتبار سے بھی شریعت کی پوری پوری پابندی کریں۔

فساق اور فجار ہمارے لئے نمونہ بن گئے:

میرے دوستو! ہم اس ماحول میں بہت سی چیزوں میں مبتلا ہیں، ہم اپنی تہذیب کے پابند نہیں رہے، حیاء ہمارے اندر سے نکل گئی، ہم کو اگر کوئی دیکھے تو اس کو پہچاننا مشکل ہے کہ یہ کس مذہب کا ہے، مسلمانوں کا ظاہری تشخص مٹ گیا ہے، مسلمان کی پہچان اب صرف مولویت سے ہوتی ہے، جو مولوی ہوتا ہے لوگ اس کو دیکھ کر پہچانتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے، لیکن جو اس لباس میں نہیں ہے، جو اس حلیہ میں نہیں ہے، جس کی وضع قطع سنت کے مطابق نہیں ہے اس کو پہچاننا مشکل ہے کہ وہ، یہودی ہے یا نصرانی ہے، مسلمان ہے یا کسی اور مذہب کا ماننے والا ہے، غیروں کی تہذیب کی چھاپ ہمارے ذہن و دماغ میں اتنی گھسی ہوئی ہے کہ جب نبی نے ہم کو ڈاڑھی رکھنے کے لئے کہا تو سب اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اب جب فیشن بن چکا ہے تو اس کو عزت سمجھ کر رکھ رہے ہیں، وہ بھی پوری نہیں بلکہ آدھی، اور وہ بھی مختلف ڈیزائن میں، جب پوری داڑھی رکھنے کا فیشن آئے گا تو پوری رکھیں گے، اب چونکہ آدھی کا ہے اس لئے آدھی رکھ رہے ہیں، نبی نے کہا کہ پائجامہ ٹخنوں سے اوپر کرلو تو سب اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن جب فیشن بنا اور فلموں میں ایکٹرس نے اپنے پتلون اوپر رکھے تو ان کے پتلون بھی ٹخنوں کے اوپر آگئے، نبی نے کرتے کو پسند کیا، پاجامہ کو پسند کیا، اس کو پہننے کی ترغیب دی، لیکن اس میں بھی وہی حقارت، اپنی بے عزتی کا احساس ستانے لگا، جب اس کا فیشن بنا تو سب کے جسموں پر کرتے آگئے۔

سنتوں سے دوری ایمان کی کمزوری:

یہ ہمارے معاشرہ کا حال ہے، نبی اور ان کی سنتوں سے عشق و محبت کا یہ حال ہے، ہمارا ایمان کتنا گر چکا ہے، ہماری ذہنی سوچ کس قدر تنزل میں آچکی ہے، ہمارا معیارِ زندگی کس قدر گھٹیا بن گیا ہے ہمیں اندازہ نہیں ہے، نبی کی سنتوں سے دوری ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ یہ ایک مسلمان کے لئے جس کے دل میں ذرا سی بھی اللہ اور اس کے رسول کی عظمت اور محبت ہو بڑی شرمندگی کی بات ہے، کیا ہم اس حالت میں اللہ کے پاس جانے کے قابل ہیں کہ ہمارا باطن تو دور ہمارا ظاہر تک اللہ کی مرضی کے موافق نہ ہو، اور ہمارا ظاہر خود اس سے بغاوت کا اعلان کر رہا ہو، کیا ہم میں اتنی جرأت ہے کہ نبی کی سنتوں کا خون کر کے کل قیامت میں اسی منھ کے ساتھ اس نبی کے سامنے جا کھڑے ہوں جس نے ساری زندگی ہمارے لئے وقف کر دی تھی، میرے دوستو! اسلام میں باطن کے ساتھ ساتھ ظاہر کی بھی بہت اہمیت ہے، کم از کم آدمی ظاہر سے تو اللہ کا بندہ اور سرکار دوعالم ﷺ کا اُمتی اور غلام نظر آئے۔ قرآن مجید میں دونوں قسم کے گناہوں سے بچنے کا حکم ہے، ''وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ'' ظاہری گناہوں کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہوں کو بھی چھوڑو۔

علانیہ گناہ کرنے والوں کی معافی نہیں:

حدیث میں آتا ہے کہ جب تک بندہ گناہ چھپا کر کرتا ہے تو اس کی معافی کی زیادہ امید ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اُس کی ستاری فرماتے ہیں، اور جو بندہ گناہ کھلم کھلا کرتا ہے تو پھر اس کی معافی کی امید کم ہو جاتی ہے، اور اس کے گناہوں پر ستاری کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔ ''كُلُّ اُمَّتِيْ مُعَافًى اِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ'' ہر امتی کو معاف کیا جائے گا مگر وہ آدمی جو علانیہ گناہ کرنے والا ہو، اور اس کا علانیہ گناہ یہ ہے کہ آدمی رات میں کوئی عمل کرے، پھر صبح کرے اس حال میں کہ اس کا رب اس کو چھپائے ہوئے ہوتا ہے، لیکن وہ لوگوں کے سامنے اس طرح کہہ دے کہ گزشتہ رات میں نے یہ یہ عمل کیا۔ بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مومن کو اپنے سے قریب کریں گے، اور اس سے

گفتگو فرمائیں گے، اور اس کو لوگوں سے چھپائیں گے، اور کہیں گے: "أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا وَكَذَا"؟ کیا تو فلاں فلاں گناہ جانتا ہے؟ وہ کہے گا: "نَعَمْ يَا رَبِّ" ہاں اے میرے رب، اللہ پاک پھر کہیں گے کہ کیا تو فلاں فلاں گناہ جانتا ہے؟ وہ کہے گا کہ ہاں اے میرے رب، یہاں تک کہ اس کے سارے گناہوں کا اقرار کروائیں گے، اور وہ دل میں گمان کرے گا کہ اب میرے اوپر جہنم واجب ہو چکی ہے، اس وقت اللہ پاک فرمائیں گے: "قَدْ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ" کہ میں نے دنیا میں لوگوں سے اس کو چھپایا ہے آج بھی اس کو چھپاؤں گا اس لئے جا آج میں تیری مغفرت کرتا ہوں، اس کے بعد نیکیوں کی کتاب اس کے ہاتھ میں دی جائے گی، لوگ اس بندہ کی اور اللہ کے درمیان کی گفتگو کو نہیں جانیں گے، اور کہیں گے: "طُوبَى لِهَذَا الْعَبْدِ الَّذِي لَمْ يَعْصِ اللَّهَ قَطُّ" کتنا خوش بخت یہ انسان ہے کہ اس نے کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ (صحیح ابن حبان: ۱۶/۳۵۵، ۷۳۵۶)

گناہ چھپانا بھی رحمت کا سبب ہے:

گناہ کا چھپانا بھی رحمت کا سبب ہے، گناہ کو چھپا کر کرنے سے ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک معاف فرمادیں، لیکن جب بندہ خود اس کو سب کے سامنے بیان کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے گناہ پر گواہ بنا دیتا ہے، اور علی الاعلان مخلوق کے سامنے اپنے خالق اور مالک سے بغاوت کا اظہار کرتا ہے تو پھر اللہ پاک اس کو چھپاتے نہیں، اس پر مؤاخذہ فرماتے ہیں، اور سزا دیتے ہیں، میرا مطلب گناہ کو چھپا کر کرنے میں جری بنانا یا اس کی ترغیب دینا نہیں ہے، بلکہ گناہ کے اظہار کی قباحت کو بتانا مقصود ہے، گناہ چاہے جیسا بھی ہو ظاہری ہو یا باطنی، اس کو چھوڑنا ضروری ہے، حق تعالیٰ ہم سب کو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکی کی توفیق نصیب فرمائے۔ اور ہم میں حیاء اور پاک دامنی کا وصف پیدا فرمائے۔ (آمین)

قیامت کی علامات

نَحمَدُہٗ وَ نَستَعِینُہٗ وَ نَستَغفِرُہٗ وَ نُؤمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیہِ وَ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِن شُرُورِ اَنفُسِنَا وَ مِن سَیِّاٰتِ اَعمَالِنَا مَن یَّھدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَن یُّضلِلہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ وَ اَشھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَولَانَا مُحَمَّدًا عَبدُہٗ وَ رَسُولُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسلِیمًا کَثِیرًا کَثِیرًا۔ اَمَّا بَعدُ۔

محترم بزرگان دین، برادرانِ اسلام!

فتنوں سے متعلق مضامین آپ کے سامنے ذکر کئے جا رہے تھے، ان فتنوں میں ایک اہم فتنہ اور ایک اہم مضمون علاماتِ قیامت سے متعلق ہے آپ ﷺ نے قیامت کے قریب پیش آنے والی بہت سی علامات کا ذکر فرمایا، کچھ علامات علاماتِ صغریٰ کہلاتی ہیں، اور کچھ علامات علاماتِ کبریٰ کہلاتی ہیں، جن کی ایک طویل فہرست ہے، اور یہ آپ کی بہت بڑی رحمت اور شفقت ہے کہ پہلے ہی سے آپ نے ان علامات اور فتنوں سے ہمیں واقف کروادیا، اور اس سے بچنے کی ترغیب دی، اور بچنے والوں کے لئے بشارت سنائی۔

قیامت بہت قریب ہے:

علاماتِ صغریٰ سے متعلق جتنی علامات آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں وہ تقریباً مکمل ہو گئیں ہیں، صرف بڑی بڑی علامات باقی ہیں، جب اُن کو ہم دیکھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سر پر آچکی ہے اور عنقریب یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔

ایک روایت میں آپ ﷺ نے شہادت اور اس سے ملی ہوئی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”بُعِثتُ اَنَا وَ السَّاعَۃُ کَھَاتَینِ“ (صحیح بخاری کتاب الرقاق: ۶۱۳۸)

میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔ یعنی جیسے دونوں ایک دوسرے سے قریب ہیں یا ایک لمبی اور دوسری اس سے تھوڑا سا چھوٹی ہے، اسی طرح میرا اور قیامت کا معاملہ ہے، میرے بعد قیامت اتنی ہی جلدی آجائے گی جتنا کہ یہ دونوں قریب ہیں یا ان کے چھوٹا اور بڑا ہونے میں فاصلہ ہے۔

دنیا کی عمر:

ایک حدیث میں ہے:

"اَلدُّنْیَا سَبْعَۃُ آلَافِ سَنَۃٍ أَنَا فِيْ آخِرِ ھَا أَلْفًا" (دلائل النبوۃ: ۲۹۵۲)

دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے، میں آخر کے ایک ہزار سال میں ہوں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس طرح کی احادیث میں تحدید مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے قیامت کے قرب کو بتانا مقصود ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے بہت لمبا خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں دنیا کی بے ثباتی اور اس کے فتنوں سے آگاہ کیا، جس نے اس کو یاد رکھا سو یاد رکھا، اور جو اس کو بھول گیا تو وہ بھول گیا، پھر اس کے بعد انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والی بہت سی چیزوں کو بیان فرمایا، جب سورج ڈوبنے کے قریب ہوا تو فرمایا:

"أَلَا إِنَّ مِثْلَ مَا بَقِيَ مِنَ الدُّنْيَا فِيْمَا مَضٰى مِنْھَا مِثْلُ مَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِكُمْ ھٰذَا فِيْمَا مَضٰى مِنْهُ" (مسند احمد: مسند ابی سعید خدری: ۱۱۱۵۹)

سن لو کہ دنیا اپنی گزری ہوئی عمر کے مقابلے میں اتنی بھی باقی نہیں جتنا کہ اس دن کے گزرے ہوئے حصہ کے مقابلے میں جو حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اب دنیا کے ختم ہونے کا وقت بالکل قریب ہے، یہ اب زیادہ رہنے والی نہیں ہے۔ اس کے ختم ہونے سے پہلے کچھ علامات اللہ کے نبی نے بیان فرمائی، کسی روایت میں پانچ علامات کا ذکر ہے، کسی میں ۱۰ کا ذکر ہے، کسی میں ۷۰ سے زائد کا ذکر ہے، اور وہ علامات ایسی ہیں جو ہمارے معاشرہ میں پائی جاتی ہیں بلکہ کھلم کھلا جرأت کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ جو علامات علاماتِ کبریٰ کہلاتی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں۔

قیامت کی علاماتِ کبریٰ:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَكُوْنَ عَشْرُ آيَاتٍ طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَالدَّجَّالُ وَالدُّخَانُ وَالدَّابَّةُ وَيَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ وَخُرُوْجُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَثَلَاثُ خُسُوْفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنِ أَبْيَنَ تَسُوْقُ النَّاسَ إِلَى الْمَحْشَرِ تَبِيْتُ مَعَهُمْ إِذَابَاتُوْا وَتَقِيْلُ مَعَهُمْ إِذَاقَالُوْا“ (سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم، ۴۳۱۳)

قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دس نشانیاں ظاہر نہ ہوں: (۱) دھواں۔ (۲) دجال۔ (۳) دابۃ الارض۔ (۴) مغرب سے سورج کا نکلنا۔ (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا۔ (۶) یاجوج وماجوج کا نکلنا۔ (۷) تین جگہ زمین میں لوگوں کا دھنس جانا: ایک مشرق میں دھنسنا۔ (۸) دوسرا مغرب میں دھنسنا۔ (۹) تیسرا جزیرۃ العرب میں دھنسنا۔ (۱۰) ایک آگ جو قعرِ عدن (یمن) سے نکلے گی اور سب لوگوں کو ہنکا کر میدانِ حشر میں لے آئے گی۔ جس جگہ یہ لوگ رات گزاریں گے یا قیلولہ کریں گے وہاں یہ ٹھہر جائے گی۔

دھواں ظاہر ہوگا:

ان دس علامات میں سے ایک علامت دھویں کا نکلنا ہے، اس دھویں کی کیفیت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

”يَمْلَأُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ يَمْكُثُ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا وَلَيْلَةً أَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيُصِيْبُهُ مِنْهُ كَهَيْئَةِ الزُّكَامِ وَأَمَّا الْكَافِرُ فَيَكُوْنُ بِمَنْزِلَةِ السَّكْرَانِ يَخْرُجُ مِنْ مَنْخَرَيْهِ وَأُذُنَيْهِ وَدُبُرِهِ“

وہ دھواں ایسا ہوگا جو مشرق ومغرب کے درمیان کو بھر دے گا، چالیس دن اور رات تک ٹھہرا رہے گا، مومن کو اِس سے صرف زکام کی طرح محسوس ہوگا اور کافر اس میں نشہ کی طرح محسوس کرے گا، اور یہ دھواں کافروں کے کانوں اور نتھنوں اور دبر سے نکلے گا۔ بعض روایات میں ہے کہ کافر اس سے پھول جائے گا۔ اور اس کی ہر سوراخ سے دھواں نکلے گا۔

(تفسیر ابن جریر طبری: ۱۸/۲۲۔ شرح مسند ابی حنیفۃ: ۵۸۰/۱)

کیا دھویں کا واقعہ پیش آ چکا ہے؟

اِس دھویں کے بارے میں علماء کے تین قول ہیں، بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ابھی پیش نہیں آیا بلکہ قربِ قیامت پیش آئے گا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بد دعاء کی وجہ سے کفار مکہ کو ایک مرتبہ قحط پیش آیا تھا، اوران کے کھانے پینے کی ساری چیزیں ختم ہو گئیں تھیں، یہاں تک کہ وہ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے تھے، اور بھوک کی وجہ سے اُنہیں آسمان میں دھواں ہی دھواں محسوس ہونے لگا تھا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ گرد و غبار ہے جو فتح مکہ کے موقع پر آسمان پر چھا گیا تھا۔ (معارف القرآن: ۷/۷۶۰)

سورج مغرب سے طلوع ہو گا:

قیامت کی بڑی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ سورج ایک دن مشرق کے بجائے مغرب کی جانب سے نکلے گا، ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، اتنے میں سورج غروب ہو گیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! هَلْ تَدْرِیْ أَیْنَ تَذْهَبُ هٰذِهٖ؟ کیا تم جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر روز یہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے جا کر سجدہ کی اجازت مانگتا ہے، اوراسے اجازت مل جاتی ہے، لیکن ایک دن ایسا آئے گا کہ جب وہ اجازت مانگے گا تو حق تعالیٰ فرمائیں گے جہاں سے آیا ہے وہیں واپس لوٹ جا، چنانچہ وہ اس وقت مغرب سے طلوع ہو گا۔ (صحیح مسلم: کتاب الایمان: ۴۲۰) اس کے بعد پھر روزانہ معمول کے مطابق نکلے گا۔ اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

”لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ مِنْ مَغْرِبِهَا آمَنَ النَّاسُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُوْنَ فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا“ (صحیح مسلم: کتاب الایمان: ۴۱۳)

جب سورج مغرب سے نکلے گا تو تمام لوگ ایمان لائیں گے، لیکن اس وقت جو پہلے سے مومن نہیں تھے یا نیک نہیں تھے ان کا ایمان لانا انہیں نفع نہیں دے گا۔

یاجوج ماجوج اور ان کے احوال:

یاجوج اور ماجوج نکلیں گے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

’’حَتّٰى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ‘‘ (الانبیاء: ۹۶و۹۷)

یہاں تک کہ جب کھول دیئے جائیں گے یاجوج ماجوج اور وہ ہر اونچان سے دوڑتے ہوئے آئیں گے اور قریب آ لگا سچا وعدہ یعنی وعدۂ قیامت پس اچانک پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی آنکھیں منکروں کی ہائے افسوس! ہم تو اس سے غفلت میں تھے، بلکہ ہم ظالم تھے۔

وہ آخری زمانے میں نکلیں گے، اور حضرت عیسی علیہ السلام کی آمد سے پہلے ہی ان کا خروج ہوگا، دجال کو قتل کرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے پاس جائیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے دجال سے محفوظ رکھا ہوگا، وہ ان کے چہرے سے گرد صاف کریں گے اور جنت میں ان کے جو درجات ہیں وہ ان کو بتائیں گے۔ ابھی وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجیں گے کہ میں نے اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے جن کے مقابلے کی کسی کو طاقت نہیں، لہٰذا آپ میرے بندوں کو کوہِ طور پر لے جایئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجیں گے، جب وہ بحیرۂ طبریہ پر گزریں گے تو اس کا پورا پانی پی لیں گے، اور ان کے بعد والے لوگ آئیں گے تو کہیں گے کہ ایک زمانے میں یہاں بھی پانی ہوتا تھا، جب وہ چلتے چلتے بیت المقدس میں جبل خمر پر پہنچیں گے تو کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم نے قتل کر دیا اب آسمان والوں کو قتل کریں گے۔ چنانچہ وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون سے رنگی ہوئی حالت میں واپس لوٹا دے گا۔ اور حضرت عیسی علیہ السلام اس وقت اپنے اصحاب کے ساتھ کوہِ طور پر ہوں گے، ان کو وہاں ایسی تنگی پیش آئے گی کہ ان کے لئے گائے کا سر سو درہم سے زیادہ قیمتی ہو جائے گا، اس وقت حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں گے تو اللہ ان کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کر دیں گے، جس سے وہ ایک ہی لمحہ میں ہلاک ہو جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان

کے اصحاب طور سے نیچے اتریں گے تو ایک بالشت زمین بھی خالی نہیں ملے گی جو ان کی لاشوں خون اور بدبو سے بھری ہوئی نہ ہو، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ سے دعا کریں گے، تب اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی گردنوں کے مثل پرندے بھیجیں گے جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر مَہبل میں لے جا کر پھینکیں گے اور مسلمان ان کے تیر کمان اور ترکشوں کو سات برس بطور ایندھن استعمال کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایسی بارش برسائیں گے کہ اس سے کوئی خیمہ اور کوئی مکان چھپا نہیں رہے گا، اور وہ بارش زمین کو دھو کر شیشے کی طرح صاف کر دے گی۔ اس وقت زمین سے کہا جائے گا کہ اپنے پھل نکال اور برکت واپس لے آ تو ایسی برکت ہو گی کہ ایک انار میں سے ایک جماعت کھائے گی، اور اس کے چھلکے سے وہ سایہ حاصل کریں گے، اور ایک اونٹنی کا دودھ لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہو جائے گا اس وقت زمین میں بہت برکت ہو گی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک ہوا کو بھیجیں گے جو ہر مومن کی روح قبض کر لے گی، دنیا میں کافر ہی رہ جائیں گے، اور ان میں زنا عام ہو جائے گا، یہاں تک کہ لوگ گدھوں کی طرح لوگوں کے سامنے زنا کریں گے اس وقت اللہ تعالیٰ قیامت کو قائم کریں گے۔ (صحیح مسلم: کتاب الفتن، ۷۵۶۰۔ سنن ترمذی: کتاب الفتن: ۲۴۰۶) بعض روایات میں ہے کہ یاجوج ماجوج جس علاقہ سے گزریں گے اس کو روند ڈالیں گے، جس چیز پر سے گزریں گے اسے تباہ کر دیں گے، جس پانی پر سے گزریں گے اسے پی جائیں گے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۸۱)

دابۃ الارض کا خروج:

قیامت کی ایک بڑی علامت زمین کے جانور کا نکلنا ہے، اِس کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے: ”وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ“ (النمل: ۸۲)

اور جب آ پڑے گی ان پر بات (یعنی وعدۂ قیامت کے پورا ہونے کا وقت قریب آ لگے گا) تو ہم نکالیں گے ان کے لئے ایک چوپایہ زمین سے جو ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔

اور یہ علامات کبری میں سب سے پہلے پیش آنے والی علامات میں سے ایک ہے:

”إِنَّ أَوَّلَ الْآيَاتِ خُرُوجًا طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوجُ الدَّابَّةِ عَلَى النَّاسِ ضُحًى وَأَيُّهُمَا مَا كَانَتْ قَبْلَ صَاحِبَتِهَا فَالْأُخْرَىٰ عَلَىٰ إِثْرِهَا قَرِيبًا“ (صحیح مسلم: کتاب الفتن، ۷۵۷۰)

قیامت کی پہلی علامت جو لوگوں کے سامنے ظاہر ہوگی، وہ آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت لوگوں کے سامنے دابۃ الارض کا نکلنا ہے، ان میں سے جو بھی پہلے ہو دوسری اس کے فوراً بعد ہوگی۔

زمین کے جانور کا تین مرتبہ ظہور ہوگا:

یہ جانور تین مرتبہ نکلے گا، پہلی بار دیہات میں ظاہر ہوگا اور مکہ مکرمہ میں اِس کا کوئی تذکرہ نہ ہوگا، اُس کے بعد عرصہ دراز تک وہ ظاہر نہ ہوگا، دوسری مرتبہ دیہات ہی میں نکلے گا لیکن مکہ مکرمہ میں بھی اس کا تذکرہ ہوگا، تیسری مرتبہ مسجد حرام میں لوگوں کے سامنے حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان آواز نکالتا ہوا اور سر سے مٹی جھاڑتا ہوا ظاہر ہوگا، لوگ اُس کے نکلنے کی وجہ سے ڈر جائیں گے، اور دور بھاگ جائیں گے، مومنین کی ایک جماعت کے لوگ یہ سمجھ کر اپنی جگہ جمے رہے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتی، لہٰذا بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں، یہ جانور مومن بندوں کے چہروں کو چمکا دے گا گویا کہ وہ ایک چمکدار ستارے کی طرح ہو جائیں گے اور پھر وہاں سے پشت پھیر کر چلا جائے گا، کوئی پکڑنے کا ارادہ کرنے والا بھی اُس کو پکڑ نہیں سکے گا اور کوئی بھاگنے والا اُس سے نجات نہیں پا سکے گا، یہاں تک کہ ایک شخص نماز میں اس جانور سے پناہ مانگے گا تو وہ جانور اُس کے پیچھے سے آجائے گا کہ اے فلاں! اب تو نماز پڑھتا ہے؟ پھر وہ اُس کے چہرے پر نشان لگا دے گا، اُس کے بعد لوگ چلے پھریں گے، اموال میں شریک ہوں گے اور شہروں میں مل جل کر ساتھ رہیں گے اور اس کے نشان لگانے کی وجہ سے مومن اور کافر میں اچھی طرح امتیاز ہو جائے گا، مومن کافر سے کہے گا کہ اے کافر! میرا حق ادا کر، اور کافر مومن سے کہے گا کہ تو میرا حق ادا کر۔ (مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۴۹۰)

اس کے علاوہ مختلف روایات میں یہ مضمون ہے کہ وہ اجیاد کی پہاڑی سے نکلے گا۔ اور ایامِ تشریق میں جبکہ لوگ منیٰ میں ہوں گے مزدلفہ کی رات نکلے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، عن عبد اللہ بن عمرو : ۳۷۶۰۵ و ۳۷۶۰۸)

دابۃ الارض کیا کرے گا:

جب یہ نکلے گا تو روایتوں میں ہے: "مَعَهَا عَصَا مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَخَاتَمُ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ فَتَجْلُو وَجْهَ الْمُؤْمِنِ بِالْعَصَا وَتَخْطِمُ أَنْفَ الْكَافِرِ بِالْخَاتَمِ" (سنن ابی ماجۃ: کتاب الفتن، ۴۰۶۶)

اس کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہو گا، وہ مومن کے چہروں کو روشن کر دے گا اور کافر کی ناک پر مہر لگا دے گا۔ اور اس کی وجہ سے مؤمن اور کافر کے درمیان ایسا امتیاز ہو جائے گا کہ مؤمن اور کافر الگ الگ پہچانے جائیں گے۔

امام مہدی کا ظہور اور ان کی صفات و احوال:

انہیں علامتوں میں سے ایک بڑی علامت حضرت مہدی کی آمد ہے، آج کے زمانے میں بہت سے لوگ مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور لوگ بھی ایسے بھولے یا دینی علم سے ناواقف ہوتے ہیں کہ ان جھوٹوں اور ملعونوں کی بہ آسانی اتباع کرنے لگتے ہیں، احادیث میں ان کا نام، ان کی ماں کا نام، ان کا خاندان، ان کا حلیہ اور ان کے اوصاف اور علامات وغیرہ سب بتائی گئی ہیں، اس کی روشنی میں حضرت مہدی کے بارے میں ہمارا عقیدہ اور ہمارا ذہن اور دل بالکل صاف اور ستھرا ہونا چاہیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: "يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي وَاسْمُ أَبِيهِ اسْمَ أَبِي" (سنن ابی داؤد: کتاب الفتن، ۴۲۸۴)

(۱) ان کا نام میرے نام جیسا یعنی محمد ہو گا۔

(۲) ان کے والد کا نام میرے والد جیسا یعنی عبد اللہ ہو گا۔

(۳) وہ اہل بیت اور حضرت فاطمہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ "الْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِي مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ" (سنن ابی داؤد: کتاب الفتن، باب المہدی ۴۲۸۶)

حضرت مہدی حضرت حسن کی اولاد سے ہوں گے یا حضرت حسین کی، اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تطبیق بیان کرتے ہوئے راجح قول یہ قرار دیا ہے کہ وہ ان کے والد کی جانب سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے اور ان کی والدہ کی جانب سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴۵۰/۱۵)

(۴) ان کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوگی "اَلْمَهْدِيُّ مَوْلِدُهٗ بِالْمَدِيْنَةِ" (الفتن لنعیم: ۱۰۷۳)

(۵) روشن پیشانی اور بلند ناک والے ہوں گے۔ أَجْلَى الْجَبْهَةِ أَقْنَى الْأَنْفِ۔ (سنن ابی داؤد: باب المہدی: ۴۲۸۷)

(۶) "اَلْمَهْدِيُّ فَتًى مِنْ قُرَيْشٍ" قریشی خاندان سے آپ کا تعلق ہوگا۔ (الفتن لنعیم بن حماد: ۱۰۷۴)

(۷) "كَثُّ اللِّحْيَةِ" گھنی ڈاڑھی ہوگی۔ (الفتن لنعیم بن حماد: ۱۰۷۳)

(۸) "أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ" سرمگیں آنکھیں ہوں گی۔ (الفتن لنعیم بن حماد: ۱۰۷۳)

(۹) ان کا ظہور اخیر زمانے میں فتنوں کے ظہور کے وقت ہوگا، "يَخْرُجُ عِنْدَ انْقِطَاعٍ مِنَ الزَّمَانِ وَظُهُورٍ مِنَ الْفِتَنِ" (مسند احمد: ۱۱۷۵۶)

(۱۰) "بُرَاقُ الثَّنَايَا" سامنے کے دانت چمک دار ہوں گے۔ (الفتن لنعیم بن حماد: ۱۰۷۳)

(۱۱) زمین اس وقت ظلم و فساد سے بھر چکی ہوگی۔ روئے زمین میں کوئی گھر فتنہ سے بچا نہیں ہوگا۔

"ثُمَّ تَكُوْنُ فِتْنَةٌ كُلَّمَا قِيْلَ انْقَطَعَتْ تَمَادَتْ حَتّٰى لَا يَبْقٰى بَيْتٌ إِلَّا دَخَلَتْهُ وَلَا مُسْلِمٌ إِلَّا صَكَّتْهُ حَتّٰى يَخْرُجَ رَجُلٌ مِنْ عِتْرَتِيْ" (الفتن لنعیم: ۹۵)

(۱۲) بے دینی کا اتنا غلبہ ہوگا کہ اللہ کا نام لینے والوں کو قتل کیا جائے گا "ذَاكَ يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ: اَللّٰهُ اَللّٰهُ قُتِلَ" (مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۶۵۹)

(۱۳) "أَنَّ الْمَهْدِيَّ لَا يَخْرُجُ حَتّٰى تُقْتَلَ النَّفْسُ الزَّكِيَّةُ فَإِذَا قُتِلَتِ النَّفْسُ الزَّكِيَّةُ غَضِبَ عَلَيْهِمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ فَزَفُّوْهُ كَمَا تُزَفُّ الْعَرُوْسُ إِلٰى زَوْجِهَا لَيْلَةَ عُرْسِهَا" (مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب الفتن، ۳۷۶۵۳)

’’نفسِ زکیّہ ‘‘ یعنی پاکیزہ انسان کے قتل کے بعد ان کا ظہور ہو گا، جب ’’نفسِ زکیّہ ‘‘ قتل کر دیے جائیں گے تو زمین و آسمان والے ان کے قاتلوں پر غضب ناک ہوں گے، اُس کے بعد لوگ حضرت مہدی علیہ الرضوان کے پاس آئیں گے اور اُنہیں اُس دلہن کی طرح آراستہ و پیراستہ کریں گے جو شبِ زفاف میں شوہر کے پاس رخصت ہو کر جارہی ہو۔

(۱۴) اللہ کے نبی نے فرمایا: ’’فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَبَايِعُوْهُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَإِنَّهُ خَلِيْفَةُ اللهِ الْمَهْدِيُّ‘‘ (سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن، ۴۰۸۴) جب تم ان کو دیکھو تو ان سے بیعت کرو اگرچہ تمہیں گھٹنوں کے بل گھسٹ کر جانا پڑے کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ ہوں گے۔

(۱۵) ’’اَلْمَهْدِيُّ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ يُصْلِحُهُ اللهُ فِي لَيْلَةٍ‘‘ (سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن، ۴۰۸۵)
مہدی ہم اہل بیت میں سے ہوں گے اللہ تعالی ان کو ایک ہی رات میں خلافت کی صلاحیت والا بنا دیں گے۔

(۱۶) جب وہ ظاہر ہوں گے تو اہل شام کے ابدال اور اہل عراق کی جماعتیں ان کے پاس آئیں گی ان سے بیعت کریں گی۔ اور حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان بیعت لی جائے گی۔
’’ فَإِذَا رَأَى النَّاسُ ذٰلِکَ أَتَاهُ أَبْدَالُ الشَّامِ وَعَصَائِبُ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَيُبَايِعُوْنَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ‘‘ (سنن ابی داؤد: کتاب الفتن، ۴۲۸۶)

(۱۷) وہ بیعت کو ناپسند کریں گے لیکن لوگ اُنہیں زبردستی بیعت پر مجبور کریں گے۔
’’فَيُخْرِجُوْنَهُ وَهُوَ كَارِهٌ‘‘ (سنن ابی داؤد: ۴۲۸۶) اور بعض روایات میں ہے: ’’ إِنْ أَبَيْتَ ضَرَبْنَا عُنُقَکَ ‘‘ (الفتن لنعیم: ۹۸۶) لوگ ان سے کہیں گے کہ اگر آپ بیعت سے انکار کر دیں گے تو ہم (نعوذ باللہ) آپ کو قتل کر دیں گے۔

(۱۸) ’’يُبَايِعُ لِرَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ كَعِدَّةِ أَهْلِ بَدْرٍ‘‘
ان کے ہاتھوں پر بیعت کرنے والوں کی تعداد اصحاب بدر جتنی ہو گی۔ یعنی تین سو تیرہ ہو گی۔

(۱۹) مشرق سے کچھ لوگ آئیں گے جو حضرت مہدی کی حکومت کی موافقت کریں گے اور ان کی سلطنت کو مستحکم بنائیں گے۔ ’’يَخْرُجُ نَاسٌ مِنَ الْمَشْرِقِ فَيُوَطِّئُوْنَ لِلْمَهْدِيِّ يَعْنِي سُلْطَانَهُ‘‘ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۸۴)

(۲۰)"یَخْرُجُ رَجُلٌ یُقَالُ لَهُ السُّفْیَانِیُّ فِي عُمْقِ دِمَشْقَ وَعَامَّةُ مَنْ یَتْبَعُهُ مِنْ کَلْبٍ الخ "

(مستدرک حاکم: ۸۵۸۶۔ سنن ابی داؤد: کتاب الفتن، ۴۲۸۶)

دمشق کے اطراف سے "سفیانی" نامی ایک شخص خروج کرے گا قبیلۂ کلب کے لوگ اس کی اتباع کریں گے، یہ جنگ کرے گا، اور عورتوں کے پیٹوں کو چاک کرے گا، بچوں کو قتل کرے گا، اس کے مقابلہ کے لئے قبیلۂ قیس کے لوگ جمع ہوں گے، سفیانی اُن سے بھی جنگ کرے گا اور اس کثرت سے لوگوں کو قتل کرے گا کہ مقتولین سے کوئی وادی خالی نہیں بچے گی، اس وقت میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص کا ظہور ہو گا، سفیانی کو ان کی اطلاع ہو گی تو اپنا ایک لشکر ان سے لڑنے کے لئے بھیجے گا، اس کا لشکر شکست کھا جائے گا، پھر خود سفیانی اپنے ساتھیوں کو لے کر چلے گا یہاں تک کہ جب مقام "بیداء" جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک چٹیل میدان ہے وہاں پہنچے گا تو ان سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور سوائے ایک خبر دینے والے کے کوئی نہ بچے گا۔

(۲۱) سات سال تک حکومت کریں گے۔ "یَمْلِکُ سَبْعَ سِنِیْنَ" (سنن ابی داؤد: باب المہدی، ۴۲۸۷)

(۲۲)"یَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَ ظُلْمًا" (سنن ابی داؤد: باب المہدی، ۴۲۸۷)

زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھریں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر دی گئی تھی۔

(۲۳)"یَرْضٰی عَنْهُ سَاکِنُ السَّمَاءِ وَسَاکِنُ الْأَرْضِ" زمین اور آسمان والے اُن سے خوش ہوں گے۔ (مسند احمد: ۱۱۳۲۶)

(۲۴)"فَتَنْعَمُ فِيْهِ أُمَّتِي نِعْمَةً لَمْ یَنْعَمُوْا مِثْلَهَا قَطُّ" آپ ﷺ نے فرمایا: اس دور میں میری امت ایسی خوشحال ہو گی کہ اس جیسی خوشحال پہلے کبھی نہ ہوئی ہو گی۔ (سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن، ۴۰۸۳)

(۲۵)"تَکْثُرُ الْمَاشِیَةُ" جانوروں کی کثرت ہو گی۔ (مستدرک حاکم: ۸۶۷۳)

(۲۶)"وَتَعْظُمُ الْأُمَّةُ" امت کی عظمت کی جائے گی۔ (مستدرک حاکم: ۸۶۷۳)

(۲۷)"یَمْلِکُ جَبَلَ الدَّیْلَمِ وَالْقُسْطَنْطِیْنِیَّةَ" جبل دیلم اور قسطنطنیہ کے مالک ہوں گے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۷۷۹)

(۲۸) ”تُرْسِلُ السَّمَاءُ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا“ آسمان خوب بارش برسائے گا۔ (السنن الواردة: باب ما جاء فی المهدی، ۵۵۰)

(۲۹) ”وَلَا تُزْرَعُ الْأَرْضُ شَيْئًا مِنَ النَّبَاتِ إِلَّا أَخْرَجَتْهُ تُؤْتِي أُكُلَهَا وَلَا تَدَّخِرُ مِنْهُمْ شَيْئًا“ زمین اس وقت خوب پھل دے گی اور ان سے بچا کر کچھ نہ رکھے گی۔

(۳۰) ”وَالْمَالُ كَدُوسٌ يَقُومُ الرَّجُلُ فَيَقُولُ يَا مَهْدِيُّ أَعْطِنِي فَيَقُولُ: خُذْ“ (الفتن لنعیم: ۱۰۴۸۔ سنن ابن ماجہ: ۴۰۸۳) مال کے ڈھیر ہوں گے، ایک آدمی کھڑے ہو کر کہے گا کہ اے مہدی مجھے کچھ دیجئے؟ وہ کہیں گے کہ جتنا چاہے لے لو۔

(۳۱) ”يَقْسِمُ الْمَالَ صِحَاحًا“ وہ لوگوں میں انصاف کے ساتھ برابر مال دیں گے یعنی دینے میں کوئی امتیاز نہیں کریں گے۔ (مسند احمد: ۱۱۳۲۵)

(۳۲) ”وَالْخَيْبَةُ لِمَنْ لَمْ يَشْهَدْ غَنِيمَةَ كَلْبٍ فَيَقْسِمُ الْمَالَ وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ“ اور ناکامی ہو اس شخص کے لئے جو بنو کلب کے اموال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر حاضر نہ ہو، امام مہدی ان کا مالِ غنیمت تقسیم کریں گے اور لوگوں میں نبی کی سنتوں کو جاری کریں گے۔

(۳۳) ”يَمْلَأُ اللّٰهُ قُلُوبَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غِنًى“ (مسند احمد: ۱۱۳۲۵)

اللہ تعالیٰ اس وقت امّت محمدیہ کے دلوں کو استغناء اور بے نیازی سے بھر دیں گے۔

(۳۴) ”يَلْبَثُ سَبْعَ سِنِينَ ثُمَّ يُتَوَفَّى وَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ هِشَامٍ: تِسْعَ سِنِينَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: سَبْعَ سِنِينَ“ (سنن ابی داؤد کتاب الفتن، ۴۲۸۶) پھر اس کے بعد سات سال یا نو سال تک وہ زندہ رہیں گے پھر ان کا انتقال ہو جائے گا اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

دجال کا ظہور:

قیامت کی علامت میں سب سے خطرناک اور بڑی علامت دجال کا نکلنا ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے، اور میں بھی تم کو اس سے ڈراتا ہوں۔

"لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوحٍ إِلَّا قَدْ أَنْذَرَ الدَّجَّالَ قَوْمَهُ وَإِنِّي أُنْذِرُكُمُوهُ" (سنن ترمذی: کتاب الفتن، ۲۲۳۴)

ایک حدیث میں فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کوئی فتنہ دجال کے فتنہ سے بڑا پیدا نہیں کیا گیا: "مَا بَيْنَ خَلْقِ آدَمَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ خَلْقٌ أَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ" (صحیح مسلم: کتاب الفتن، ۷۵۸۲)

دجال کی صفات:

چونکہ یہ ایک بڑا فتنہ ہے اس لئے احادیث میں اس کی تفصیلات بھی بہت بیان کی گئی ہیں۔

(۲) اس کا رنگ سرخ و سفید ہو گا: "اَلدَّجَّالُ أَحْمَرُ هِجَانٌ" (طبرانی اوسط: ۱۶۴۸)

(۳) جسم بھاری بھر کم ہو گا: "اَلدَّجَّالُ ... ضَخْمٌ فَيْلَمِيٌّ" (طبرانی اوسط: ۱۶۴۸)

(۴) قد کے اعتبار سے پستہ قد ہو گا: "إِنَّ مَسِيحَ الدَّجَّالِ رَجُلٌ قَصِيرٌ" (سنن ابی داؤد کتاب الفتن: ۴۳۲۰)

(۵) سر کے بال زیادہ، گھنگریالے اور الجھے ہوئے ہوں گے۔ "إِنَّهُ شَابٌّ قَطَطٌ جُفَالُ الشَّعَرِ" (صحیح مسلم: ۲۹۳۷، ۲۹۳۴)

(۶) اُس کی دونوں آنکھیں خراب ہوں گی، بائیں آنکھ سے کانا ہو گا اور دائیں آنکھ پر ایک موٹی پھلی ہو گی۔ "وَهُوَ أَعْوَرُ عَيْنِهِ الْيُسْرَىٰ بِعَيْنِهِ الْيُمْنَىٰ ظُفْرَةٌ غَلِيظَةٌ۔ (مسند احمد: ۲۱۹۷۹) أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَىٰ كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ" (صحیح بخاری: کتاب الفتن، ۶۷۰۵)

(۷) "إِنَّهُ شَابٌّ... شَبِيهٌ بِعَبْدِ الْعُزَّىٰ بْنِ قَطَنٍ" نوجوان ہو گا، "عبدالعُزّیٰ بن قَطَن" کے مشابہ ہو گا۔ (سنن ترمذی: ۲۲۴۰)

(۸) دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان "ک، ف، ر" یعنی کافر لکھا ہو گا جس کو ہر وہ شخص پڑھ سکے گا جو مومن ہو گا اور دجال کے عمل کو ناپسند کرتا ہو گا، خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا نہیں۔ "إِنَّهُ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ: كَافِرٌ يَقْرَأُهُ مَنْ كَرِهَ عَمَلَهُ" (صحیح مسلم: ۲۹۳۱ و ۲۹۳۳)

دجال کے نکلنے کے وقت کے حالات:

اس کا ظہور ان حالات میں ہو گا۔

(۹) دین کے کمزور ہونے اور علم کے دنیا سے ختم ہونے کے وقت وہ نکلے گا۔ ”یَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي خَفْقَةٍ مِنَ الدِّيْنِ وَإِدْبَارٍ مِنَ الْعِلْمِ“ (مسند احمد: ۱۴۹۵۴)

(۱۰) آپس میں عداوتوں کے پھیلنے کے وسقت نکلے گا۔ (مستدرکِ حاکم: ۸۶۱۲)

(۱۱) فتنے ایسے ہوں گے کہ آدمی صبح کو مومن اور شام کو کافر ہو جائے گا۔ اور لوگ دو خیموں میں بٹ جائیں گے: ایک مومنین کا خیمہ ہو گا اور ایک منافقین کا۔ اللہ کے نبی نے فرمایا: ”إِذَا كَانَ ذَاكُمْ فَانْتَظِرُوا الدَّجَّالَ مِنَ الْيَوْمِ أَوْ غَدٍ“ اس وقت تم دجال کا انتظار کرنا کہ وہ آج آئے گا یا کل۔ (مسند احمد: ۶۱۶۸)

(۱۲) چشموں کا پانی نیچے چلے جائے گا۔ نہروں کا پانی نکال لیا جائے، گھاس پیلی ہو جائے گی، قبیلہ مَذحج اور ہمدان عراق سے قِنّسرین منتقل ہو جائیں، اس وقت تم دجال کا انتظار کرنا کہ صبح آ جائے یا شام کو آ جائے۔

”إِذَا غَارَتِ الْعُيُوْنُ وَنَزَفَتِ الْأَنْهَارُ وَاصْفَرَّ الرَّيْحَانُ وَانْتَقَلَتْ مَذْحِجُ وَهَمْدَانُ مِنَ الْعِرَاقِ فَنَزَلَتْ قِنَّسْرِيْنَ فَانْتَظِرُوا الدَّجَّالَ غَادِيًا أَوْ رَائِحًا“ (مستدرکِ حاکم: ۸۴۲۰)

(۱۳) اس کے آنے سے پہلے چند سال دھوکے اور مکر و فریب کے ہوں گے، بارش بہت ہو گی، لیکن غلّہ اور اناج کم اُگے گا، ان میں جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا، خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا، اور کمینے اور حقیر آدمی ذمہ دار ہوں گے، اور لوگوں کے معاملات میں بات چیت کریں گے۔ ”يَكُوْنُ أَمَامَ الدَّجَّالِ سِنُوْنَ خَوَادِعُ، يَكْثُرُ فِيْهَا الْمَطَرُ وَيَقِلُّ فِيْهَا النَّبْتُ وَيُكَذَّبُ فِيْهَا الصَّادِقُ وَيُصَدَّقُ فِيْهَا الْكَاذِبُ وَيُؤْتَمَنُ فِيْهَا الْخَائِنُ وَيُخَوَّنُ فِيْهَا الْأَمِيْنُ، وَتَنْطِقُ فِيْهَا الرُّوَيْبِضَةُ“ (طبرانی کبیر: ۶۸/۱۸)

(۱۴) پیداوار میں کمی ہو گی، اس کے آنے سے پہلے تین سال ایسے ہوں گے کہ پہلے سال آسمان اپنی تہائی بارش روک لے گا اور زمین بھی اپنی تہائی پیداوار روک لے گی، دوسرے

سال آسمان اپنی دو تہائی بارش روک لے گا اور زمین بھی اپنی دو تہائی پیداوار روک لے گی، اور تیسرے سال آسمان اپنی مکمل بارش روک لے گا اور زمین بھی اپنی پوری پیداوار روک لے گی جس سے کھر رکھنے والے داڑھ رکھنے والے تمام مویشی مر جائیں گے۔ "إِنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ سِنِيْنَ، سَنَةٌ تُمْسِكُ السَّمَاءُ ثُلُثَ قَطْرِهَا وَالْأَرْضُ ثُلُثَ نَبَاتِهَا وَالثَّانِيَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ ثُلُثَيْ قَطْرِهَا وَالْأَرْضُ ثُلُثَيْ نَبَاتِهَا وَالثَّالِثَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ قَطْرَهَا كُلَّهُ وَالْأَرْضُ نَبَاتَهَا كُلَّهُ فَلَا تَبْقَى ذَاتُ ظِلْفٍ وَلَا ذَاتُ ضِرْسٍ مِنَ الْبَهَائِمِ إِلَّا هَلَكَتْ" (الفتن لنعیم: ۱۴۸۱)

(۱۵) تین مرتبہ لوگوں کے گھبرانے کا واقعہ پیش آچکا ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مسلمانوں کے تین شہر ایسے ہوں گے کہ ان میں سے ایک شہر تو دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر واقع ہوگا، دوسرا شہر حیرہ کے مقام پر ہوگا اور تیسرا شام میں، پس تین مرتبہ ایسا واقعہ پیش آئے گا کہ لوگ گھبرا اُٹھیں گے پھر جلد ہی لوگوں کے برابر میں دجال نکل آئے گا۔

"يَكُوْنُ لِلْمُسْلِمِيْنَ ثَلَاثَةُ أَمْصَارٍ: مِصْرٌ بِمُلْتَقَى الْبَحْرَيْنِ وَمِصْرٌ بِالْحِيرَةِ وَمِصْرٌ بِالشَّامِ، فَيَفْزَعُ النَّاسُ ثَلَاثَ فَزَعَاتٍ، فَيَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي أَعْرَاضِ النَّاسِ" (مسند احمد: ۱۷۹۰۰)

(۱۶) اہلِ روم "اعماق یا دابق" کے مقام پر پہنچ جائیں گے، اُن کی طرف مدینہ منوّرہ سے ایک لشکر پیش قدمی کرے گا جو اس زمانہ کے بہترین لوگ ہوں گے۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے صف بستہ ہوں گے تو رومی کہیں گے کہ ہمارے جو آدمی قید کیے گئے ہیں اور مسلمان ہو چکے ہیں انہیں اور ہمیں تنہا چھوڑ دو ہم ان سے جنگ کریں گے، مسلمان کہیں گے کہ ہم اپنے بھائیوں کو ہرگز تمہارے حوالہ نہیں کریں گے اس پر وہ ان سے جنگ کریں گے، اس وقت ایک تہائی مسلمان تو بھاگ کھڑے ہوں گے جن کی توبہ اللہ تعالیٰ کبھی قبول نہیں کرے گا، اور ایک تہائی مسلمان قتل کئے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل الشہداء ہوں گے اور ایک تہائی مسلمان فتح حاصل کرلیں گے، اور آئندہ ہر قسم کے فتنے سے محفوظ و مامون ہو جائیں گے۔ اس کے بعد یہ لوگ جلد ہی قسطنطنیہ فتح کرلیں گے اور اپنی تلواریں زیتون کے درخت پر لٹکا کر ابھی مالِ غنیمت تقسیم ہی کر رہے ہوں گے کہ شیطان ان میں چیخ

کر یہ آواز لگائے گا کہ "مسیح دجال تمہارے پیچھے تمہارے گھروں اور بستیوں میں گھس گیا ہے یہ سنتے ہی لوگ اس سے لڑنے کے لئے قسطنطنیہ سے روانہ ہوں گے، اور یہ خبر اس کی اگرچہ غلط ہوگی لیکن جب یہ لوگ شام پہنچیں گے تو دجال واقعی نکل جائے گا۔

"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَنْزِلَ الرُّوْمُ بِالْأَعْمَاقِ أَوْ بِدَابِقٍ، فَيَخْرُجُ إِلَيْهِمْ جَيْشٌ .... فَيَفْتَتِحُوْنَ قُسْطَنْطِيْنِيَّةَ فَبَيْنَمَا هُمْ يَقْتَسِمُوْنَ الْغَنَائِمَ قَدْ عَلَّقُوْا سُيُوْفَهُمْ بِالزَّيْتُوْنِ إِذْ صَاحَ فِيْهِمِ الشَّيْطَانُ إِنَّ الْمَسِيْحَ قَدْ خَلَفَكُمْ فِي أَهْلِيْكُمْ، فَيَخْرُجُوْنَ وَذٰلِكَ بَاطِلٌ فَإِذَا جَاءُوا الشَّامَ خَرَجَ فَبَيْنَمَا هُمْ يُعِدُّوْنَ لِلْقِتَالِ۔ (صحیح مسلم:۷۴۹۷)

(۱۷) عرب اُس زمانہ میں تھوڑے ہوں گے اور اُن میں سے اکثر "بیت المقدس" میں ہوں گے اور اُن کا امام ایک مردِ صالح ہوگا۔ "هُمْ يَوْمَئِذٍ قَلِيْلٌ وَجُلُّهُمْ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ وَإِمَامُهُمْ رَجُلٌ صَالِحٌ" (سنن ابن ماجہ:۴۰۷۷)

(۱۸) دجال کے تذکرے ختم ہو چکے ہوں گے۔ ائمہ بھی منبر و محراب پر اس کا تذکرہ کرنا چھوڑ دیں گے۔ "لَا يَخْرُجُ الدَّجَّالُ حَتّٰى يَذْهَلَ النَّاسُ عَنْ ذِكْرِهٖ وَحَتّٰى تَتْرُكَ الْأَئِمَّةُ ذِكْرَهٗ عَلَى الْمَنَابِرِ" (مجمع الزوائد:۱۲۴۹۹)

(۱۹) جس زمین سے وہ نکلے گا اس کے بارے میں متعدد روایات ہیں، ایک روایت میں ہے کہ شام اور عراق کے درمیان وہ نکلے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ارض مشرق یعنی خراسان سے نکلے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اصبہان کے یہودی نامی گاؤں سے وہ نکلے گا۔

"يَخْرُجُ مَا بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ۔ وفی روایۃ: يَخْرُجُ مِنْ أَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ يُقَالُ لَهَا: خُرَاسَانُ" (سنن ترمذی:۲۲۳۷۔۲۲۴۰) "يَخْرُجُ الدَّجَّالُ مِنْ يَهُوْدِيَّةِ أَصْبَهَانَ" (مستدرکِ حاکم: ۸۶۱۱)

ہو سکتا ہے کہ پہلے ان میں سے کسی جگہ سے نکلے لیکن لوگوں میں اس کی شہرت نہ ہو، اور بعد میں اپنے لشکر کے ساتھ ان جگہوں سے جب گزرے تو شہرت ہو، اس لئے نسبت تینوں جانب کی گئی۔

دجال کا لشکر:

(۲۰) دجال کے ساتھ نکلنے والے لوگوں میں اکثر عورتیں ہوں گی۔ یہاں تک کہ آدمی جب اپنے گھر جائے گا تو اپنی بیوی، ماں، بہن اور پھوپھی کو باندھے گا کہ کہیں وہ اس کے ساتھ نکل نہ جائیں۔

"فَيَكُوْنُ أَكْثَرُ مَنْ يَخْرُجُ إِلَيْهِ النِّسَاءُ حَتّٰى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَرْجِعُ إِلٰى حَمِيْمَتِهٖ وَإِلٰى أُمِّهٖ وَأُخْتِهٖ وَعَمَّتِهٖ فَيُوْثِقُهَا رِبَاطًا مَخَافَةَ أَنْ تَخْرُجَ إِلَيْهِ" (الفتن لحنبل بن اسحٰق ۳۶۔ طبرانی اوسط: ۴۰۹۹)

(۲۱) اس کے ساتھ نکلنے والے مرد اور عورتیں منافق ہوں گی۔ (الفتن لحنبل بن اسحٰق: ۳۷)

(۲۲) اصفہان کے ستر ہزار یہودی اس کے ساتھ ہوں گے، جن پر سبز رنگ کی چادریں ہوں گی۔ "يَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ يَهُوْدِ أَصْبَهَانَ سَبْعُوْنَ أَلْفًا عَلَيْهِمُ الطَّيَالِسَةُ" (صحیح مسلم: ۲۹۴۴)

بعض روایات میں کمی زیادتی مروی ہے ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں اس کے ساتھ لوگ کم ہوں اور وہ بڑھتے جائیں جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲۳) ان کے جوتے بالوں کے، اور چہرے ایسے ہوں گے جیسے وہ ڈھال جس پر تہہ بتہ چمڑا چڑھایا گیا ہو۔ "يَهْبِطُ الدَّجَّالُ مِنْ كُوْرِ كَرْمَانَ مَعَهٗ ثَمَانُوْنَ أَلْفًا عَلَيْهِمُ الطَّيَالِسَةُ يَنْتَعِلُوْنَ الشَّعْرَ كَأَنَّ وُجُوْهَهُمْ مَجَانٌّ مُطْرَقَةٌ" (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۵۰۱)

(۲۴) تقدیر کا انکار کرنے والے ہوں گے۔ "لِكُلِّ أُمَّةٍ مَجُوْسٌ وَمَجُوْسُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا قَدَرَ ... وَهُمْ شِيْعَةُ الدَّجَّالِ" (سنن ابی داؤد: ۴۶۹۲)

چار جگہوں میں دجال داخل نہ ہو پائے گا:

(۲۵) چار جگہوں پر وہ نہ آسکے گا، (۱) مکہ مکرّمہ۔ (۲) مدینہ منوّرہ۔ (۳) بیت المقدس۔ (۴) طور۔ "إِنَّهٗ لَا يَقْرُبُ أَرْبَعَةَ مَسَاجِدَ: مَسْجِدَ الْحَرَامِ وَمَسْجِدَ الرَّسُوْلِ وَمَسْجِدَ الْمَقْدِسِ وَالطُّوْرَ" (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۵۰۶)

دجال کے کام:

(۲۶) پہلے نبوّت کا دعویٰ کرے گا، اور پھر ربّ ہونے کا دعوی کرے گا۔ "إِنَّهُ يَبْدَأُ فَيَقُولُ: أَنَا نَبِيٌّ وَلَا نَبِيَّ بَعْدِي ثُمَّ يَبْدَأُ فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ" (الفتن لحنبل بن اسحٰق:۳۷)

(۲۷) صحابہ نے حضور سے پوچھا کہ وہ دنیا میں کتنے دن رہے گا؟ آپ نے فرمایا: "أَرْبَعِينَ يَوْمًا يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ" دنیا میں وہ کل چالیس دن رہے گا، جس میں سے پہلا دن ایک سال، دوسرا دن ایک مہینہ، تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہو گا اور اُس کے بعد بقیہ ایام معمول کے مطابق ہوں گے۔ (سنن ترمذی:۲۴۰۲) بعض روایات میں ہے کہ وہ چالیس سال رہے گا، لیکن وقت اتنی سرعت سے گزرے گا کہ چالیس سال چالیس دن کے برابر ہو جائیں گے۔

(۲۸) اس کی رفتار سے متعلق صحابہ نے سوال کیا: "فَمَا سُرْعَتُهُ فِي الْأَرْضِ؟ آپ نے فرمایا: "كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيحُ" ہواؤں والے بادل کی طرح اُس کی رفتار ہو گی۔ (سنن ترمذی:۲۲۴۰)

(۲۹) اپنے نہ ماننے والوں سے اُن کا مال چھین لے گا۔ "فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوهُمْ فَيُكَذِّبُونَهُ وَيَرُدُّونَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ فَتَتْبَعُهُ أَمْوَالُهُمْ وَيُصْبِحُونَ لَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ شَيْءٌ" (سنن ترمذی:۲۲۴۰)

جب کسی قوم کے پاس آئے گا اور ان کو بلائے گا تو جو اس کو جھٹلا دیں گے وہ ان کے پاس سے لوٹ جائے گا اور ان کے اموال اس کے پیچھے چلے جائیں گے، اور وہ صبح کریں گے تو ان کے پاس کچھ بھی نہ ہو گا۔

(۳۰) جو لوگ اس کی بات کو قبول کریں گے اور اس کی تصدیق کریں تو ان کے لئے آسمان کو برسنے کا حکم دے گا تو وہ خوب برسے گا، زمین کو حکم دے گا تو وہ خوب غلہ نکالے گی۔ (سنن ترمذی:۲۲۴۰)

(۳۱) ایسے ہی کسی علاقے سے گزرے گا، اور اُس علاقے کے لوگ اس کی تکذیب کریں گے تو اس کے نتیجے میں اُن کا کوئی جانور نہیں بچے گا، سب ہلاک ہو جائیں گے، دوسرے

علاقے سے گزرے گا جہاں لوگ اس کی تصدیق کریں گے تو اس کے نتیجے میں اس کے حکم پر آسمان بارش برسانے لگے گا ، اورزمین خوب غلّہ اُگانے لگے گی، اوراُن ماننے والوں کے جانور شام کو اِس حال میں واپس آئیں گے کہ وہ پہلے سے زیادہ بڑے اور فربہ ہوں گے ، کوکھیں اور اُن کے تھن دودھ سے بھرے ہوں گے۔

”وَإِنَّ مِنْ فِتْنَتِهِ أَنْ يَمُرَّ بِالْحَيِّ فَيُكَذِّبُوْنَهُ فَلَا تَبْقَى لَهُمْ سَائِمَةٌ إِلَّا هَلَكَتْ وَيَمُرُّ بِالْحَيِّ فَيُصَدِّقُوْنَهُ فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ فَتُمْطِرُ وَيَأْمُرُ الْأَرْضَ فَتُنْبِتُ فَتَرُوْحُ إِلَيْهِمْ مَوَاشِيْهِمْ مِنْ يَوْمِهِمْ ذٰلِكَ أَعْظَمَ مَا كَانَتْ وَأَسْمَنَهُ وَأَمَدَّهُ خَوَاصِرَ وَأَدَرَّهُ ضُرُوْعًا“ (الفتن لحنبل بن اسحٰق: ۳۷)

(۳۲) دجال کے سامنے لوگوں میں سب سے بہتر آدمی نکلے گا اور کہے گا کہ میں گواہی دیتاہوں کہ تو دجال ہے، وہ کہے گا کہ اگر میں اس کو قتل کروں اور زندہ کروں تو کیا تم پھر بھی شک کروگے ؟ وہ کہیں گے کہ نہیں، وہ قتل کرے گا اور زندہ کرے گا۔ اور زندہ ہونے کے بعد وہ ”آدمی کہے گا: ”وَاللهِ مَا كُنْتُ قَطُّ أَشَدَّ بَصِيْرَةً مِنِّي الْيَوْمَ“ (صحیح بخاری: ۱۸۸۲) واللہ اس سے زیادہ بصیرت والا میں پہلے کبھی نہیں تھا۔ اس کے بعد اسے دوسروں کو قتل کرنے کا اختیار نہیں دیاجائے گا۔ (کنزل العمال: ۳۸۴۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۵۰۶۔ صحیح مسلم: ۲۹۳۸)

(۳۳) اس کے پاس جنت اور جہنم ہو گی ، لیکن اُس کی جہنم جنت اور جنت جہنم ہو گی۔ جس کے ذریعہ وہ دھوکہ دے گا۔ جو اس کی جنت کو اختیار کرے گا وہ جہنم میں جائے گا، اور جو اس کی جہنم کو اختیار کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ ”إِنَّ مَعَهُ جَنَّةً وَنَارًا فَنَارُهُ جَنَّةٌ وَجَنَّتُهُ نَارٌ“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۵۰۶)

(۳۴) اس کے پاس پانی کی نہر اور روٹیوں کا پہاڑ ہو گا ۔ ”وَإِنَّ مَعَهُ نَهَرَ مَاءٍ وَجَبَلَ خُبْزٍ“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۵۰۶)

(۳۵) اس کے ساتھ دو پہاڑ ہوں گے : ایک آگ اور دھوئیں کا ہو گا، دوسرا درخت اور نہروں کا ہو گا۔ اور وہ ان کو جنت اور جہنم کہے گا۔ ”وَمَعَهُ جَبَلَانِ جَبَلٌ مِنْ دُخَانٍ وَنَارٍ وَجَبَلٌ مِنْ شَجَرٍ وَأَنْهَارٍ وَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْجَنَّةُ وَهٰذِهِ النَّارُ“ (مستدرکِ حاکم: ۸۶۱۱)

جس کو جنت کہے گا وہ جہنم ہو گی اور جس کو جہنم کہے گا وہ جنت ہو گی۔

(۳۶)اُس کی سواری گدھا ہو گی جس کے دونوں کانوں کے درمیان چالیس گز کا فاصلہ ہو گا۔ "وَلَهُ حِمَارٌ يَرْكَبُهُ عَرْضُ مَا بَيْنَ أُذُنَيْهِ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا" (مستدرکِ حاکم: ۸۶۱۳)

(۳۷)مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست اور مردے کو زندہ کردے گا۔

(۳۸) "إِنَّهُ يُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَيُحْيِي الْمَوْتَى" (مسند احمد: ۲۰۱۵۱)

(۳۹)اس کے ساتھ کچھ شیاطین ہوں گے جو انسانوں کی صورت بنا کر آئیں گے، اور دجال کسی دیہاتی کے پاس جا کر کہے گا: "أَرَأَيْتَ إِنْ بَعَثْتُ لَكَ أَبَاكَ وَأُمَّكَ أَتَشْهَدُ أَنِّي رَبُّكَ؟ اگر میں تیرے ماں باپ اور تیرے اونٹ کو زندہ کردوں تو کیا تو میرے رب ہونے کی گواہی دے گا؟ وہ کہے گا: ہاں، دجال اپنے شیاطین کو اُس دیہاتی کے ماں باپ کی شکل میں تبدیل کر کے دیہاتی کے سامنے پیش کرے گا اور ماں باپ کی شکل میں آنے والے شیاطین کہہ رہے ہوں گے: يَا بُنَيَّ اتَّبِعْهُ فَإِنَّهُ رَبُّكَ۔ اے میرے بیٹے اس کی پیروی کرلو، یہ تمہارا رب ہے۔

(الفتن لحنبل بن اسحٰق: ۳۷)

دجال سے بچنے کی تدابیر:

چونکہ دجالی فتنہ عظیم فتنہ ہے، ایمان اور کفر کا فتنہ ہے، جس میں مکر و فریب زیادہ ہے، اور ہر نبی نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے، اس لئے آقائے مدنی نے بھی اس کی بہت زیادہ تاکید کی ہے، اس سے بچنے کی دعائیں کرنے کا حکم دیا ہے، اور کوئی اس زمانے میں موجود ہو تو اس کے لئے بھی ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔

(۱)اس کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگی جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: دجال کے فتنہ سے تم اللہ کی پناہ چاہو۔ "تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ" (صحیح مسلم: ۲۸۶۷)

خود آپ ﷺ بھی اس سے پناہ مانگتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کے نبی یہ دعا کیا کرتے تھے۔ "اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ"

(صحیح بخاری: ۸۳۲)

(۲) سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کرنے اسی طرح اخیر کی دس آیات پڑھنے کا اہتمام کیا جائے کیونکہ ان آیات کے یاد کرنے والے اور پڑھنے والے کو اللہ پاک دجال کے فتنہ سے محفوظ فرماتے ہیں۔

”مَنْ قَرَأَ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنَ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ“ (سنن کبریٰ للنسائی: ۱۰۷۲۰)

”مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ“ (صحیح مسلم: ۸۰۹)

(۳) اس کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی اعمال کی اصلاح اور نیک اعمال کی طرف سبقت کی جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ سِتًّا: الدَّجَّالَ“ ... (صحیح مسلم: ۲۹۴۷)

دجال کے ظہور کے وقت نبوی ہدایات:

اوپر کی ہدایات تو وہ ہیں جن پر اس کے آنے سے پہلے ہی ہمیں عمل کر لینا چاہیے، اور کچھ ہدایات اس کے ظہور کے بعد کی ہیں، مثلاً اگر اس کا ظہور ہو جائے اور ہمارا اس سے سابقہ ہو تو ہمیں کیا کرنا چاہیے، اس وقت کی بھی کچھ ہدایات آپ ﷺ نے دی ہیں:

(۱) ”مَنْ سَمِعَ مِنْكُمْ بِالدَّجَّالِ فَلْيَفِرَّ مِنْهُ فَإِنَّهُ يَأْتِيهِ الرَّجُلُ فَيَحْسَبُ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ فَيَتْبَعُهُ مِمَّا يَرَىٰ مِنَ الشُّبُهَاتِ“ (طبرانی کبیر: ۱۸/۲۲۱)

جب تم میں سے کوئی دجال کے نکلنے کی خبر سنے تو اس وقت اس سے جتنا دور رہنا ممکن ہو اتنا دور رہا جائے، کیونکہ اس وقت اس کے ساتھ جو چیزیں ہوں گی اس کی وجہ سے آدمی شک اور تردد میں پڑ جائے گا۔ اور ہو سکتا ہے اس کے پیچھے چلنے لگے، اس لئے اس سے بھاگے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۴۵۹۔ سنن ابی داؤد: ۴۳۱۹)

بعض روایات میں آپ نے فرمایا: ”فَإِذَا سَمِعْتَ بِهِ فَالْهَرَبَ الْهَرَبَ“ جب تم اس کا ذکر سنو تو بھاگو، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ یا رسول اللہ جو میرے پیچھے ہیں میں ان کا کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مُرْهُمْ فَلْيَلْحَقُوا بِرُءُوسِ الْجِبَالِ“ جو تمہارے پیچھے رہنے والے ہیں انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر جانے کا حکم دو، میں نے کہا کہ اگر وہ نہ جا سکیں تو کیا کیا

جائے ؟ آپ نے فرمایا: ” مُرُهُمْ أَنْ يَكُونُوا أَحْلَاسًا مِنْ أَحْلَاسِ بُيُوتِهِمْ “ اس وقت ان کو حکم دو کہ وہ گھروں کے ٹاٹوں میں سے ایک ٹاٹ بن کر رہیں۔ (مستدرکِ حاکم: ۸۶۱۱)

(۲) اس کے ظہور کے وقت سخت حکم یہ ہے کہ دین اور اسلام پر ثابت قدم رہا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ” يَا عِبَادَ اللهِ اُثْبُتُوا “ جب وہ نکلے تو تم ثابت قدم رہو۔ (سنن ترمذی: ۲۲۴۰)

(۳) اگر کسی کا اس سے سابقہ پڑ جائے تو حکم نبی یہ ہے کہ اُس کے چہرے پر تھوک دیا جائے۔ ” فَمَنْ لَقِيَهُ مِنْكُمْ فَلْيَتْفُلْ فِي وَجْهِهِ “ (الفتن لحنبل بن اسحٰق: ۳۷) یا تو حقیقۃً اس کے منہ پر تھوک دیا جائے یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا جائے۔

(۴) اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی جائے۔ اور سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات تلاوت کی جائیں۔ حدیث میں آپ نے فرمایا:

” فَمَنِ ابْتُلِيَ بِنَارِهِ فَلْيَقْرَأْ فَوَاتِحَ سُوْرَةِ الْكَهْفِ وَلْيَسْتَعِنْ بِاللهِ حَتّٰى تَكُوْنَ عَلَيْهِ بَرْدًا وَسَلَامًا كَمَا كَانَتْ بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ “ (الفتن لحنبل بن اسحٰق: ۳۷)

(۵) تسبیح، تہلیل اور تکبیر پڑھی جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ دجال کے نکلنے اور اس وقت کے مومنین پر سخت حالات اور تنگی کے پیش آنے کا ذکر فرمایا تو میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ” فَمَا يُجْزِئُ الْمُؤْمِنَ يَوْمَئِذٍ مِنَ الطَّعَامِ؟ اس وقت مومن کو کھانے کے لئے کیا چیز کافی ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا: ” اَلتَّسْبِيحُ وَالتَّهْلِيلُ وَالتَّكْبِيرُ “ تسبیح، تہلیل اور تکبیر ہوگی۔ (مسند ابو یعلیٰ موصلی: ۴۶۰۷)

” فَمَنْ كَانَ مَنْطِقُهُ يَوْمَئِذٍ التَّسْبِيحُ وَالتَّقْدِيسُ أَذْهَبَ اللهُ عَنْهُ الْجُوْعَ “ (کنز العمال۔ ۳۸۷۵۵)

جس کی بولی اس وقت تسبیح و تقدیس ہوگی اللہ تعالیٰ اس سے بھوک دور کر دیں گے۔

(۶) اس کے ساتھ آگ اور پانی کے دو دریا ہوں گے، اور وہ لوگوں کو اس سے آزمائے گا، جو اس کے پاس ٹھنڈا پانی ہوگا وہ در حقیقت آگ ہوگی۔ جو آدمی کو جلا دے گی۔ اور جو آگ ہوگی وہ در حقیقت ٹھنڈا پانی ہوگا۔ اگر کسی کا دجال سے سامنا ہو جائے تو وہ پانی کے مقابلے میں دجال کی آگ کو اختیار کرے، کیونکہ وہ آگ نہیں بلکہ ٹھنڈا پانی ہوگا۔

"إِنَّ مَعَ الدَّجَّالِ إِذَا خَرَجَ مَاءً وَنَارًا فَأَمَّا الَّذِيْ يَرَى النَّاسُ أَنَّهَا النَّارُ فَمَاءٌ بَارِدٌ وَأَمَّا الَّذِيْ يَرَى النَّاسُ أَنَّهُ مَاءٌ بَارِدٌ فَنَارٌ تُحْرِقُ فَمَنْ أَدْرَكَ مِنْكُمْ فَلْيَقَعْ فِي الَّذِيْ يَرَى أَنَّهَا نَارٌ فَإِنَّهُ عَذْبٌ بَارِدٌ" (صحیح بخاری: ۳۴۵۰۔صحیح مسلم: ۲۹۳۴)

دجال کا قتل:

جب اس کا اخیر وقت ہو گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا پیچھا کریں گے اور بابِ لُدّ پر اس کو پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے "يَقْتُلُ ابْنُ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ بِبَابِ لُدٍّ" (سنن ترمذی: ۲۲۴۴)

"لد" فلسطین کا ایک مقام ہے، یہ مقام آج کل یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔

روایات میں ہے کہ جب دجال حضرت عیسیٰ کو دیکھے گا تو ایسے پگھلے گا جیسے سیسہ آگ میں پگھل جاتا ہے۔"فَإِذَا رَآهُ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الرَّصَاصُ" (مستدرکِ حاکم: ۸۴۷۳) یا ایسے پگھلے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔"ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ وَيَنْطَلِقُ هَارِبًا" (سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۷)

"وَشِيْعَتُهُ الْيَهُوْدُ فَيَقْتُلُوْهُمْ، حَتّٰى إِنَّ أَحَدَهُمْ لَيَسْتَتِرُ بِالْحَجَرِ أَوِ الشَّجَرِ فَيَقُوْلُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ: يَا مُؤْمِنُ هٰذَا وَرَائِيْ يَهُوْدِيٌّ فَاقْتُلْهُ" (طبرانی اوسط: ۴۰۹۹)

اس وقت اللہ کی مدد و نصرت مسلمانوں کے ساتھ اس طرح ہو گی کہ اگر یہودی پناہ کے لئے کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپ جائے گا تو وہ درخت یا پتھر کہے گا کہ اے مومن! میرے پیچھے یہودی ہے اس کو قتل کر دے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول:

قیامت کی علامتوں میں سے ایک بڑی علامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا ہے، اور یہ دجال کے نکلنے کے وقت نکلیں گے جیسا کہ دجال کے ذکر میں ضمنا اس کا تذکرہ آچکا ہے، چند احوال آپ سے متعلق بھی ذکر کئے جا رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَنْزِلَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا وَإِمَامًا عَدْلًا"

قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عادل حاکم اور مُنصف امام کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔اور ایک روایت میں فرمایا: یہ امّت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جب کہ میں اس کے اوّل میں درمیان میں حضرت مہدی اور آخر میں حضرت عیسیٰ ہوں گے۔

"کَیفَ تَہلِکُ اُمَّۃٌ اَنَا اَوَّلُھَا وَ الْمَھدِیُّ وَسَطُھَا وَ الْمَسِیحُ آخِرُھَا" (مشکوۃ: ۶۲۸۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام نزول:

(۱) آپ قربِ قیامت آسمان سے اتریں گے، اس کی کیفیت کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یَنْزِلُ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ عِنْدَ الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ" (طبرانی کبیر: ۵۹۰) عیسیٰ ابن مریم دمشق کی مشرقی جانب سفید منارے کے پاس نازل ہوں گے۔

(۲) "کَأَنَّ رَأْسَہٗ یَقْطُرُ وَإِنْ لَمْ یُصِبْہُ بَلَلٌ" آپ کے اترنے کے وقت سر سے گویا قطرے ٹپک رہے ہوں گے، اگرچہ سر کو ان کی تری نہ پہنچی ہو گی۔

"بَیْنَ مُمَصَّرَتَیْنِ" (مسند احمد: ۹۶۳۲۔۹۲۶۸۔سنن ابی داؤد: ۴۳۲۴) دو ہلکی زرد چادریں زیب تن کئے ہوئے ہوں گے۔

آپ جس مینارے سے اتریں گے اس وقت نماز تیار ہو گی، اقامت ہو چکی ہو گی، حضرت عیسیٰ کو دیکھ کر امام مہدی ان کو آگے بڑھائیں گے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام مہدی ہی کو آگے بڑھائیں گے اور ان سے فرمائیں گے کہ اس نماز کی اقامت چونکہ آپ کے لئے کہی گئی ہے اس لئے آپ ہی نماز پڑھائیے، چنانچہ حضرت مہدی اس نماز کی امامت فرمائیں گے۔ لیکن اس کے بعد نماز کی امامت برابر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے۔

(۳) اس کے بعد حج یا عُمرے کی نیت سے مقامِ "فَج" سے گزر کر آپ کے روضہ پر حاضر ہوں گے، حضور علیہ السلام کو سلام کریں گے اور حضور پاک ﷺ آپ کا جواب دیں گے۔

"لَیَھْبِطَنَّ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا، وَإِمَامًا مُقْسِطًا وَلَیَسْلُکَنَّ فَجًّا حَاجًّا، أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ بِنِیَّتِہِمَا وَلَیَأْتِیَنَّ قَبْرِی حَتّٰی یُسَلِّمَ وَلَأَرُدَّنَّ عَلَیْہِ" (مستدرک حاکم: ۴۱۶۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ مبارک:

(۴)حلیہ بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: "أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ" میں لوگوں میں عیسیٰ بن مریم کے زیادہ قریب ہوں۔

(۵) "رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ" وہ درمیانہ قد والے ہوں گے۔

(۶) "أَمَّا عِيْسَى فَأَحْمَرُ وفی روایة إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ" ان کی سرخ وسفید رنگت ہو گی۔

(۷) "سَبْطٌ" بال سیدھے ہوں گے۔ اور ایک روایت میں بالوں کی صفت جعد ہے، یعنی گھنگھریالے بال ہوں گے۔ دونوں باتوں میں تعارض ہے، جواب یہ ہے کہ بال نہ بہت زیادہ سیدھے ہوں گے اور نہ بہت زیادہ گھنگھریالے، بلکہ درمیانی ہوں گے، اس لئے بالوں کی صفت دونوں طرح بیان کی گئی۔

(۸) "عَرِيْضُ الصَّدْرِ" چوڑے سینے والے ہوں گے۔ (صحیح بخاری: ۳۴۳۸)

(۹)لوگوں میں سب سے زیادہ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے مشابہ ہوں گے۔ "أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ الثَّقَفِيُّ" (صحیح مسلم: ۱۷۲)

(۱۰) دجال کو قتل کرنے کے بعد بیت المقدس تشریف لے جائیں گے، اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے قبیلہ جُذام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سسرالی خاندان میں نکاح فرمائیں گے۔ اور نکاح کے بعد آپ کی اولاد بھی ہو گی، اور انیس سال قیام فرمائیں گے۔

"فَيَتَزَوَّجُ إِلَى قَوْمِ شُعَيْبٍ خَتَنِ مُوْسَى وَهُمْ جُذَامٌ فَيُوْلَدُ لَهُ فِيْهِمْ وَيُقِيْمُ تِسْعَ عَشْرَةَ سَنَةً" (الفتن لنعیم: ۱۶۱۶)

آپ نے یہ صفات بیان کر کے فرمایا کہ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ" جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا۔

(۱۱) آپ کی آمد سے قبل غزوۂ ہند ہو گا، آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ ہندوستانیوں سے غزوہ کریں گے، اور اللہ پاک انہیں فتح عطا فرمائے گا، اور وہ ان کے بادشاہ کو قید کر لیں گے، اور جب وہ واپس لوٹیں گے تو شام میں حضرت عیسی کو پائیں گے۔

"لَيَغْزُوَنَّ جَيْشٌ لَكُمُ الْهِنْدَ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ" (مسند اسحاق: ۵۳۷۔ الفتن لنعیم بن حماد: ۱۲۰۲)

حضرت عیسیٰ کی تین تجاویز اور امتِ محمدیہ کے بے تاب لشکر کا جواب:

(۱۲) جب آپ دنیا میں تشریف لائیں گے تو آپ کے اصحاب وہ لوگ ہوں گے جو حضرت مہدی کے ساتھ جہاد میں مصروف ہوں گے، اور دجال کے لشکر سے لڑنے کے لئے تیار ہوں گے۔ (مستدرکِ حاکم: ۸۵۰۷)

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور لوگوں کے سامنے تین تجاویز رکھیں گے کہ تم تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرلو۔

یا تو اللہ تعالی دجال اور اس کی فوج پر عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک کر دیں۔ یا ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے۔ یا تم کو اُن پر مسلّط کر دیا جائے، اور تم اُن کو قتل کر دو۔ اس کے جواب میں مسلمان کہیں گے کہ ہمیں تیسری صورت زیادہ پسند ہے کیونکہ یہ ہمارے دلوں کے لئے اطمینان اور ٹھنڈک کا باعث ہے۔ (الفتن لنعیم: ۱۶۰۲)

ایک حدیث میں اللہ کے نبی نے فرمایا:

"لَيُدْرِكَنَّ ابْنَ مَرْيَمَ رِجَالٌ مِنْ أُمَّتِي هُمْ مِثْلُكُمْ أَوْ خَيْرٌ هُمْ مِثْلُكُمْ" (الفتن لنعیم: ۱۵۹۷)

میری امت کے لوگ جو عیسیٰ ابن مریم کو پائیں گے وہ تمہاری طرح ہوں گے یا ان کے بہترین افراد تمہاری طرح ہوں گے۔

دجالی فتنہ کی سرکوبی:

(۱۳) حضرت عیسی علیہ السلام کی آمد کا مقصد دجّال کا خاتمہ، اور اس دارِ فانی سے یہودیت اور نصرانیت کا قلع قمع، اسلام کا غلبہ اور امن کو بحال کرنا ہو گا۔

(۱۴) چنانچہ جب وہ آئیں گے تو بحیثیت خلیفہ اور نائب تشریف لائیں گے۔ "أَلَا إِنَّهُ خَلِيفَتِي فِي أُمَّتِي بَعْدِي" لوگوں میں اللہ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کریں گے۔

(۱۵) "فَيَؤُمُّ النَّاسَ" لوگوں کی امامت کریں گے۔

(۱۶) دجال کی ہلاکت کے لئے قنوت نازلہ کا اہتمام کریں گے۔ "فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ رَكْعَتِهِ قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَتَلَ اللهُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ وَظَهَرَ الْمُسْلِمُونَ" (مجمع الزوائد: ۱۲۵۴۳۔ مسند البزار: ۹۶۴۲)

(۱۷) دجال کو قتل کریں گے۔ ”یَقْتُلُ الدَّجَّالَ“ اور اس کو قتل کرنے کی قدرت سوائے آپ کے کسی کو نہیں گی۔ ”لَمْ یُسَلَّطْ عَلٰی قَتْلِ الدَّجَّالِ إِلَّا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ“ (مسند ابی داؤد الطیالسی: ۲۶۲۶)

(۱۸) صلیب کو توڑ دیں گے۔ ”وَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ“

(۱۹) جزیہ بند کر دیں گے۔ ”وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ“

(۲۰) لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے گی۔ ”وَتَضَعُ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا“ (طبرانی اوسط: ۴۸۹۸)

(۲۱) خنزیر کو قتل کریں گے۔ ”وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ“

(۲۲) ”وَیُعَطِّلُ الْمِلَلَ حَتّٰی تَهْلِکَ فِي زَمَانِهِ الْمِلَلُ کُلُّهَا غَیْرَ الْإِسْلَامِ“ تمام مذاہب کو معطل کر دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا تمام ملتوں کو ہلاک کر دیں گے۔

حضرت عیسی کے زمانے میں امن اور خوش حالی کی چند جھلکیاں:

(۲۳) ”وَتَقَعُ الْأَمَنَةُ فِي الْأَرْضِ حَتّٰی تَرْتَعَ الْإِبِلُ مَعَ الْأُسْدِ جَمِیْعًا وَالنُّمُوْرُ مَعَ الْبَقَرِ، وَالذِّئَابُ مَعَ الْغَنَمِ، وَیَلْعَبَ الصِّبْیَانُ وَالْغِلْمَانُ بِالْحَیَّاتِ لَا یَضُرُّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا“ (مسند احمد: ۹۶۳۲)

زمین میں امن و امان کا دور دورہ ہو جائے گا، یہاں تک کہ اونٹ شیروں کے ساتھ، چیتے گائے کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چرنے لگیں گے۔ اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے، ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

(۲۴) ”وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ“ اور لوگوں کے دلوں سے کینہ، بغض اور حسد نکل جائے گا۔ (صحیح بخاری: ۱۵۵)

(۲۵) ”وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَهُ أَحَدٌ“ اور مال اتنا زیادہ تقسیم کریں گے کہ اُسے قبول کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ (صحیح بخاری: ۵۵۱)

(۲۶) ”وَتُنْزَعُ حُمَةُ کُلِّ ذَاتِ حُمَةٍ، حَتّٰی یُدْخِلَ الْوَلِیْدُ یَدَهُ فِي فِي الْحَیَّةِ فَلَا تَضُرَّهُ“ اور ہر زہریلے جانور کا زہر ختم ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ بچہ اپنا ہاتھ سانپ کے منہ میں دیگا تو وہ کچھ نقصان نہ پہنچائے گا۔

(۲۷) ''وَتُفِرَّ الْوَلِيدَةُ الْأَسَدَ فَلَا يَضُرُّهَا'' اور ایک چھوٹی بچی شیر کو بھگا دے گی وہ اس کو ضرر نہیں پہنچائے گا۔

(۲۸) ''وَتُمْلَأُ الْأَرْضُ مِنَ السِّلْمِ كَمَا يُمْلَأُ الْإِنَاءُ مِنَ الْمَاءِ'' اور زمین صلح سے بھر جائے گی جیسے برتن پانی سے بھر جاتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۷)

(۲۹) ''يُؤْذَنُ لِلسَّمَاءِ فِي الْقَطْرِ'' بادلوں کو بارش برسانے کی اجازت دی جائے گی۔ یعنی خوب بارش ہوگی۔

(۳۰) ''وَلِلْأَرْضِ فِي النَّبَاتِ'' اور زمین کو نباتات اُگانے کی اجازت دی جائے گی۔

''فَلَوْ بَذَرْتَ حَبَّةً عَلَى الصَّفَا لَنَبَتَتْ'' اگر تم اس وقت اپنا بیج چکنے پتھر میں بھی بوؤ گے تو وہ بھی اُگ آئے گا۔ (کنز العمال: ۳۸۸۵۹)

روایات میں ہے کہ زمین سے جو پھل نکلیں گے وہ ایسے ہوں گے کہ کئی آدمی انگور کے ایک خوشے سے سیر ہو جائیں گے۔ اور ایک جماعت ایک انار کو کھائے گی تو سب سیر ہو جائیں گے۔ ''حَتَّى يَجْتَمِعَ النَّفَرُ عَلَى الْقِطْفِ مِنَ الْعِنَبِ فَيُشْبِعَهُمْ. وَيَجْتَمِعَ النَّفَرُ عَلَى الرُّمَّانَةِ فَتُشْبِعَهُمْ''

(۳۱) ''وَتَكُونُ الْكَلِمَةُ وَاحِدَةً فَلَا يُعْبَدُ إِلَّا اللّٰهُ'' اور سب لوگوں کا کلمہ ایک ہو جائے گا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہیں کی جائے گی۔

(۳۲) ''وَتُسْلَبُ قُرَيْشٌ مُلْكَهَا'' اور قریش کی سلطنت جاتی رہے گی۔

(۳۳) بیل بہت مہنگے داموں میں بیچا جائے گا۔ ''وَيَكُونَ الثَّوْرُ بِكَذَا وَكَذَا مِنَ الْمَالِ''

کیونکہ اس وقت لوگ زراعت کی طرف متوجہ ہوں گے اس لئے وہ مہنگا ہو جائے گا۔

(۳۴) گھوڑا چند درہموں میں بیچا جائے گا۔ ''وَتَكُونُ الْفَرَسُ بِالدُّرَيْهِمَاتِ''

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! گھوڑا اتنا سستا کیوں ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تُرْكَبُ لِحَرْبٍ أَبَدًا'' اس لئے کہ لڑائی کے لئے کوئی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدتِ قیام اور مقامِ تدفین:

(۳۵)اس کے بعد اس زمین پر کل چالیس برس قیام کریں گے، اپنے نزول کے اکیس سال کے بعد آپ علیہ السلام نکاح فرمائیں گے، نکاح کے بعد انیس سال قیام ہو گا، پھر وفات ہو گی، مسلمان نماز جنازہ پڑھیں گے اور روضۂ اطہر میں آپ کی تدفین عمل میں آئے گی۔ ''فَیَمْکُثُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ سَنَةً ثُمَّ يُتَوَفّٰى فَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ'' (سنن ابی داؤد: ۴۳۲۴۔ سنن ترمذی: ۳۶۱۷)

(۳۶) آپ کی رحلت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق قبیلۂ بنی تمیم کے ایک شخص کو آپ کا خلیفہ مقرر کیا جائے گا۔ جس کا نام '' مُقْعَد'' ہو گا، اور ان کی وفات کے بعد لوگوں پر تیس سال بھی گزرنے نہ پائیں گے کہ قرآن مجید لوگوں کے سینوں اور ان کے مصاحف سے اُٹھا لیا جائے گا۔ (الاشاعۃ للبرزنجی: ۲۳۹)

قیامت کی علاماتِ صغریٰ:

اوپر ذکر کی گئی تفصیلات علامات کبریٰ سے متعلق ہیں، ان کے علاوہ قیامت کی کچھ علامات علاماتِ صغری کہلاتی ہیں، ان کی ایک بڑی فہرست ہے، مختلف احادیث میں آپ ﷺ نے متعدد علامات ارشاد فرمائی ہیں۔

نمازوں کے ضیاع کا فتنہ:

ان میں ایک اہم علامت نمازوں کا ضیاع ہے، یعنی لوگ آسانی سے نمازیں چھوڑ دیں گے، اور اس کی عادت بنالیں گے، حضور ﷺ نے یہ بات اُس وقت ارشاد فرمائی تھی جب صحابہ رضی اللہ عنہم تو دور کی بات ہے منافقین بھی نماز نہیں چھوڑتے تھے، نماز چھوڑنا ان کے تصور میں بھی نہیں تھا، ایمان اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز یہی تھی۔ بلکہ پچھلی قوموں کی گمراہی کا ایک سبب حق تعالیٰ نے اسی کو قرار دیا ہے۔

''فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا'' (مریم: ۵۹)

ایسے نااہل نائب لوگ آئے جنھوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور شہوات کی اتباع کی، عنقریب یہ لوگ آخرت میں خرابی دیکھیں گے۔

دعوت و تبلیغ کے اصول کے مآخذ:

آپ لوگ اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنی محنت کی ترتیب قائم کی اور اُس میں کلمے اور نماز پر محنت کے جو اصول قائم کئے وہ سب بے وجہ نہیں ہے، جس اُمت کو آپ نماز پر لاسکتے ہیں اُس کو پورے دین پر آسانی سے لاسکتے ہیں۔ اس لئے اس کو بنیادی مقاصد میں ذکر کیا، لیکن یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ یہ چھ نمبر پورا دین نہیں ہے بلکہ دین میں پچاسوں اور سینکڑوں چیزیں ہیں، اُن میں سے چند چیزوں کو منتخب کر کے چھ نمبر میں رکھا گیا ہے، اُسے صرف صاحبِ بصیرت لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس میں کتنی گہرائی اور پختگی ہے۔ حضرت کے ملفوظات اور ان کے افادات میں لکھا ہے کہ حضرت نے دعوت کا کام، اُس کے اصول وضوابط اور اس کام کا تمام طریقہ کار ابواب الفتن اور ابواب الجہاد سے نکالے ہیں۔

”نماز“ دین کا باب الداخلہ اور ”معاملات“ دین کا باب الخارجہ ہے:

مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ نماز دین کا باب الداخلہ ہے۔ یعنی اگر آپ کسی کو نماز کا پابند بنادیں تو دھیرے دھیرے وہ دین کی ساری باتوں پر عمل شروع کرلے گا، گویا یہ دین میں داخل ہونے کا راستہ ہے، اس کے برخلاف معاملات دین کا باب الخارجہ ہے، اس کے راستے سے آدمی دین سے نکل جاتا ہے، معاملات میں گڑبڑ ہوتی ہے۔ عہد شکنی ہوتی ہے، امانت میں خیانت ہوتی ہے، خرید و فروخت میں گڑبڑ ہوتی ہے، کھانے پینے کی چیزوں میں گڑبڑ ہوتی ہے، یہاں سے آدمی کے دین کی بربادی شروع ہوجاتی ہے۔ غرض آپ نے ایک بات یہ ارشاد فرمائی کہ زمانہ فتن میں نماز ضائع ہوگی، اس سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ اور کوشش کرنا ہے کہ کسی صورت میں اپنی نماز نہ چھوٹے۔

جھوٹ کا فتنہ:

ایک علامت یہ بیان فرمائی کہ قیامت کے قریب جھوٹ کو سچ سمجھا جائے گا، اور سچ کو جھوٹ سمجھا جائے گا، ”وَيُصَدَّقُ الْكَاذِبُ وَيُكَذَّبُ الصَّادِقُ“ سچوں کو جھوٹا اور جھوٹوں کو سچا

سمجھا جائے گا، لوگ جھوٹ بولنے کے عادی ہو جائیں گے اور یہ باور کروائیں گے کہ وہ سچے ہیں، اس لئے لوگ ان کی بات کو سچ سمجھیں گے، اور جو سچے ہیں اُن کو جھوٹا ثابت کیا جائے گا، وہ شریف ہوں گے، ان کو ملمع سازی تو آئے گی نہیں، وہ خاموش ہو جائیں گے، اور لوگ انہیں جھوٹا سمجھیں گے۔ (کنز العمال: کتاب القیامۃ: ۳۸۵۶۰)

آج حالت یہ ہے کہ لوگ جھوٹ کو حلال سمجھتے ہیں، جب کہ جھوٹ حرام ہے۔ اور حرام چیز حلال نہیں ہوتی، الّا یہ کہ مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے خود شریعت رعایت کر دے تو الگ بات ہے، شریعت میں کچھ مواقع ایسے ہیں جہاں اس نے جھوٹ کی اجازت دی ہے، جیسے دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے، دو مسلم گروپوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے، میاں بیوی کے درمیان صلح کرانے کے لیے، یا بیوی کو خوش کرنے کے لیے، یا کسی مسلمان کی جان بچانے کے لیے، جیسے ایک کافر مسلمان کو مارنے کے لئے پیچھے بھاگا ہوا آرہا ہو، وہ آکر آپ کے گھر میں گھس گیا، کافر نے آکر پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ تو ظاہر ہے کہ اس موقع پر سچ چھپایا جائے گا، ورنہ اس مسلمان کی جان کا خطرہ ہے، ایسے موقع پر مختلف حیلے اور تدابیر اختیار کی جائیں گی۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایسے موقع پر صریح جھوٹ کے بجائے توریہ ہی سے کام لینا چاہیے۔ توریہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بات کہیں جس میں دو مطلب کی گنجائش ہو، اور کہنے والا اس سے ایک مطلب یعنی دور کا مطلب مراد لے، اور سننے والا اس کا قریبی مطلب مراد لے۔

شرفاء کی عزت نہیں کی جائے گی:

ایسے ہی آپ نے فرمایا کہ شرافت اور کمینے پن میں انقلاب آجائے گا۔ یعنی جو کمینے لوگ ہیں اُن کے ٹھاٹھ ہوں گے۔ اُن کو عزت ملے گی، اُن کی واہ واہ ہوگی، اُن کی پذیرائی ہوگی اور اُن کو اچھا سمجھا جانے لگے گا۔ اور جو شریف ہے وہ بے چارہ پریشان ہو گا۔ اُس کا کوئی مقام و حیثیت نہیں ہوگی، اس کی کوئی عزت نہیں کی جائے گی۔ "یَرْتَفِعُ الْأَشْرَارُ وَيُوْضَعُ الْأَخْيَارُ" (مصنف ابن ابی شیبۃ: کتاب الفتن، ۳۸۷۰۴)

شریر اور بد تمیز لوگ بلند ہوں گے، ان کی عزت کی جائے گی، اور شریف لوگوں کی قدر گھٹادی جائے گی، ان کی کوئی عزت نہیں کی جائے گی۔

آدمی کے شر کے خوف سے اس کا اکرام کیا جائے گا:

کمینہ آدمی کے شر سے بچنے کے لئے اس کا اکرام کیا جائے گا۔ "أُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ"

(سنن ترمذی: کتاب الفتن: ۲۲۱۰)

باندی اپنی مالکن کو جنے گی:

باندی اپنی مالکن کو جنے گی، "اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا" علماء نے اس کے کئی مطالب بیان کئے ہیں، ان میں سے ایک مطلب یہ ہے کہ اولاد میں والدین کی نافرمانی کی کثرت ہو گی، اور وہ اپنی ماں کے ساتھ ذلت آمیز سلوک، گالی گلوچ، مار پیٹ جیسی گھناؤنی حرکت کریں گے، جیسے آقا اپنی باندی اور غلاموں کے ساتھ کرتے ہیں، اس اعتبار سے اولاد مالک کے مرتبے میں آجائے گی اور ماں باپ نوکر و غلام کے مرتبے میں آجائیں گے۔ (شرح السیوطی لسنن النسائی: ۸/۱۰۰)

جب کہ ماں باپ کے ساتھ قرآن کا حکم یہ ہے کہ اُن کے ساتھ بد تمیزی، گالی، ڈانٹ ڈپٹ تو دور کی بات ہے اف کہنے تک کا حکم نہیں ہے، لیکن قربِ قیامت یہ فتنہ عام ہو جائے گا، آدمی ان کے ساتھ بد تمیزی اور ان کی نافرمانی کرے گا، باپ کو دور کرے گا اور اپنے دوستوں کو قریب کرے گا، بیوی کی بات مانے گا اور ماں کی نافرمانی کرے گا، لیکن اسلامی تعلیم یہ ہے کہ ان کے ساتھ بد تمیزی نہ کرے، چاہے وہ جیسا سلوک کریں، اُن کی تیز گفتار کو سہہ جائے، اگر اُن کا ہاتھ اُٹھ جائے تو اُس کو بھی برداشت کرلے، اُن کی تکلیف میں پوری طرح ساتھ دے۔ ان کے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے۔ یہی صورت نوکر اور آفیسر میں، آقا اور لونڈی میں ہو گی، زمانے میں انقلاب پیدا ہو جائے گا، اس لئے ہم نوکر ہوں یا مملوک، اولاد ہوں یا کوئی اور ہمیں قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ دیکھنا چاہیے کہ بحیثیتِ اولاد ہونے کے ہمارا کیا حق ہے؟ بحیثیت نوکر ہونے کے میرا حق کیا ہے؟ مجھے کیا کرنا

ہے ؟ اگر میں باپ ہوں تو مجھے کیا کرنا ہے ؟ اگر میں اولاد ہوں تو مجھے اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا ہے ؟ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، یہ نہیں دیکھنا چاہیے۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن کر رہیں، تو یہ بڑا ہی مشکل کام ہے، عام طور پر نکاح کے بعد گھروں میں بڑے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، خاص طور پر اس وقت جب بیوی اور ماں باپ کے تعلقات استوار نہ رہیں، بیوی کی رعایت کرتے ہیں تو ماں کی رعایت نہیں ہو پاتی، ماں کی رعایت کرتے ہیں تو بیوی کا مسئلہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں ماں باپ کی رعایت کے ساتھ اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ رہنا بے انتہا مشکل کام ہے۔

حدیثِ مذکور کی ایک توجیہ:

اس موقع پر ایک بات یاد آئی، چونکہ بہت سے لوگ مسائل پوچھتے ہیں خاص طور پر مشترک خاندان اور جوائنٹ فیملی میں یہ معاملہ زیادہ پیش آتا ہے، ان تجربات کی روشنی میں ایک بات یہ ذہن میں آتی ہے ممکن ہے کہ اس میں خطا بھی ہو وہ یہ ہے کہ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ماں باپ کی اطاعت کرو، اگرچہ وہ تمہیں بیوی چھوڑنے کے لئے کہیں، ظاہر ہے کہ جب بیوی کا کوئی قصور نہیں ہے تو اُس کو کیوں چھوڑیں؟ اُس کی طرف سے کوئی ظلم و زیادتی نہیں ہے تو اُس کو کیوں چھوڑیں؟ علماء نے اس کی بہت سی توجیہات لکھی ہیں، ایک توجیہ جو ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ چاہے آپ چھوڑیں یا نہ چھوڑیں مگر آپ کا مزاج اور تأثر اپنی بیوی پر اور ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا ایسا جذبہ آپ میں ہونا چاہیے کہ اگر وہ چھوڑنے کے لئے کہہ دیں تو آپ چھوڑ دیں، لوگوں کے حالات جاننے کے بعد بعض دفعہ حدیث پاک کی یہ توجیہ ذہن میں آتی ہے۔

یہاں شرعی مسئلہ ساس اور سسر کی خدمت کرنے کا یا ان سے الگ رہنے کا علاحدہ ہے، لیکن مشترک فیملی میں پیار محبت کے ساتھ جو زندگی گزاری جاتی ہے وہ شوہر، ساس اور سسر کی خدمت کو سعادت سمجھتے ہوئے ہوتی ہے، اس تناظر میں یہ بات عرض کی جا رہی ہے، اس

میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی ماں بیٹے کی لڑائی ہوتی ہے تو کبھی شوہر اور بیوی کی، کبھی میاں بیوی تو دونوں مزے میں ہوتے ہیں لیکن لڑائی ماں باپ کے ساتھ ہوتی ہے، کبھی ساس کی جانب سے زیادتی ہوتی ہے تو کبھی بہو کی جانب سے، ایسے وقت مسئلہ نازک ہوتا ہے، ایسے موقع پر اولاد کو ماں باپ کے حقوق، ان کی عزت اور ان کے احترام کا بھرپور خیال کرنا چاہیئے، اور یہ کوشش کرنا چاہیے کہ ماں باپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ ان کی پوری خدمت کی جائے اور ان کا مکمل ساتھ دیا جائے اور ان کو یہ تاثر نہ دیا جائے کہ یہ بیوی سے مرعوب ہے، بلکہ ماں باپ کو ایسا لگے کہ یہ میرا ہی بیٹا ہے اور رہے گا۔

گانے اور باجے عام ہو جائیں گے:

گانا بجانا عام ہو جائے گا: ''وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ'' (سنن ترمذی: کتاب الفتن: ۲۲۱۱)

گانے بجانے کے ساتھ ساتھ اس کے سامانوں کو عزت کے ساتھ سنبھال کر رکھا جائے گا۔ اُس کو رکھنے کا ایک خاص انداز ہو گا، اُس کا ایک خاص ڈیکوریشن ہو گا، ان کی بڑی عزت کی جائے گی، پہلے زمانے میں گانے والیاں، رنڈیاں، فاحشہ اور طوائفوں کی کوئی عزت نہیں ہوتی تھی۔ معاشرے میں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا تھا، کسی مجلس میں اُس کی شرکت عیب کا باعث سمجھی جاتی تھی، اُس کے خاندان سے رشتہ جڑ جانا بڑے عیب کی بات سمجھی جاتی تھی، شریف عورتیں ایسی عورتوں سے پردہ کیا کرتی تھیں۔

خواتین کو بے حیاء عورتوں سے دور رہنا چاہیے:

شریعت میں ایسی عورتوں کے لئے جو مردوں میں بہت زیادہ گھل مل کر رہتی ہوں یہی حکم ہے کہ عورتیں بھی ایسی عورت سے پردہ کریں۔ آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے نیا مسئلہ بتا دیا، لیکن حقیقت یہی ہے کہ کوئی عورت اگر اتنی بے حیا اور جری ہو جو مردوں میں بہت زیادہ گھل مل کر اور بے تکلفی سے رہتی ہو تو اُس سے دوسری عورتوں کو دور رہنے کا حکم ہے، تا کہ کہیں اس کی سوچ اور اس کی فکر اور اس کا اثر دوسری عورتوں میں نہ آئے، ایسی

عورت کا معاشرے میں کوئی مقام نہیں ہوتا، لیکن اگر آج کوئی فلم ایکٹریس آجائے تو اُس کے ساتھ کھانا کھانے میں، اُس کے ساتھ رشتہ داری جوڑنے میں بڑی عزت سمجھی جاتی ہے۔ اُس کے آنے سے پارٹیاں منعقد کی جاتی ہیں اور اُس پارٹی میں شریک ہو کر اُس کے ساتھ فوٹو کھنچوالینا فخر کی بات سمجھی جاتی ہے، بلکہ لڑکیاں اور خواتین انہیں کے جیسا لباس، انہی جیسا رہن سہن انہیں جیسا کھانا پینا اور انہیں جیسا فیشن اختیار کرتی ہیں، اور اس طرح رہنا باعث عزت سمجھتی ہیں، پردہ کے ساتھ اسلامی لباس اور اسلامی طور طریقوں سے رہنے کو ناپسند یا ہلکا سمجھتی ہیں۔

بہت سے گھرانوں میں ٹی وی ہوتی ہے، صبح سے شام تک ٹی وی پر یا مختلف جگہوں پر نئے نئے ایڈورٹائز آتے رہتے ہیں، یا تقاریب وغیرہ میں کسی کا فیشن دیکھ لیا جاتا ہے، اب اسی کی خواہش ہوتی ہے، سر پر ایک ٹینشن سوار رہتا ہے، جو لباس دیکھا ویسا لباس چاہیے، زیب و زینت کا سامان دیکھا تو وہ چاہیے، بالوں کا کوئی فیشن دیکھا تو ویسا طرز چاہیے، اس طرح بے حیاء اور ننگی عورتیں ہمارے لئے نمونہ بنی ہوئی ہیں۔ آج ہمارے معاشرہ کا حال یہی ہے، ان چیزوں کا رکھنا خود بے ہودگی ہے، چہ جائیکہ اس کی خاص حفاظت اور اس کا خاص اہتمام کیا جائے جو کہ اس سے زیادہ بے ہودگی ہے۔ جن کے گھروں میں یہ چیزیں نہیں ہیں، گانے باجے کا انتظام نہیں ہے، ٹی وی نہیں ہے، اُن کا کیا نقصان ہو گیا؟ ایسی چیزیں نہ گھروں میں لانی چاہیے، اور نہ ایسی جگہوں پر جانا چاہیے۔

لوگوں کا تحیہ لعن طعن ہوگا:

جب دو مسلمان آپس میں ملیں گے تو سلام کلام، خیر خیریت کے بجائے ایک دوسرے پر لعن طعن کی باتیں کریں گے، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت برابر شریعت پر قائم رہے گی جب تک کہ اس میں تین باتیں ظاہر نہ ہوں، ان میں سے ایک بات یہ ارشاد فرمائی کہ سقارون ظاہر ہوں گے، صحابہ نے کہا کہ یارسول اللہ! سقارون کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”يَكُوْنُوْنَ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ تَكُوْنُ تَحِيَّتُهُمْ بَيْنَهُمْ إِذَا تَلَاقَوا التَّلَاعُنَ“ (المستدرک:

کتاب الفتن:۱۶۸۵۱) یہ وہ لوگ ہیں جو آخری زمانے میں ہوں گے، اور جب بھی وہ ملاقات کریں گے تو ان کا تحیہ لعن طعن ہو گا۔

اولاد کی زیادتی سے کراہیت کا فتنہ

لوگ اولاد سے کراہیت کریں گے۔ لوگ اولاد نہ ہونے کو ترجیح دیا کریں گے کہ اولاد ہی نہ ہو تو اچھا ہے۔

”لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ... حَتّٰى تَحْزَنَ ذَوَاتُ الْأَوْلَادِ وَتَفْرَحَ الْعَوَاقِرُ“ (کنز العمال:۳۸۵۷۷)

قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ اولاد والے غمگین ہو جائیں گے اور بانجھ عورتیں خوش ہوں گی۔

جب کہ حضور کی تعلیمات یہ ہے کہ تم شادی ہی اس عورت سے کرو جو زیادہ بچے جننے والی ہو، تا کہ جب تمہاری کثرت ہو گی تو میں کل قیامت میں اُمت کی زیادتی پر فخر کر سکوں۔

حمل گروائے جائیں گے:

اسی وجہ سے ایک اور علامت یہ بیان فرمائی کہ حمل گروائے جائیں گے: ” لَتُؤْخَذَنَّ الْمَرْأَةُ فَلَيُبَرَّقَنَّ بَطْنُهَا ثُمَّ لَيُؤْخَذَنَّ مَا فِي الرَّحِمِ فَلَيُنْبَذَنَّ مَخَافَةَ الْوَلَدِ“ (مصنف ابن ابی شیبة: کتاب الفتن، ۳۸۴۵۲) عورت کو پکڑا جائے گا اور اس کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا، پھر جو کچھ رحم میں ہو اس کو نکال کر پھینک دیا جائے گا۔ آج معاشرہ میں آپ دیکھیں کہ کتنے حمل گرائے جا رہے ہیں، نکاح کے بعد فورا حمل ٹھہر جائے تو اس کو گروا دیا جاتا ہے، بچوں کا جلدی پیدا ہو جانا عیب بن چکا ہے، دوائیں اس کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، تا کہ حمل ہی نہ ٹھہرے، مختلف تدابیر اس کے لئے اختیار کی جاتی ہیں، اگر حمل کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ لڑکی ہے تو اس کو گروا دیا جاتا ہے، کچھ حمل شادی سے پہلے ہی ٹھہر جاتے ہیں، ان کو گروایا جاتا ہے، آج کے زمانے میں آپریشن چل پڑے ہیں، کچھ تو عارضی ہوتے ہیں، جب تک چاہے بچوں کا سلسلہ موقوف کر دیں، اور کچھ میں آپریشن سے بچہ دانی ہی نکلوا دی جاتی ہے، یہ سخت ناجائز

اور حرام ہے، مجبوری میں شریعت نے جو گنجائش رکھی ہے وہ الگ ہے، لیکن مجبوری کی تعیین علماء سے کرنا چاہیے، ان سے اپنی مجبوری بیان کر کے مسئلہ معلوم کرنا چاہیے۔

مساجد منقش ہوں گے:

مساجد منقش کیئے جائیں گے، ان کو سنوارا جائے گا، لیکن ان کو آباد کرنے والے نہیں ہوں گے، مسجدوں کی زینت نقش و نگار سے نہیں بلکہ مصلیوں سے ہے، ایک آدمی بغیر نقش و نگار والی مسجد میں نماز پڑھتا ہے اور ایک آدمی مزین مسجد میں نماز پڑھتا ہے، کیا ان کے ثواب میں فرق ہے؟ کیا اس کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان کے مرتبہ میں میں فرق ہو گا؟ مسجد کی آبادی عبادت سے ہے، اگر مسجد میں نقش و نگار نہیں ہے تو کوئی نقصان نہیں ہے، ہاں مسجد کی صفائی کا اہتمام کرنا چاہیے، اگر کوئی آدمی اپنی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے مسجد کا نقش و نگار کرے تو اس کی اجازت ہے لیکن مسجد کے لئے عام لوگوں کا پیسہ جمع کر کے اسے نقش و نگار میں لگانے سے فقہاءِ کرام منع کرتے ہیں۔ نیز آج کل تفاخر کا بھی مزاج ہو گیا ہے، اس لئے فکر مسجد کی آبادی کی کرنی چاہیے۔ یہ قیامت کی نشانی ہے کہ مسجد کی عمارتیں شاندار ہوں گی، اس کے مینار بلند ہوں گے۔ لیکن مساجد ویران ہوں گی۔

مال کی کثرت ہو گی:

مال کی کثرت ہو گی، سونے اور چاند کا رواج عام ہو جائے گا۔ ”لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَکْثُرَ الْمَالُ وَ یَفِیْضَ حَتّٰی یَخْرُجَ الرَّجُلُ بِزَکَاةِ مَالِہٖ فَلَا یَجِدُ أَحَدًا یَقْبَلُھَا مِنْہُ“ (صحیح مسلم: ۱۰۱۷)

قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ مال کی بہتات ہو گی، حتی کہ اگر کوئی شخص زکوۃ لے کر نکلے گا تو زکوۃ قبول کرنے والے کو نہیں پائے گا، حتی کہ جب وہ کسی کو مال دے گا تو وہ کہے گا: ”لَا أَرَبَ لِيَ بِہٖ“ (صحیح بخاری: کتاب الفتن، ۶۷۰۴) مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

صحابہ کے زمانے میں جب فتوحات ہوئیں تو اس وقت بھی مال کی بہتات تھی، اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے بارے میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں کوئی زکوۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔

قحط سالی ہوگی:

قربِ قیامت کی ایک علامت کھانے کی، پہننے کی اور رہنے کی تنگی بھی ہے، اس سے متعلق بھی لوگ آزمائش میں مبتلا ہوں گے، جیسے قیامت کے قریب دجال کے خروج کے بعد فتنوں میں سے یہ ہوگا کہ جو دجال کے ماننے والے ہوں گے اُن کو کھانے پینے کی کوئی تنگی نہیں ہوگی۔ اور جو دجال کو نہیں ماننے والے ہوں گے اُن کو کھانے پینے کی بڑی تنگی ہو جائے گی۔ ابھی دجال نہیں آیا مگر دجالیت تو آہی گئی۔ اس وقت پوری دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ دجالیت کی پیروی کرنے والوں پر بڑی نوازشات ہوں گی اور دجالیت کی مخالفت کرنے والوں کو کھانے پینے کی تنگی ہوگی۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم کھانے پینے کی تنگی کو برداشت کرلینا۔ لیکن اپنے ایمان کو خطرے میں نہ ڈالنا، جان چلی جائے، مال چلا جائے، عزت و آبرو چلی جائے، لیکن ایمان نہ جانا چاہیئے، ایک مسلمان کا سب سے بڑا سرمایہ اور سوغات جو کل اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں لے جانی ہے وہ ایمان کا سرمایہ ہے، وہ نہ جانے پائے۔

امانتیں ضائع ہوں گی:

امانت کا ضیاع ہوگا۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو واپسی مشکل ہو جائے گی۔
”إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ“ (صحیح بخاری: کتاب الرقاق، ۶۱۳۱)

چاہے یہ امانت لوگوں میں رکھوائی گئی ہو یا انسان کے پاس حق تعالیٰ کی امانتیں ہوں۔ اُمت اُس کو ضائع کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ پہلے اس کا احساس تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، یہ بندے کے پاس امانت ہے، مگر اب ایسا دور آگیا ہے کہ امانتیں بے تحاشا ضائع ہوتی ہیں۔ امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے، مال کو غبن کرنا یہ بھی خیانت ہے، نجی محافل کی گفتگو بھی امانت ہوتی ہے، مشورے امانت ہوتے ہیں، ہر وہ چیز یا ہر وہ عمل جس میں اللہ یا بندہ کا حق متعلق ہو وہ امانت ہے اس میں کوتاہی خیانت ہے۔

سود خوری عام ہو جائے گی:

سود خوری عام ہو جائے گی، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبَا فَإِنْ لَمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بُخَارِهِ" (سنن ابی داؤد: کتاب البیوع: باب فی اجتناب الشبہات: ۳۳۳۳)

ضرور لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی باقی نہیں رہے گا مگر یہ کہ وہ سود کھائے گا، اگر وہ سود نہ کھائے تو اس کا بخار یعنی اس کا اثر ضرور پائے گا۔

عورتیں تجارت میں مردوں کے ساتھ شریک ہوں گی:

تجارت میں عورتیں مردوں کے ساتھ شریک ہوں گی۔ "وَشَارَكَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا فِي التِّجَارَةِ (الدر المنثور: ۷/۴۷۲، مسند احمد: ۳۸۷۰) بظاہر ہمیں لگتا ہے کہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، مگر آپ ﷺ نے اسے فتنہ قرار دیا ہے، میں متعدد مرتبہ اس کی نشاندہی کر چکا ہوں۔ شریعت نے ہر ایک کا دائرۂ کار الگ متعین کیا ہے، عورتوں کا دائرہ الگ ہے، مردوں کا دائرہ الگ ہے، عورتوں کے کام الگ ہیں، اور مردوں کے کام الگ ہیں۔ مرد کی ذمہ داری باہر کی ہے، اور عورتوں کی ذمہ داری گھر کی ہے، اگر مرد بھی باہر ہو جائیں اور عورتیں بھی باہر ہو جائیں یا عورت بھی گھر کے اندر ہو اور مرد بھی گھر کے اندر ہو تو پھر دونوں کو چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ اگر دونوں مستقل گھر میں ہوں تو فتنہ فساد لڑائی جھگڑے پیدا ہوں گے، اس کی مثالیں بھی ہمارے معاشرہ میں ملتی ہیں، اور اگر دونوں باہر ہوں اور دونوں کمارہے ہوں تو بظاہر لوگ سمجھتے ہیں کہ دونوں خوب پیسہ کمارہے ہیں، دونوں خوب مستی اور عیش میں ہیں تو ان دونوں کو جاکر پوچھنا چاہیے کہ انہیں کتنا چین وسکون حاصل ہے، کسی کو چین نصیب نہیں ہو گا، دونوں جب تھکے ہارے آئیں گے تو ایک دوسرے کا کیا خیال کریں گے؟ ایک دوسرے کے حقوق کیسے ادا کریں گے؟ ایک دوسرے کی کیا مدد کریں گے؟ ایک دوسرے کے ساتھ پیار و محبت کہاں رہے گا؟ ایک دوسرے کی عزت اور عظمت کہاں رہے گی، ہر ایک کو اپنی ذمہ داری کی فکر رہے گی، اگر ان کے بچے پیدا ہوں تو ان کی پرورش اور تربیت کا

مسئلہ الگ ہو گا، اور ان کو لے جاکر ان گھروں میں ڈالا جائے گا جن میں دوسرے ان کی پرورش اور تربیت کریں گے، ان کے بچے دوسروں کے ہاتھوں پلیں گے، پھر باہر ان کے ساتھ بے حیائی، گناہ اور غیروں کے ساتھ کتنا پھرنا ہو رہا ہے اس کا کچھ حساب نہیں، سینکڑوں ایسے واقعات ہیں جن میں ان کی زندگی تباہ وبرباد ہوگئی، مغربی ممالک میں اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں۔

قربِ قیامت کی ۲۰۰ سے زائد علامات:

یہ کچھ علاماتِ صغریٰ اور علاماتِ کبریٰ آپ کے سامنے پیش کی گئیں ہیں، موضوع کی مناسبت سے مختصراً قربِ قیامت پیش آنے والی اور بھی علامات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے، جو متعدد احادیث میں نبی پاک ﷺ سے منقول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱)"لَا یَذْهَبُ اللَّیْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰی تُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰی الخ" (مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۶۵۰)

قیامت ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لات وعزیٰ کی پوجا نہ کی جائے، جب ان کی پرستش ہوگی تو اللہ پاک ایک پاکیزہ ہوا بھیجیں گے، جو ہر اس مومن کی روح قبض کرلے گی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ اور جس کے دل میں ذرا بھی خیر نہیں ہوگا وہ باقی رہ جائے گا اور اپنے آباءواجداد کے دین پر واپس آجائے گا۔

(۲)"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَضْطَرِبَ أَلْیَاتُ نِسَاءِ دَوْسٍ عَلٰی ذِی الْخَلَصَةِ وَذُو الْخَلَصَةِ طَاغِیَةُ دَوْسٍ الَّتِیْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ الخ" (صحیح مسلم: کتاب الفتن، ۷۴۸۲)

قبیلۂ دوس کی عورتیں جب تک ذوالخلیصہ کے ارد گرد نہیں پھریں گی قیامت قائم نہیں ہوگی۔ اور ذوالخلیصہ قبیلۂ دوس کا ایک بت ہے جس کی وہ زمانۂ جاہلیت میں عبادت کیا کرتے تھے۔

(۳)"تَکْذِیْبٌ بِالْقَدْرِ" تقدیر کو جھٹلایا جائے گا۔ (مسند ابی یعلیٰ: یزید الرقاشي عن أنس بن مالک، ۴۱۳۵)

(۴)"إِیْمَانٌ بِالنُّجُوْمِ" ستاروں پر ایمان ہوگا۔ (مسند ابی یعلیٰ: یزید الرقاشي عن أنس بن مالک، ۴۱۳۵)

(۵)"سَیَکُوْنُ فِیْ أُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعُمُ أَنَّهٗ نَبِیٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" (سنن ابی داؤد: کتاب الفتن، ۴۲۵۴)

تیس جھوٹے مدعیانِ نبوت اور بعض روایات کے بقول ۷۰ پیدا ہوں گے اور وہ ایسی نئ باتوں کو لے کر آئیں گے جس کو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے نہیں سنا ہو گا، پس تم ان سے بچو ورنہ وہ تم کو فتنہ میں مبتلا کر دیں گے۔

(۶) ''يَذْهَبُ الْإِسْلَامُ فَلَا يَبْقٰى إِلَّا اسْمُهٗ وَيَذْهَبُ الْقُرْآنُ فَلَا يَبْقٰى إِلَّا رَسْمُهٗ''

اسلام کا نام اور قرآن بطورِ رسم رہ جائے گا۔ (شعب الایمان: ۱۹۰۸)

''يُدَرَّسُ الْإِسْلَامُ كَمَا يُدَرَّسُ وَشْيُ الثَّوْبِ حَتّٰى لَا يُدْرٰى مَا صِيَامٌ وَلَا صَلَاةٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ''

اسلام ایسے مٹ جائے گا جیسے کپڑے کے نقش و نگار مٹ جاتے ہیں یہاں تک کہ نماز، روزہ، زکوۃ اور قربانی وغیرہ سے لوگ ناواقف ہو جائیں گے۔ اور لوگوں کی جماعتیں رہیں گی، ان میں سے بوڑھے لوگ کہیں گے کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اس کلمہ لا الٰہ الا اللہ کو پڑھتے پایا تھا ہم بھی یہی پڑھتے ہیں۔ (کنز العمال: ۳۸۴۴۴)

(۷) ''يَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ ثُمَّ يَأْتِي بَعْدَ ذٰلِكَ زَمَانٌ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ رِجَالٌ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ'' امت پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ قرآن تو پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلے سے نہیں اترے گا۔ (سنن ابن ماجة: باب في ذكر الخوارج، ۱۷۵)

(۸) ''حُلِّيَتِ الْمَصَاحِفُ'' مصاحف کو خوب سنوارا اور سجایا جائے گا۔ (الجامع الصحيح للسنن: ۳۴۰/۲ـ الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۹) ''يُقْرَأُ الْمَثَانِي عَلَيْهِمْ فَلَا يَعِيبُهَا أَحَدٌ مِنْهُمْ قُلْتُ: مَا الْمَثَانِي؟ قَالَ: كُلُّ كِتَابٍ سِوٰى كِتَابِ اللّٰهِ'' (مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب الفتن، ۳۸۷۰۴)

مثانی یعنی کتاب اللہ کے علاوہ دوسری کتابیں پڑھی جائیں گی اور کوئی اسے معیوب نہیں سمجھے گا۔

(۱۰) ''وَاتَّخَذْتُمُ الْقُرْآنَ تِجَارَةً'' قرآن کو تجارت کا ذریعہ بنا لیا جائے گا۔ (کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۱۱) ''وَالْقُرَّاءُ فَسَقَةٌ'' قاری حضرات فاسق ہوں گے۔ (الجامع الصحيح للسنن: ۳۴۰/۲ـ الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۲)''وَاتُّخِذَ الْقُرْآنُ مَزَامِيْرَ'' **قرآن کو بانسری بنادیا جائے گا۔**(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۴۰۳۔الدر المنثور:۱۳/۷۷ ۳)

(۱۳)''یُسْرٰی عَلٰی کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی لَیْلًا فَیُصْبِحُ النَّاسُ لَیْسَ مِنْهُ اٰیَةٌ وَلَا حَرْفٌ فِيْ جَوْفِ مُسْلِمٍ إِلَّا نُسِخَتْ''(مسند الفردس:۸۸۴۸)

رات کے وقت کتاب اللہ اٹھالی جائے گی اور جس مسلمان کے سینے میں جو حرف وآیت ہوگی مٹادی جائے گی۔

(۱۴)''أَمَاتُوا الصَّلَاةَ''**لوگ نمازوں کو چھوڑ دیں گے۔**(الجامع الصحیح للسنن و المسانید:علامات الساعۃ الصغریٰ:۲/۴۰۳۔الدر المنثور:۱۳/۷۷ ۳)

(۱۵)''یَأْتِيْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَقُوْمُوْنَ سَاعَةً لَا یَجِدُوْنَ إِمَامًا یُصَلِّيْ بِهِمْ''**ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے امام نہیں ملے گا۔**(سنن ابن ماجہ:کتاب اقامۃ الصلاۃ، ۹۸۲)

(۱۶)''یَأْتِيْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَجْتَمِعُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَیْسَ فِیْهِمْ مُؤْمِنٌ''(مستدرک حاکم:کتاب الفتن، ۸۳۶۵)

لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ مساجد میں جمع ہوکر نماز تو پڑھیں گے لیکن ان میں ایک بھی مومن نہیں گا۔

(۱۷)''لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَتَبَاهَی النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ''**مساجد میں فخر کیا جائے گا۔**(سنن ابی داؤد:کتاب الصلاۃ، ۴۴۹)

(۱۸)''وَتُزَخْرَفُ الْمَحَارِیْبُ''**محرابوں کو سنوارا جائے گا۔**(المعجم الکبیر:۱۰۵۵۶)

(۱۹)''تُزَخْرَفُ الْمَسَاجِدُ کَمَا تُزَخْرَفُ الْکَنَائِسُ''**گرجاگھروں کی طرح مساجد کو سجایا جائے گا۔**(الدر المنثور:۷/۴۷۴)

(۲۰)''وَطُوِّلَتِ الْمَنَائِرُ''**مینارے بلند اور لامبے کئے جائیں گے۔**(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۴۰۳۔الدر المنثور:۱۳/۷۷ ۳)

(۲۱)''وَتَکْثُرُ الصُّفُوْفُ مَعَ قُلُوْبٍ مُتَبَاغِضَةٍ وَأَلْسِنَةٍ مُخْتَلِفَةٍ''(الدر المنثور:۷/۴۷۴)

صفوف کی کثرت ہوگی لیکن لوگوں کے دلوں میں بغض اور زبانوں میں اختلاف ہوگا۔

(۲۲) "إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَمُرَّ الرَّجُلُ فِي الْمَسْجِدِ لَا يُصَلِّيْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ" آدمی مسجد سے گزرے گا تو دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھے گا۔ (معجم طبرانی: ۹۴۸۹)

(۲۳) "تَتَّخِذُ الْمَسَاجِدُ طُرُقًا" (مجمع الزوائد: ۱۲۴۶۱) مساجد کو راستہ بنالیا جائے گا۔

(۲۴) "وَعَلَتْ أَصْوَاتُ الْفَسَقَةِ فِی الْمَسَاجِدِ" مساجد میں فاسقوں کی آوازیں بلند ہوں گی۔ (الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔ الدر المنثور: ۱۳/۳۷۷)

(۲۵) "يُوْشِكُ الرَّجُلُ يَشُقُّ عَلَيْهِ أَنْ يُؤَدِّیَ زَكَاةَ مَالِهٖ" آدمی کے لئے اپنے مال کی زکوٰۃ دینا بھی مشکل ہوجائے گا۔ (کنز العمال: ۳۹۶۳۴)

(۲۶) "وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا" زکاۃ کو جرمانہ اور تاوان سمجھا جائے گا۔ (الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔ الدر المنثور: ۱۳/۳۷۷)

(۲۷) "وَاتَّجَرُوا بِالزَّكَاةِ" زکوٰۃ کے ذریعہ تجارت کریں گے۔ (کنز العمال: ۳۸۴۹۷)

(۲۸) "الصَّدَقَةَ كُتِمَتْ وَغَلَّتْ" زکوۃ چھپالی جائے گی اور گراں ہوجائے گی۔ (مصنف عبد الرزاق: کتاب الجہاد، ۹۴۶۴)

(۲۹) "وَاسْتُؤْجِرَ فِي الْغَزْوِ" جہاد پر اجرت لی جانے لگے۔ (مصنف عبد الرزاق: کتاب الجہاد، ۹۴۶۴)

(۳۰) "لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُحَجَّ الْبَيْتُ" بیت اللہ کا حج نہیں کیا جائے گا۔ (کنز العمال: ۳۸۴۸۸)

(۳۱) "تَحُجُّ مُلُوْكُهُمْ لَهْوًا وَتَنَزُّهًا" بادشاہ بطورِ تفریح حج کریں گے۔ (الدر المنثور: ۷/۴۷۵)

(۳۲) "أَغْنِيَاؤُهُمْ لِلتِّجَارَةِ" مال دار تجارت کے لئے حج کریں گے۔ (الدر المنثور: ۷/۴۷۵)

(۳۳) "مَسَاكِيْنُهُمْ لِلْمَسْأَلَةِ" مساکین مانگنے کے لئے حج کریں گے۔ (الدر المنثور: ۷/۴۷۵)

(۳۴) "وَقُرَّاؤُهُمْ رِيَاءً وَسُمْعَةً" قراء اور علماء ریاکاری اور شہرت کے لئے سفر کریں گے۔ بعض روایات میں اس کے برعکس ہے۔ (الدر المنثور: ۷/۴۷۵)

(۳۵)"يُرْفَعُ الْعِلْمُ" علم اٹھالیا جائے گا۔(سنن ترمذی: کتاب الفتن، ۲۲۰۵)

(۳۶)"يَظْهَرُ الْجَهْلُ" جہالت ظاہر ہو جائے گی۔(سنن ترمذی: کتاب الفتن، ۲۲۰۵)

وفی روایة:"حَتّٰى يَقُوْمَ الرَّجُلُ إِلٰى أُمِّهِ فَيَضْرِبُهَا بِالسَّيْفِ مِنَ الْجَهْلِ"(مصنف ابن ابی شیبة: ۳۸۷۲۹) اور ایک روایت میں ہے کہ آدمی اپنی جہالت کی وجہ سے اپنی ماں کے خلاف لڑنے کے لئے اٹھے گا اور جہالت کی وجہ سے اس پر تلوار چلائے گا۔

(۳۷)"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَصِيْرَ الْعِلْمُ جَهْلًا وَالْجَهْلُ عِلْمًا" علم جہل ہو جائے گا اور جہل علم ہو جائے گا۔(مصنف ابن ابی شیبة: کتاب الفتن، ۳۸۷۴۳)

(۳۸)"وَتُفُقِّهَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ" علم دین کے علاوہ کے لئے حاصل کیا جائے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۳۹)"سَيَأْتِيْ عَلٰى أُمَّتِيْ زَمَانٌ يَكْثُرُ فِيْهِ الْقُرَّاءُ وَتَقِلُّ الْفُقَهَاءُ"(المعجم الاسط:۳۲۷۷)
امت پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں قراء زیادہ اور فقہاء کم ہوں گے۔

(۴۰)"يُقَدِّمُوْنَ الرَّجُلَ لَيْسَ بِأَفْقَهِهِمْ وَلَا أَعْلَمِهِمْ وَلَا بِأَفْضَلِهِمْ يُغَنِّيْهِمْ غِنَاءً"(المعجم الاوسط:۶۸۵)

ایسے آدمی کو لوگ آگے کریں گے جو نہ زیادہ سمجھ دار ہو گا اور نہ زیادہ علم والا ہو گا، اور نہ ان میں زیادہ افضل ہو گا اور قرآن مجید راگ کے ساتھ پڑھے گا۔

(۴۱)"وَصَعِدَتِ الْجُهَّالُ الْمَنَابِرَ" جاہل منبروں پر چڑھ جائیں گے۔(کنز العمال: کتاب القیامة: ۳۹۶۳۹)

(۴۲)"وَكَثُرَتْ خُطَبَاءُ مَنَابِرِكُمْ" منبروں کے خطباء بڑھ جائیں گے۔(کنز العمال: کتاب القیامة: ۳۹۶۳۹)

(۴۳)"يَخْطُبُ عَلَى الْمَنَابِرِ الصِّبْيَانُ" منبروں پر بچے خطبہ دیں گے۔(الدر المنثور: ۷/۴۷۴) اور چھوٹوں سے علم تلاش کیا جائے گا۔

(۴۴)"تَكُوْنُ الْمُخَاطَبَةُ لِلنِّسَاءِ" خطاب عورتوں سے ہو گا۔(الدر المنثور: ۷/۴۷۴)

(۴۵) ''وَتَعَلَّمَ عُلَمَاؤُكُمُ الْعِلْمَ لِيَجْلِبُوْا بِهٖ دَنَانِيْرَكُمْ وَدَرَاهِمَكُمْ'' **علماء دینار اور دراہم کے لئے علم سیکھیں گے۔** (کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۴۶) ''وَرَكَنَ عُلَمَاؤُكُمْ إِلٰى وُلَاتِكُمْ فَأَحَلُّوْا لَهُمُ الْحَرَامَ وَحَرَّمُوْا عَلَيْهِمُ الْحَلَالَ وَأَفْتَوْهُمْ بِمَا يَشْتَهُوْنَ'' **علماء حکمرانوں کی طرف جھک جائیں گے پھر حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے کر خواہشات کے مطابق فتوے دیں گے۔** (کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۴۷) ''يَظْهَرُ الْقَلَمُ'' **قلم ظاہر ہو گا۔** (سنن نسائی: کتاب البیوع، ۴۰۴۸) **یعنی تصنیفات بہت ہوں گی۔**

(۴۸) ''يَظْهَرُ الْقَوْلُ'' **باتیں زیادہ ہوں گی۔** (سنن دارمی: باب من لم یر کتابۃ الحدیث، ۴۸۵)

(۴۹) ''يُخْزَنُ الْعَمَلُ'' **عمل کم ہو جائے گا۔** (سنن دارمی: باب من لم یر کتابۃ الحدیث، ۴۸۵)

(۵۰) ''يَقُوْمُ الْخُطَبَاءُ بِالْكِذْبِ فَيَجْعَلُوْنَ حَقِّيْ لِشِرَارِ أُمَّتِيْ فَمَنْ صَدَّقَهُمْ بِذٰلِكَ وَرَضِيَ بِهٖ لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ'' **خطباء جھوٹ بیان کریں گے اور اللہ کا حق غیر اللہ کے لئے ثابت کریں گے، جو ان کی تصدیق کرے گا اور اس پر راضی ہو گا وہ جنت کی مہک بھی نہیں پائے گا۔** (کنز العمال: ۳۸۵۷۷)

(۵۱) ''لَا يُتَّبَعُ فِيْهِ الْعَلِيْمُ'' **اس زمانے میں علیم کی اتباع نہیں کی جائے گی۔** (مسند احمد: ۲۲۸۷۹)

(۵۲) ''اَلْفِقْهُ فِيْ رِذَالِكُمْ'' (کنز العمال: ۳۸۵۰۲) **علم کمینے لوگوں میں چلا جائے گا۔**

(۵۳) ''لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ الزُّهْدُ رِوَايَةً وَالْوَرْعُ تَصَنُّعًا'' (مسند الفردوس، ۷۵۵۷) **زھد و پرہیزگاری رواج اور تقویٰ تصنع و تکلف بن جائے گا۔**

(۵۴) ''ظَهَرَ الْإِدْهَانُ فِيْ خِيَارِكُمْ'' **نیک لوگوں میں مداہنت عام ہو جائے گی۔** (کنز العمال: ۳۸۵۰۲)

(۵۵) ''وَطُلِبَتِ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ'' **آخرت کے اعمال سے دنیا طلب کی جائے گی۔**

(۵۶) ''وَبَاعُوا الدِّيْنَ بِالدُّنْيَا'' **دین کو دنیا کے عوض بیچ دیں گے۔** (الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔ الدر المنثور: ۱۳/۳۷۷)

(۵۷)"وَاخْتَلَفَتْ أَهْوَاؤُكُمْ" تمہاری خواہشات مختلف ہوجائیں گی جس کی وجہ سے بھائیوں میں اختلاف پیدا ہو گا۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۵۸)"اَلْمَيْلُ مَعَ الْهَوىٰ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَهَوًى مُتَّبَعًا"خواہشات کی طرف میلان ہو گا۔اور خواہشات کی پیروی کی جائے گی۔(الدر المنثور: ۷/۴۷۴۔ سنن ابی داؤد: ۴۳۴۳)

(۵۹)"شُحًّا مُطَاعًا" بخل کی اتباع کی جائے گی۔(سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم: باب الامر والنہی، ۴۳۴۳)

(۶۰)"رَغِبَ النَّاسُ فِي الدُّنْيَا۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً"لوگ دنیا کی طرف راغب ہوں گے۔اور دنیا کو ترجیح دیں گے۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۴۴۔ سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم ۴۳۴۳)

(۶۱)"وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَأْيٍ بِرَأْيِهِ" اور ہر ذی رائے اپنی رائے کو اچھی سمجھے گا۔(سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم: باب الامر والنہی، ۴۳۴۳) یعنی اس پر مصر ہو گا۔

(۶۲)"وَخَرِبَتِ الْقُلُوْبُ" ان کے دل خراب اور ویران ہو جائیں گے۔قُلُوْبُهُمْ أَنْتَنُ مِنَ الْجِيْفَةِ۔لوگوں کے دل سڑی ہوئی لاش سے زیادہ بدبودار ہو جائیں گے۔(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔الدر المنثور: ۱۳/۳۷۷)"أَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ" ایلوے سے زیادہ کڑوے ہوں گے۔(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔الدر المنثور: ۱۳/۳۷۷)

(۶۳)"إِذَا كَانَتِ الْأَلْسِنَةُ لَيِّنَةً" زبانیں نرم ہو جائیں گی۔(مصنف ابن ابی شیبۃ: کتاب الفتن، ۳۸۷۰۱)

(۶۴)"تَبْدُوْ الشَّحْنَاءُ بَيْنَ النَّاسِ" دلوں میں دشمنی پیدا ہو جائے گی۔(کنز العمال: ۳۸۵۷۷)

(۶۵)"تَكْثُرُ الْخَطَايَا" خطائیں اور گناہ کثرت سے ہوں گے۔(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔الدر المنثور: ۱۳/۳۷۷)

(۶۶)"وَعَقَّ الرَّجُلُ أَبَاهُ" آدمی اپنے باپ کی نافرمانی کرے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔الدر المنثور: ۱۳/۳۷۷)

(۶۷)"وَبَرَّ صَدِيْقَهُ" اپنے دوست کے ساتھ احسان اور نیکی کرے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔الدر المنثور: ۱۳/۳۷۷)

(۶۸)"وَجَفَا أُمَّهُ" اپنی ماں کے ساتھ جفا کرے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔الدر المنثور: ۱۳/۳۷۷)

(۶۹) ’’وَأَطَاعَ زَوْجَتَهُ‘‘ اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا۔ (الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔ الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۷۰) ’’وَلَدَتِ الْأَمَةُ رَبَّهَا۔ باندی اپنی مالکن کو جنے گی۔ (الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔ الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۷۱) ’’وَالْوَلَدُ غَيْظًا‘‘ اولاد غصہ کا سبب بن جائے گی۔ (الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔ الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۷۲) ’’يَقِلُّ الرِّجَالُ‘‘ مرد کم ہو جائیں گے۔ (صحیح بخاری: کتاب العلم، ۸۱)

(۷۳) ’’لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَظْهَرَ الْفُحْشُ‘‘ (کنز العمال: ۳۸۵۸۳) فحاشیت اور عریانیت ظاہر ہو گی۔

(۷۴) ’’يَكْتَفِي الرِّجَالُ بِالرِّجَالِ وَالنِّسَاءُ بِالنِّسَاءِ‘‘ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے جنسی لذت حاصل کریں گی۔ (کنز العمال: ۳۸۴۹۵)

(۷۵) ’’تَكْثُرُ النِّسَاءُ حَتّٰى يَكُوْنَ عَلٰى خَمْسِيْنَ امْرَأَةً قَيِّمٌ وَاحِدٌ‘‘ عورتوں کی کثرت ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ پچاس عورتوں پر ایک ہی مرد نگران ہو گا۔ (صحیح بخاری: کتاب العلم، ۸۱)

(۷۶) ’’نِسَاؤُهُمْ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ عَلٰى رُءُوْسِهِمْ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْعِجَافِ الْعَنُوْهُنَّ فَإِنَّهُنَّ مَلْعُوْنَاتٌ لَوْ كَانَتْ وَرَاءَكُمْ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ لَخَدَمَهُمْ كَمَا خَدَمَكُمْ نِسَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ‘‘ (مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۳۴۶)

ان کی عورتیں کپڑا پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، ان کے سر لاغر اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے، تم ان پر لعنت کرو، کیونکہ وہ ہیں ہی ملعون، اگر تمہارے بعد کوئی امت ہو تو وہ ان کی خدمت کرے گی جیسا کہ تم سے پہلے امتوں میں عورتوں نے خدمت کی تھی۔

(۷۷) ’’يَظْهَرُ الزِّنَا‘‘ زنا ظاہر ہو گا۔ (صحیح بخاری: کتاب العلم، ۸۱)

(۷۸) ’’لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَجِدُ النِّسْوَةَ نَعْلًا مُلْقًى عَلَى الطَّرِيْقِ فَيَقُوْلُ بَعْضُهُنَّ لِبَعْضٍ قَدْ كَانَتْ هٰذِهِ النَّعْلَةُ مَرَّةً لِرَجُلٍ‘‘ (مصنف ابن ابی شیبۃ: کتاب الفتن، ۳۸۷۸۳)

لوگوں پر بے حیائی اور فحاشیت کا ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ عورتیں راستے میں جوتا پڑا ہوا دیکھیں گی تو ایک دوسرے سے کہیں گی کہ یہ جوتا فلاں کا تھا۔

(۷۹) "تُؤخَذُ الْمَرْأَةُ نَهَارًا جِهَارًا تُنْكَحُ وَسَطَ الطَّرِيْقِ لَا يُنْكِرُ ذٰلِكَ أَحَدٌ وَلَا يُغَيِّرُهُ فَيَكُوْنُ أَمْثَلَهُمْ يَوْمَئِذٍ الَّذِيْ يَقُوْلُ : لَوْ نَحَّيْتَهَا عَنِ الطَّرِيْقِ قَلِيْلاً فَذَاكَ فِيْهِمْ مِثْلُ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فِيْكُمْ" (مستدرک حاکم: ۸۵۱۶)

عورت سے دن میں راستہ کے درمیان پکڑ کر زنا کیا جائے گا، اور کوئی انکار کرنے والا نہیں ہوگا، اوراس وقت جو یہ کہے کہ راستے سے تھوڑا ہٹ جاؤ تو وہ ان میں ایسا ہوگا جیسے تم میں ابو بکر وعمر ہیں۔

(۸۰) "لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ دَخَلَ جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمْ وَحَتّٰى لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ جَامَعَ امْرَأَتَهُ بِالطَّرِيْقِ لَفَعَلْتُمُوْهُ" (مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۴۰۴)

تم یہود و نصاری کی بالش در بالش یعنی مکمل اتباع کروگے یہاں تک اگر ان میں سے کوئی کسی بل میں داخل ہو تو تم بھی ان کے پیچھے داخل ہو جاؤ گے، اور اگر وہ راستے میں زنا کریں گے تو تم بھی راستوں میں زنا کروگے۔

(۸۱) "تَكْثُرُ اَوْلَادُ الْبَغْيَةِ۔ ولد الزنا کی کثرت ہوگی۔ (الترغیب والترھیب لابن منذر: کتاب الادب وغیرھا، ۴۱۴۷)

(۸۲) "لَتُؤْخَذَنَّ الْمَرْأَةُ فَلَيُبَرَّقَنَّ بَطْنُهَا ثُمَّ لَيُؤْخَذَنَّ مَا فِي الرَّحِمِ فَلَيُنْبَذَنَّ مَخَافَةَ الْوَلَدِ" (مصنف ابن ابی شیبۃ: کتاب الفتن، ۳۸۴۵۲) عورت کے پیٹ کو چاک کرکے جو کچھ رحم میں ہو اس کو نکال کر پھینک دیا جائے گا۔

(۸۳) "وَلَا يُسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَلِيْمِ" حلیم سے نہیں شرمایا جائے گا۔ (مسند احمد: ۲۲۸۷۹)

(۸۴) "سَيَكُوْنُ فِيْ آخِرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ رِجَالٌ يَرْكَبُوْنَ عَلَى الْمَيَاثِرِ حَتّٰى يَأْتُوْا أَبْوَابَ مَسَاجِدِهِمْ" (مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۳۴۶)

اس امت کے اخیر میں ایسے مرد اور عورتیں ہوں گی جو ریشم اور ٹٹوؤں پر سوار ہوں گی اور مساجد آئیں گی۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۸۵)’’لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَكَلَّمَ السِّبَاعُ الْإِنْسَانَ وَحَتّٰى تَكَلَّمَ الرَّجُلُ عَذْبَةَ سَوْطِهٖ وَشِرَاكَ نَعْلِهٖ وَيُخْبِرُهٗ فَخِذُهٗ بِمَا أَحْدَثَ أَهْلَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ‘‘(سنن ترمذی: کتاب الفتن، ۲۲۸۱)

قیامت کی علامات میں سے یہ ہے کہ درندے انسان سے بات کریں گے یہاں تک آدمی جوتے کے تسمہ اور کوڑے سے بات کرے گا،(یہ چیزیں)اور اس کی ران اسے بتادے گی کہ اس کے گھر والوں نے اس کے بعد کیا کیا۔

(۸۶)’’وشَارَكَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا فِي التِّجَارَةِ‘‘عورت اپنے شوہر کے ساتھ تجارت میں شریک ہوگی۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۸۷)’’وَتَشَبَّهَ الرِّجَالُ بِالنِّسَاءِ‘‘مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کریں گے۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۸۸)’’وَالنِّسَاءُ بِالرِّجَالِ‘‘عورتیں مردوں کی مشابہت اختیار کریں گی۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۸۹)’’وَكَثُرَ الطَّلَاقُ‘‘طلاق کی کثرت ہوگی۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۹۰)’’وَتَهَاوَنُوْا بِالطَّلَاقِ‘‘طلاق کو ہلکا اور معمولی سمجھیں گے۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۹۱)’’وَتَكُوْنُ الْمَشُوْرَةُ لِلْإِمَاءِ‘‘مشورہ باندیوں اور عورتوں سے ہوگا۔(الدر المنثور: ۴۷/۷)

(۹۲)’’أَضَاعُوا الْأَمَانَةَ‘‘امانت ضائع کریں گے۔(الجامع الصحیح للسنن والمسانید: علامات الساعۃ الصغریٰ: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۹۳)’’الرَّجُلُ يَتَمَرَّسُ بِأَمَانَتِهٖ كَمَا يَتَمَرَّسُ الْبَعِيْرُ بِالشَّجَرَةِ فَإِنَّكَ وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ‘‘(مصنف عبدالرزاق: کتاب الجهاد، ۹۴۶۴)

اور آدمی اپنے پاس رکھی ہوئی امانت کو ایسے رگڑے جیسے اونٹ درخت سے اپنے آپ کو رگڑتا ہے تو اس وقت تم اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے۔

(۹۴) "وَائْتُمِنَ الْخَائِنُ" **خائن کو امین سمجھا جائے گا۔** (الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۹۵) "وَخُوِّنَ الْأَمِيْنُ" **امانت دار کو خیانت کرنے والا سمجھا جائے گا۔** (الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۹۶) "وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا" **امانت کو مالِ مفت سمجھا جائے گا۔** (الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۹۷) "وَالْأُمَنَاءُ خَوَنَةً" **امانت دار خائن ہو جائیں گے۔** (الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۹۸) "تَفْشُو التِّجَارَةُ" **تجارت پھیل جائے گی۔** (سنن نسائی: کتاب البیوع، ۶۰۴۸)

(۹۹) "يَفْشُو الْمَالُ" **مال کی کثرت ہو گی۔** (سنن نسائی: کتاب البیوع، ۶۰۴۸)

(۱۰۰) مال کی اتنی کثرت ہو گی کہ صدقہ دینے کے لئے آدمی کو ڈھونڈنا پڑے گا، اور جب کسی کو مال دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: کتاب الفتن، ۶۷۰۴)

(۱۰۱) "يُعَظَّمُ رَبُّ الْمَالِ" **مال والے کی تعظیم کی جائے گی۔** (الترغیب والترھیب: ۴۱۴۷)

(۱۰۲) "إِذَا كَانَتِ الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ" (سنن ابی داود: کتاب السنۃ، ۴۶۹۷) **ننگے پیر اور ننگے بدن بکریوں کے چرواہے لمبی لمبی عمارتیں بنائیں گے۔**

(۱۰۳) "وَشُيِّدَ الْبِنَاءُ" **عمارتیں مضبوط بنائی جائیں گی۔** (کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۱۰۴) "وَاسْتَعْلَوُا الْبِنَاءَ" **بلند عمارتیں بنائیں گے۔** (الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۰۵) "وَتَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ وَقَدْ صَارُوا مُلُوْكًا" **تم ننگے پیر اور ننگے بدن والوں کو دیکھو گے کہ وہ بادشاہ اور سردار ہو جائیں گے۔** (الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۰۶)"وتُطلَبُ الْبِيْضَاءُ - يَعْنِي الدَرَاهِمَ" بیضاء یعنی دراہم طلب کئے جائیں گے۔
(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۰۷)"لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی يَحسِرَ الْفُرَاتُ عَنْ جَبَلٍ مِنْ ذَهَبٍ يَقْتَتِلُ النَّاسُ عَلَيْهِ فَيُقْتَلُ مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ وَيَقُوْلُ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ لَعَلِّيْ أَكُوْنُ أَنَا الَّذِيْ أَنْجُوْ"(صحیح مسلم: کتاب الفتن، ۷۴۵۴)

قیامت سے پہلے فرات سے سونے کا پہاڑ ظاہر ہو گا، جس کے حصول کے لئے لوگ ہر سو میں سے ۹۹ قتل کئے جائیں گے، ان میں سے ہر ایک کہے گا: شاید میں ہی بچ جاؤں۔

(۱۰۸)"لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَقُوْمَ رَأْسُ الْبَقَرَةِ بِالْأَوْقِيَّةِ" مہنگائی اتنی ہو گی کہ گائے کے سر کی قیمت ایک اوقیہ چاندی ہو گی۔(مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب الفتن، ۳۸۷۰۶)

(۱۰۹)"يَرْتَفِعُ الْأَشْرَارُ۔ شریروں کو بلند رتبہ دیا جائے گا"(مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب الفتن، ۳۸۷۰۴)

(۱۱۰)"يُوْضَعُ الْأَخْيَارُ" شریفوں کی عزت گھٹائی جائے گی۔(مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب الفتن، ۳۸۷۰۴)

(۱۱۱)"وَصَارَ الْعَطَاءُ فِي الْعَبِيْدِ وَالسُّقَّاطِ" اور داد و دہش غلاموں اور پس ماندہ لوگوں میں رہ جائے گی۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۱۱۲)"وُلِّيَتْ أُمُوْرُكُمُ السَّفَهَاءَ" اور بے وقوف تمہارے حکومتی کاموں کے ذمہ دار بن جائیں گے۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۱۱۳)"وَصَارَتِ الْإِمَارَاتُ مَوَارِيْثَ" عہدے میراث بن جائیں گے۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۱۱۴)"وَتَحُوْلُ الْمُلْكُ فِيْ صِغَارِكُمْ"(کنز العمال: ۳۸۵۰۲) ملک تمہارے چھوٹوں کے پاس چلا جائے گا۔

(۱۱۵)"وَكَانَ الْأُمَرَاءُ فَجَرَةً" امراء فاجر ہوں گے۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۱۶)"وَالْوُزَرَاءُ كَذَبَةً" وزراء جھوٹے ہوں گے۔ (الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۱۷)"وَالْعُرَفَاءُ ظَلَمَةً" قوم کے سردار ظالم ہوں گے۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور:۳۷۷/۱۳)

(۱۱۸)"وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ" قوم کا سردار قوم کا ذلیل شخص ہو گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲

(۱۱۹)"وَاتُّخِذَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا" مال غنیمت کو حکومت کا مال سمجھا جائے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور:۳۷۷/۱۳)

(۱۲۰)"وَتَغُلُّ الأُمَرَاءُ" امراء خیانت کریں گے۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور:۳۷۷/۱۳)

(۱۲۱)"تَفْشُو الْغِيبَةُ" غیبت پھیل جائے گی۔(الترغیب والترھیب:۴۱۴۷)

(۱۲۲)"يَكْثُرُ الشُّرَطُ وَالْغَمَّازُونَ وَالْهَمَّازُونَ" پولیس، چغلی اور غیبت کرنے والوں کی کثرت ہو گی۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۸۴۹۶)

(۱۲۳)"وَأَخَذُوا الرُّشَى" رشوت لی جائے گی۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۱۲۴)"لَعِبْتُمْ بِالْمَيْسِرِ" تم جوا کھیلنے لگو گے۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۱۲۵)"وَأَكَلُوا الرِّبَا" لوگ سود کھائیں گے۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور:۳۷۷/۱۳)

(۱۲۶)"وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ" شراب کثرت سے پی جانے لگے گی۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور:۳۷۷/۱۳)

(۱۲۷)"وَالْحَرِيرُ لِبَاسًا" لباس ریشم کا ہو گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور:۳۷۷/۱۳)

(۱۲۸)"وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ" (الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور:۳۷۷/۱۳)

(۱۲۹)"وَالْمَعَازِفُ"۔باجے، آلاتِ موسیقی اور گانے والیوں کو رکھا جائے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور:۳۷۷/۱۳)

(۱۳۰)"وَاسْتُحِلَّتِ الْمَعَازِفُ" آلات موسیقی کو حلال سمجھا جائے گا۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ: ۳۹۶۳۹)

(۱۳۱)"وَحُلِفَ بِاللّٰہِ مِنْ غَیْرِ أَنْ یُسْتَحْلَفَ" بغیر قسم طلب کئے اللہ کی قسم کھائی جائے گی۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۳۲)"وشَہِدَ الْمَرْءُ مِنْ غَیْرِ أَنْ یُسْتَشْہَدَ" آدمی بغیر گواہی طلب کئے گواہی دے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۳۳)"وَاسْتَحَلُّوا الْکَذِبَ" جھوٹ کو حلال سمجھیں گے۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۳۴)"وَالْکَذِبُ صِدْقًا" جھوٹ سچ ہو جائے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۳۵)"وَصُدِّقَ الْکَاذِبُ" جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۳۶)"وَکُذِّبَ الصَّادِقُ" سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۳۷)"وَکَثُرَ الْقَذْفُ" تہمتوں کی کثرت ہو گی۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۳۸)"کِتْمَانُ شَہَادَۃِ الْحَقِّ" سچی گواہی کو چھپایا جائے گا۔(مستدرک حاکم: کتاب الاحکام، ۷۰۴۳)

(۱۳۹)"وَتَقَطَّعَتِ الأَرْحَامُ" رشتہ داریاں ختم کر دیں گے۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۴۰)"لَا یَرْحَمُوْنَ صَغِیْرًا" بچوں پر رحم نہیں کیا جائے گا۔(الدر المنثور: ۴۷۴/۷)

(۱۴۱)وَلَا یُوَقِّرُوْنَ کَبِیْرًا۔ بڑوں کی عزت نہیں کی جائے گی۔(الدر المنثور: ۴۷۴/۷)

(۱۴۲)''لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی يَكُوْنَ السَّلَامُ عَلَى الْمَعْرِفَةِ''سلام جان پہچان کی بنیاد پر ہو گا۔(مجمع الزوائد: ۱۲۴۶۱)

(۱۴۳)''يَكُوْنُوْنَ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ السَّقَّارُوْنَ... تَكُوْنُ تَحِيَّتُهُمْ بَيْنَهُمْ إِذَا تَلَاقَوا التَّلَاعُنَ''(مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۳۴۹)

اخیر زمانے میں سقارون یعنی ایسے لوگ ہوں گے جو ملاقات کریں گے تو ان کا تحیہ لعن طعن ہو گا۔

(۱۴۴)''سُوْءُ الْجِوَارُ''پڑوسی برے ہوں گے۔(مستدرک حاکم: ۸۵۶۶)

(۱۴۵)''يَظْهَرُ أَهْلُ الْمُنْكَرُ''اہل منکر ظاہر ہوں گے۔(الترغیب والترھیب: ۴۱۴۷)

(۱۴۶)''يَظْهَرُ الْبُغَاءُ''اور اہل بغاوت ظاہر ہو جائیں گے۔

(۱۴۷)''وَظَهَرَ الْجَوْرُ''ظلم ظاہر ہو گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔الدر المشور: ۱۳/۳۷۷)

(۱۴۸)''وَاتُّخِذَ الظُّلْمُ فَخْرًا''ظلم کو فخر سمجھا جائے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔الدر المشور: ۱۳/۳۷۷)

(۱۴۹)''وَبِيْعَ الْحُكْمُ''حکم کو بیچا جائے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔الدر المشور: ۱۳/۳۷۷)

(۱۵۰)''وَيَقِلُّ الْأَمْنُ''امن کم ہو جائے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔الدر المشور: ۱۳/۳۷۷)

(۱۵۱)''لاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حتى تُفْتَحَ خَزَائِنُ كِسْرىٰ وَقَيْصَرَ''(المعجم الکبیر: ۱۳۸)
قیصر اور کسریٰ کے خزانے فتح کیے جائیں گے۔

(۱۵۲)''وَصَارَتْ أَمْوَالُكُمْ عِنْدَ شِرَارِكُمْ''تمہارے مال تمہارے برے لوگوں کے پاس چلے جائیں گے۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ، ۳۹۶۳۹)

(۱۵۳)''وَفَاضَ اللِّئَامُ فَيْضًا''کمینے اور رذیل لوگوں کی کثرت ہو گی۔(الجامع الصحیح للسنن: ۲/۳۴۰۔الدر المشور: ۱۳/۳۷۷)

(۱۵۴)''وَغَاضَ الْكِرَامُ غَيْضًا''شریف لوگوں کا فقدان ہو گا۔(حوالۂ سابق)

(۱۵۶)''وَيَجْتَرِئُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ''چھوٹا بڑے پر جرأت کرے گا۔(ترمذی: کتاب الفتن: ۲۲۱۰)

(۱۵۷)"وَاللَّئِيْمُ عَلَى الْكَرِيْمِ" اور کمینہ شریف پر جری ہو جائے گا۔(ترمذی: کتاب الفتن: ۲۲۱۰)

(۱۵۸)"أُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ" کمینہ آدمی کے شر سے بچنے کے لئے اس کا اکرام کیا جائے گا۔(ترمذی: کتاب الفتن: ۲۲۱۰)

(۱۵۹)"وَتُفِيْضُ الْأَشْرَارُ فَيْضًا" برے لوگ شر بہت پھیلائیں گے۔(المعجم الکبیر: ۱۰۵۵۶)

(۱۶۰)"وَيُسَوِّدُ كُلَّ قَبِيْلَةٍ مُنَافِقِيْهَا" ہر قبیلہ اپنے منافق لوگوں کو سردار بنالے گا۔(المعجم الکبیر: ۱۰۵۵۶)

(۱۶۱)"وَكُلَّ سُوْقٍ فُجَّارُهُمْ" اور ہر بازار کے لوگ اپنے فاجروں کو بڑا بنالیں گے۔ (المعجم الکبیر: ۱۰۵۵۶)

(۱۶۲)"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَغْلِبَ أَهْلُ الْقَفِيْزِ عَلٰى قَفِيْزِهِمْ وَأَهْلُ الْمُدِّ عَلٰى مُدِّهِمْ وَأَهْلُ الْإِرْدَبِ عَلٰى إِرْدَبِهِمْ وَأَهْلُ الدِّيْنَارِ عَلٰى دِيْنَارِهِمْ وَأَهْلُ الدِّرْهَمِ عَلٰى دِرْهَمِهِمْ"(کنز العمال: ۳۸۶۰۵)

اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک قفیز والے اپنے قفیز پر، مدوالے اپنے مد پر، اردب والے اپنے اردب (پیمانہ) پر، دینار والے اپنے دینار پر، درہم والے اپنے درہم پر غالب نہ آجائیں۔

(۱۶۳)"وَطُفِّفَ الْمَكَائِيْلُ وَالْمَوَازِيْنُ" کیل اور وزن گھٹا دے جائیں گے۔(کنز العمال: کتاب القیامۃ: ۳۹۶۳۹)

(۱۶۴)"وَتَتَقَارَبُ الْأَسْوَاقُ" بازاروں میں نقصان اور نفع کم ہو گا۔(مسند احمد: ۱۰۷۲۴)

(۱۶۵)"إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تَعْزُبَ الْعُقُوْلُ وَتُنْقَصَ الْأَحْلَامُ"(مجمع الزوائد: ۱۲۴۶۴)
عقل و فہم کم ہو جائیں گی۔

(۱۶۷)"وَضُيِّقَتِ الطُّرُقَاتُ" (کنز العمال: کتاب القیامۃ: ۳۹۶۳۹) راستے تنگ کر دئے جائیں گے۔ جس کی وجہ سے بے حیائی اور مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہو گا۔

(۱۶۸)"یُبَرِّدُ الصَّبِيُّ الشَّيْخَ لِفَقْرِهٖ" بچہ اپنی ضروریات میں بوڑھے کو قاصد بنائے گا یعنی اس سے کام لے گا۔ (معجم طبرانی: ۹۴۸۹)

(۱۶۹)"وَعُمِّرَ الْخَرَابُ وَخُرِّبَ الْعَامِرُ" آبادی ویران اور ویرانے آباد ہو جائیں گے۔

(مصنف عبدالرزاق: کتاب الجهاد، ۹۴۶۴)

(۱۷۰)"لَبِسُوا مُسُوكَ الضَّأنِ" بھیڑوں کی کھال پہنیں گے۔ (الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔ الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۷۱)"وَجُلُوْدُ السِّبَاعِ صِفَاقًا" درندوں کی کھالوں کے موزے بنائے جائیں گے۔

(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔ الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۷۲)"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا تَنْطِحَ ذَاتُ قَرْنٍ جَمَّاءَ" (مسند احمد: ۹۹۵۵)

سینگ والا جانور بے سینگ والے سے لڑے گا۔

(۱۷۳)"وَلَبِسَ الرِّجَالُ التِّيْجَانَ" مرد تاج پہنیں گے۔ (کنز العمال: کتاب القیامة، ۳۹۶۳۹)

(۱۷۴)"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ فَيَكُوْنُ السَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرِ كَالْجُمُعَةِ وَالْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَالْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ وَالسَّاعَةُ كَالضَّرْمَةِ بِالنَّارِ۔ وفی روایة۔ وَتَكُوْنُ السَّاعَةُ كَاحْتِرَاقِ السَّعْفَةِ" (سنن ترمذی: کتاب الزهد، ۲۳۳۲)

زمانہ بہت تیزی کے ساتھ گزرے گا۔ سال مہینے کی طرح، مہینہ جمعہ کی طرح جمعہ ایک دن کی طرح اور دن ایک ساعت کی طرح اور ایک ساعت آگ کی ایک دہک کی طرح ہو جائے گی۔

(۱۷۵)"تَكْثُرُ الصَّوَاعِقُ عِنْدَ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ حَتّٰى يَأْتِيَ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَيَقُوْلُ مَنْ صَعِقَ قِبَلَكُمُ الْغَدَاةَ فَيَقُوْلُوْنَ صَعِقَ فُلَانٌ وَفُلَانٌ" (مسند احمد: ۱۱۶۲۱)

قیامت کے قریب کثرت سے غشی طاری ہو گی، آدمی لوگوں کے پاس آکر پوچھے گا: تمہارے پاس کل کون بے ہوش ہوا تھا؟ لوگ کہیں گے فلاں بے ہوش ہوا اور فلاں پر غشی طاری ہوئی۔

(۱۷٦)"وَمَوْتُ الْفُجَاءَةِ" **اچانک اموات ہوں گی۔**(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور:۳۷۷/۱۳)

(۱۷۷)"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی يَقْتُلَ الرَّجُلُ جَارَهُ وَأَخَاهُ وَأَبَاهُ"(الادب المفرد:۱۱۸)
قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ آدمی اپنے پڑوسی اور بھائی اور باپ کو قتل کرے گا۔

(۱۷۸)"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا تَحْمِلَ النَّخْلَةُ إِلَّا تَمْرَةً" **کھجور کے درخت سے ایک ہی کھجور نکلے گا۔**(مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب الفتن،۳۸۷۰۵)

(۱۷۹)"يُوْشِكُ أَنْ تَطْلُبُوا فِيْ قُرَاكُمْ هٰذِهِ طَسْتًا مِنْ مَاءٍ فَلَا تَجِدُوْنَهُ يَنْزَوِيْ كُلُّ مَاءٍ إِلٰى عُنْصُرِهِ فَيَكُوْنُ فِي الشَّامِ بَقِيَّةُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَاءُ تَغُوْرُ الْمِيَاهُ كُلُّهَا وَتَرْجِعُ إِلٰى أَمَاكِنِهَا إِلَّا نَهَرَ الْأُرْدُنِّ وَنِيْلَ مِصْرَ"(مستدرکِ حاکم: ۵۴۹/۴۔الفتن لنعیم:۱۷۹۵)

پانی کی قلت ہوگی، تمام پانی تہہ میں چلا جائے گا،نہر اردن اور نیل دونوں جاری رہیں گے۔بستیوں میں اگر ایک تھال بھی پانی طلب کیا جائے گا تو وہ نہ ملے گا،شام میں بچے ہوئے مسلمان ہوں گے اور پانی ہو گا۔

(۱۸۰)"تَكْثُرُ الزَّلَازِلُ" **زلزلوں کی کثرت ہوگی۔**(صحیح بخاری: کتاب الفتن،٦۷۰۴)

(۱۸۱)"وَكَانَ الْمَطَرُ قَيْظًا" **بارش تباہی مچائے گی۔**(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور:۳۷۷/۱۳)

(۱۸۲)فتنوں کی کثرت اور حالات اتنے خراب ہوں گے کہ آدمی کسی کی قبر سے گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش اس کی جگہ میں ہوتا۔"حَتّٰی يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ يَا لَيْتَنِيْ مَكَانَهُ"(صحیح بخاری: کتاب الفتن،٦٦۹۸)

(۱۸۳)"يُغَشِّيْهِمُ اللهُ فِتْنَةً يَتَهَاوَكُوْنَ فِيْهَا تَهَاوُكَ الْيَهُوْدِ الظَّلَمَةِ" **حق تعالیٰ فتنہ میں ان کو گھیر لیں گے، ظالم یہود کی طرح ہلاکت کے گڑھے میں گر جائیں گے۔**(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔الدر المنثور:۳۷۷/۱۳)

(۱۸۴) "مِنْ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ انْتِفَاخُ الْأَهِلَّةِ" چاند پھولے گا۔ یہاں تک کہ لوگ اس کو دیکھ کر کہیں گے: "اِبْنُ لَيْلَتَيْنِ" دورات کا چاند ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب الفتن، ۳۸۷۰۷)

(۱۸۵) "أَسْعَدُ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ بْنُ لُكَعٍ" "لَنْ تَذْهَبَ الدُّنْيَا حَتّٰى تَصِيْرَ لِلُكَعِ بْنِ لُكَعٍ" (سنن ترمذی: ۲۲۰۹)

جب تک کمینہ کا بیٹا کمینہ حکمران اور دنیا کا نیک بخت نہ ہو جائے قیامت قائم نہیں ہو گی۔

(۱۸۶) "لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيْءُ أَعْنَاقَ الْإِبِلِ بِبُصْرٰى" (صحیح بخاری: کتاب الفتن، ۷۱۱۸)

قرب قیامت حجاز سے ایک آگ نکلے گی۔ جو بصرہ میں اونٹوں کی گردنیں روشن کر دے گی (یعنی اس کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں دکھائی دیں گی)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آگ کا واقعہ بھی پیش آچکا ہے، سقوطِ بغداد سے کچھ پہلے تاتاریوں کے فتنہ کے زمانہ ہی میں سنہ ۶۵۴ ہجری کو یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ (شرح النووی: ۲۸/۱۸)

(۱۸۷) "وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا" اس امت کے آخر کے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے۔ (سنن ترمذی: کتاب الفتن، ۲۲۱۰)

(۱۸۸) "فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ" (سنن ترمذی: کتاب الفتن، ۲۲۱۰)

اس وقت سرخ ہوا (عذابِ الٰہی) کا انتظار کیا جائے گا۔

(۱۸۹) "وَالَّذِيْ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ لَا تَنْقَضِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَتّٰى يَقَعَ بِهِمُ الْخَسْفُ" قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے یہ دنیا ختم نہیں ہو گی جب تک کہ زمین میں دھنسنے کے واقعات پیش نہ آئیں۔ (مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۳۴۹۔ سنن ترمذی: کتاب الفتن، ۲۲۱۱)

(۱۹۰) "وَالْمَسْخُ" صورتوں کے مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنانے کے واقعات پیش آئیں گے۔ (مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۳۴۹)

(۱۹۱) "وَالْقَذْفُ" پتھروں کی بارش کے واقعات پیش آئیں گے۔ (حوالۂ سابق)

(۱۹۲)"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَعُوْدَ أَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوْجًا وَأَنْهَارًا "(صحیح مسلم: کتاب الزکاۃ، ۲۳۸۶) قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ عرب کی زمین شاداب ہو گی اور نہروں سے بھر جائے گی۔

(۱۹۳)"مِنْ اِقْتِرَابِ السَّاعَةِ هَلَاکُ الْعَرَبِ" عرب ہلاک ہو جائیں گے۔ عرب میں سے قریشی فنا ہوں گے، اور قریش میں سے بنی ہاشم فنا ہوں گے۔(سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۳۹۲۹۔ کنز العمال: ۳۸۴۲۹)

(۱۹۴)"مَوْتٌ کَقُعَاصِ الْغَنَمِ" اور موت ہو گی جیسے بکریوں کا قصاص دیا جاتا ہے۔ یعنی لوگوں میں ایسی بیماری ظاہر ہو گی، جس سے ان کے بچے اور وہ خود شہید ہو جائیں گے، اور اس کے ذریعہ ان کے مال پاک کئے جائیں گے۔(مسند احمد: ۶۶۲۳)

(۱۹۵)"وَعُطِّلَتِ الْحُدُوْدُ" حدود کو معطل کر دیا جائے گا۔(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔ الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۹۶)"یُعَطَّلُ السَّیْفُ مِنَ الْجِهَادِ " جہاد کے لئے تلوار معطل ہو جائے گی۔

(۱۹۷)"وَاسْتَخَفُّوا الدِّمَاءَ" مسلمان کے خون کو ہلکا سمجھیں گے(الجامع الصحیح للسنن: ۳۴۰/۲۔ الدر المنثور: ۳۷۷/۱۳)

(۱۹۸)"یَکْثُرُ فِیْهَا الْهَرْجُ" قتل کی کثرت ہو گی۔(صحیح بخاری: کتاب الاستسقاء، ۹۸۹)

(۱۹۹)" لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یُقْتَلَ فِئَتَانِ عَظِیْمَتَانِ یَکُوْنُ بَیْنَهُمْ مَقْتَلَةٌ عَظِیْمَةٌ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ" (صحیح بخاری: کتاب المناقب، ۳۴۱۳)

قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ دو بڑی جماعتیں گی، ان کے درمیان بڑی جنگ ہو گی۔ ان دونوں کا دعویٰ ایک ہو گا۔

(۲۰۰)"لَا یَذْهَبُ اللَّیْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰی یَمْلِکَ رَجُلٌ مِنَ الْمَوَالِيْ یُقَالُ لَهُ: الْجَهْجَاهُ"(صحیح مسلم: کتاب الفتن، ۵۱۸۳۔ کنز: ۳۸۴۳۹)

قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک جہجاہ نامی غلام تمہارا مالک اور حکمران نہ ہو جائے۔

(۲۰۱)"تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ وَإِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تُقَاتِلُوا قَوْمًا عِرَاضَ الْوُجُوهِ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ" (صحیح بخاری: کتاب الجهاد، ۲۷۶۹)

قتال ایسے لوگوں سے ہو گا جن کے جوتوں پر بال ہوں گے اور جن کے چہرے چوڑے ہوں گے، ان کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی۔ گویا کہ ان کے چہرے تہہ بہ تہہ منڈھی ہوڈھالیں ہوں۔

(۲۰۲)"لَنْ تُفْتَنَ أُمَّتِي حَتَّى يَظْهَرَ فِيهِمُ التَّمَايُزُ وَالتَّمَايُلُ۔ وَالْمَقَامِعُ... التَّمَايُزُ: عَصَبِيَّةٌ يُحْدِثُهَا النَّاسُ بَعْدِيْ فِي الْإِسْلَامِ" (مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۵۹۷)

قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ تم میں تمایز، تمایل اور مقامع ظاہر نہ ہو، صحابہ نے کہا یارسول اللہ تمایز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا قومی عصبیت ہے جو اسلام میں میرے بعد ظاہر ہو گی۔

(۲۰۳)"مَا التَّمَايُلُ... تَمِيلُ الْقَبِيلَةُ عَلَى الْقَبِيلَةِ فَتَسْتَحِلُّ حُرْمَتَهَا" (مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۵۹۷)

صحابہ نے کہا یارسول اللہ تمایل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلہ پر حملہ آور ہونا اور ان کی جان ومال کو حلال سمجھنا ہے۔

(۲۰۴)"مَا الْمَقَامِعُ؟ قَالَ: سَيْرُ الْأَمْصَارِ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ تَخْتَلِفُ أَعْنَاقُهُمْ فِي الْحَرْبِ"

(مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۵۹۷)

صحابہ نے کہا یارسول اللہ مقامع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک شہر والوں کا دوسرے شہر والوں پر حملہ آور ہونا ہے۔

(۲۰۵) اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک کہ مسلمانوں کا ادنیٰ مورچہ بولاء ہو گا، حضرت علی سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا: اے علی! تم زرد لوگوں سے لڑو گے اور جو تمہارے بعد ہوں گے وہ بھی ان سے لڑیں گے۔ یہاں تک کہ ان کی طرف اسلام کے افضل حجازی لوگ نکالے جائیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے وہ سبحان اللہ، اللہ اکبر کے ذریعہ روم اور قسطنطنیہ فتح کریں گے۔ انہیں ایسی غنیمتیں ملیں گی کہ ان جیسی غنیمتیں نہیں ملی ہوں گی، یہاں تک وہ اترسہ میں غنیمتیں تقسیم کریں گے، ایک آنے والا آئے گا وہ کہے گا: مسیح دجال تمہارے شہروں میں نکل آیا ہے، خبردار! وہ جھوٹی بات ہو گی۔ اس پر عمل کرنے والا اور چھوڑنے والا دونوں نادم ہوں گے۔ (سنن ابن ماجة: کتاب الفتن، ۴۰۹۴)

اور تم میں اور رومیوں میں صلح ہو گی وہ تمہارے لئے نو ماہ عورت کے حمل کی مقدار تک جمع کریں گے پھر تم سے بد عہدی میں پہل کریں گے۔ تم لوگ رومیوں سے امن کی صلح کرو گے پھر تم اور وہ دونوں دشمن کا مقابلہ کرو گے، تم سلامت رہو گے اور غنیمت حاصل کرو گے پھر تم ایسی شاداب جگہ میں آکر اترو گے جو ٹیلوں والی ہو گی۔ ایک رومی اٹھے گا اور صلیب بلند کر کے کہے گا: صلیب غالب ہو گئی، ایک مسلمان اٹھ کر اسے قتل کر دے گا یوں وہ قوم بد عہدی کرے گی پھر لڑائیاں ہوں گی، اس کے بعد وہ جمع ہو کر اسی جھنڈوں تلے تمہارے مقابلہ میں آئیں گے ہر جھنڈے تلے دس ہزار ہوں گے۔ (سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم، ۴۲۹۲۔ کنز العمال: ۳۸۴۵۱)

(۲۰۶) مسلمانوں کی یہودیوں سے جنگ ہو گی دجال کے زمانے میں، مسلمان انہیں قتل کریں گے، یہاں تک کہ یہودی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپے گا، تو درخت اور پتھر پکار کر کہے گا: اے مسلم! اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے ہے اسے قتل کرو! صرف غرقد نہیں بولے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔

(۲۰۷) "عِمْرَانُ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ خَرَابُ يَثْرِبَ" (مستدرک حاکم، کتاب الفتن، ۸۲۹۷)

بیت المقدس کی آبادی اور یثرب کی ویرانی ہو گی۔ "وفی روایۃ تَخْرُبُ الْمَدِيْنَةُ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ بِأَرْبَعِيْنَ سَنَةً" ایک روایت میں یہ ہے کہ قیامت سے چالیس سال پہلے مدینہ ویران ہو گا۔

(۲۰۸) "وَخَرَابُ يَثْرِبَ حُضُوْرُ الْمَلْحَمَةِ" اور یثرب کی ویرانی لڑائی کا ظہور ہو گا۔

(مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۲۹۷)

(۲۰۹) "وَحُضُوْرُ الْمَلْحَمَةِ فَتْحُ الْقُسْطُنْطِيْنِيَّةِ وَفَتْحُ الْقُسْطُنْطِيْنِيَّةِ خُرُوْجُ الدَّجَّالِ"

(مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۲۹۷)

اور لڑائی کا ظہور قسطنطنیہ کی فتح ہو گی۔ اور قسطنطنیہ کی فتح دجال کے خروج کی علامت ہے۔

(۲۱۰) "فُسْطَاطُ الْمُسْلِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ فِي أَرْضٍ يُقَالُ لَهَا الْغُوطَةُ فِي مَدِيْنَةٍ يُقَالُ لَهَا دِمَشْقُ" (سنن ابی داؤد: کتاب السنۃ، ۵۶۴۳ کنز العمال: ۳۸۵۴۰)

ملاحم کے زمانے میں مسلمانوں کا خیمہ یا لشکر شہر دمشق میں مقامِ غوطہ میں ہو گا۔

(۲۱۱) ''یَخْرَبُ الْکَعْبَۃَ ذُو السَّوِیْقَتَیْنِ'' (سنن نسائی: مناسک الحج، ۲۹۱۷)

حبشہ کا باریک پنڈلیوں والا کعبہ کو خراب کرے گا۔

(۲۱۲) بیت المقدس کی فتح ہو گی۔ (مسند احمد: ۲۲۲۳)

(۲۱۳) سب سے اخیر علامت یہ ہو گی:

''لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَأْخُذَ اللہُ شَرِیْطَتَہٗ مِنْ أَھْلِ الْأَرْضِ فَیَبْقٰی فِیْھَا عَجَاجَۃٌ لَا یَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَلَا یُنْکِرُوْنَ مُنْکَرًا'' (مستدرک حاکم: کتاب الفتن، ۸۳۴۱)

اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک اللہ تعالیٰ زمین والوں سے اپنی شرط لے لے، پھر غبار رہ جائے گا جو کسی نیکی کو جان سکیں گے اور نہ کسی برائی کو پہچان سکیں گے۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ إِلَّا عَلٰی حُثَالَۃِ النَّاسِ'' اور صرف ناکارہ لوگ رہ جائیں گے، اور کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں ہو گا، اس وقت اللہ جل جلالہ قیامت قائم فرمادیں گے۔ (مستدرک حاکم: ۸۵۱۷۔ کنز العمال: ۳۸۵۷۳)

یہ ۲۰۰ سے زائد علامات ہیں، علامات کبریٰ کو چھوڑ کر بقیہ تقریبا ساری علامات ظاہر ہو چکی ہیں، ان علامات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بس اب قیامت آنے والی ہے، اور علامات کبری کے پیش آنے کا وقت قریب ہے، ان علامات میں سے ایک ایک علامت ایک فتنہ بن چکی ہے۔ حق تعالیٰ ہم سب کی ان فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ اور آخرت کی تیاری کی فکر نصیب فرمائے۔ (آمین)

متشابہات اور مشتبہات کا فتنہ اور فتنوں سے حفاظت کی صورتیں

نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا۔ اَمَّا بَعۡدُ۔ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

”ھُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتَابَ مِنۡہُ اٰیَاتٌ مُّحۡکَمَاتٌ ھُنَّ اُمُّ الۡکِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِھَاتٌ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَہَ مِنۡہُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِہٖ وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ھَدَیۡتَنَا وَھَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَھَّابُ۔ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ“ (آل عمران: ۷ تا ۹)

ترجمہ: وہ ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو جس میں کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو کہ محکم (اشتباہ سے محفوظ) ہیں، اور یہی آیتیں اصلی مدار ہیں (اس) کتاب کا اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو کہ مشتبہ المراد ہیں۔ سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے (دین میں) شورش ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس کا (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے حالانکہ ان کا (صحیح) مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا جو لوگ علم (دین) میں پختہ کار (اور فہیم) ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر (اجمالا) یقین رکھتے ہیں (یہ) سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، اور نصیحت وہی لوگ قبول

کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو کج نہ کیجیے بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت کر چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت (خاصہ) عطا فرمائیے۔ بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! آپ بلاشبہ تمام آدمیوں کو (میدان محشر میں) جمع کرنے والے ہیں اس دن میں جس میں ذرا شک نہیں (اور) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خلاف کرتے نہیں وعدے کو۔

شہوت اور شبہات کا فتنہ:

سورۂ آلِ عمران کی تین آیتیں تلاوت کی گئیں ہیں۔ ان آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فتنۂ اشتباہ کا ذکر فرمایا، آج اسی اشتباہ سے متعلق فتنے کے ذکر کرنے کا ارادہ ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ ایک فتنہ شہوت کا ہوتا ہے جس کا تعلق آدمی کے نفس اور خواہشات سے ہوتا ہے۔ ایک فتنہ شبہات کا ہوتا ہے جس کا تعلق آدمی کے دل اور عقل سے ہوتا ہے۔ شہوت کا تعلق نفسانیت سے اور شبہ کا تعلق دل اور عقل سے ہوتا ہے۔ پہلے ان آیات کا مختصر مفہوم سمجھیں، پھر اس فتنہ کی وضاحت کروں گا۔ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

محکم کی تعریف:

”هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ“

اسی نے آپ پر کتاب اُتاری اس کتاب میں کچھ حصہ آیاتِ محکمات کا ہے، اور کچھ متشابہات کا۔ محکم اور متشابہ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب روح المعانی نے لکھا ہے:

”وَاضِحَةُ الْمَعْنٰى ظَاهِرَةُ الدَّلَالَةِ... اَلَّذِىْ لَا يَحْتَمِلُ النَّسْخَ“ (روح المعانی: ۸۲/۳)

محکم ایسی آیتوں کو کہتے ہیں جن کے معنی بالکل ظاہر ہوں، واضح ہوں، اور عربی زبان اور اس کے اصول و قواعد سے اچھی طرح واقفیت رکھنے والا اس کے معنیٰ اور مراد کو جان سکتا ہو، اور اس میں نسخ کا بھی احتمال نہ ہو، قرآن پاک کی ساری تعلیمات اور احکام کا اصلِ اصول یہی آیات ہوتی ہیں جن کے معانی اور مفاہیم اشتباہ و التباس سے پاک ہوتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا"

آؤ! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارے رب نے تمہارے اوپر کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ سب سے پہلے یہ حرام کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرو۔ اس کے بعد فرمایا کہ والدین کی نافرمانی تم پر حرام ہے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک ضروری ہے۔ یہ آیات اور احکام بالکل واضح ہیں، اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔

کبھی احکام کے سمجھنے کے لئے تھوڑے بہت غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے، اور قدرے تدبر سے، اور سیاق وسباق میں غور کرنے سے حکم بہ آسانی سمجھ میں آجاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو، اب جیب کترنے والا اور کفن چوری کرنے والا، کیا وہ بھی چور ہیں اور کیا وہ اس کے مصداق ہیں؟ کیا ان کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں گے؟ تو تھوڑے سے تدبر سے پتہ چل جائے گا کہ یہ آیت جیب کترنے والے کو تو شامل ہے، کیونکہ جیب کترنے میں چوری کا مفہوم پایا جاتا ہے، بلکہ اس میں چوری کے ساتھ جرأت بھی ہوتی ہے، کیونکہ چوری کی حقیقت ہے کسی کا مال خفیہ طریقے پر مالک کے غائبانہ میں لے لینا۔ جیب کترا تو مالک کی موجودگی میں چوری کرتا ہے، اس لئے جیب کترے پر سارق کا حکم لگایا جائے گا اور اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

لیکن کفن چور اس آیت کے حکم میں شامل نہیں ہوگا، کیونکہ کسی کی مملوکہ چیز کو چپکے سے لے لینا چوری ہے، اور یہاں کفن نہ میت کی ملک ہوتا ہے نہ میت کے وارثین کی، تو ایسی چیز کو لینا پایا گیا جو کسی کی ملک نہیں ہے، اس لئے اس پر سارق کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

غرض یہ آیت محکم ہے، اس کی ایک مراد تو بالکل واضح ہے، یعنی چور کا ہاتھ کاٹنا لیکن اس کے متعلقات دُور تک جاتے ہیں اور اس کے مزید تقاضے سامنے آتے ہیں، ان میں تھوڑے سے تدبر کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس کے بعد حکم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

متشابہ کی تعریف:

اس کے بالمقابل متشابہ ہے: ”وَالْمُتَشَابِهُ الْخَفِيُّ الَّذِيْ لَا يُدْرَكُ مَعْنَاهُ عَقْلًا وَلَا نَقْلًا“ (روح المعانی: ۳/۸۰ تا ۸۲) اور متشابہ ان آیات کو کہا جاتا ہے جن کے معنیٰ اور مراد بالکل واضح نہ ہو، اور آدمی کو عربی جاننے کے باوجود اس کے معنی اور مراد سمجھ میں نہ آئے، جب تک کہ شارع کی جانب سے اس کے معنی نہ بتادئے جائیں، مثال کے طور پر قرآن پاک میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کا حکم ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ صرف نماز کا حکم دیتے اور حضور ﷺ کے ذریعے سے نماز کا طریقہ نہ بتاتے تو ہمیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ نماز کیا ہوتی ہے؟ یہ بھی متشابہ کی ایک قسم ہے، اس کو شریعت میں ”مجمل“ کہتے ہیں۔ اگر صرف یوں کہا جاتا کہ حج کرلو مگر حج کی تفصیلات نہ بتائی جاتیں تو کوئی بھی قیامت تک حج نہ کرپاتا، کیونکہ صرف ”حج کا حکم دینے سے اس کے ارکان اور اس کا طریقہ نہیں معلوم ہوتا، شریعت نے پھر اس کا طریقہ بتایا، تب پتہ چلا کہ نماز ایسے پڑھی جاتی ہے، حج کا یہ طریقہ ہے، زکوۃ کی یہ تفصیلات ہیں۔

متشابہ کی دو قسمیں:

پھر متشابہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کے معنی ہی معلوم نہ ہوں، نہ لغوی معنی معلوم ہوں، نہ مرادی معنیٰ معلوم ہوں، جیسے حروفِ مقطعات۔ طه، یس، کھیعص، وغیرہ۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جس کے لغوی معنی تو معلوم ہوں، لیکن مرادی معنی معلوم نہ ہوں، جیسے ید اللہ، وجہ اللہ، الرحمن علی العرش استویٰ وغیرہ، ان کے لغوی معنی تو معلوم ہیں مگر مراد معلوم نہیں ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہاں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ آیت ”الر كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ“ بتارہی ہے کہ تمام آیات محکم ہیں، دوسری آیت میں: ”كِتَابًا مُّتَشَابِهًا“ آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن متشابہ ہے اور اس جگہ بعض آیات کو محکم اور بعض کو متشابہ قرار دیا گیا ہے، بظاہر یہ اختلاف نظر آرہا ہے، قرآن محکم ہے، یا متشابہ ہے، یا کچھ محکم اور کچھ متشابہ؟ مفسرین نے اس کا

جواب یہ دیا ہے کہ پورے قرآن کے محکم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تمام قرآن فسادِ معنی اور ضعفِ عبارت سے محفوظ ہے، فسادِ معنی کے اعتبار سے اور شک و شبہ کے اعتبار سے اس میں گڑبڑ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس میں محکم بھی داخل ہے، اور متشابہ بھی، ایسا نہیں ہے کہ جو محکم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جو متشابہ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں، سب کے سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ ہر اعتبار سے بالکل محفوظ اور قطعی ہے اُن میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے۔

اور پورے قرآن کے متشابہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ حسن میں، کمال میں، خوبی میں، اعجاز میں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں، آیات اور مضامین ایک دوسرے کے مشابہ اور ملتے جلتے ہیں، اور اس جگہ کچھ محکم اور کچھ متشابہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعض آیات کے معانی واضح ہیں، ان کی مراد میں تعدد نہیں، اور بعض کے معانی خفی ہیں، بغیر شریعت کے بیان کے معلوم نہیں ہوسکتے۔

اور یہ واضح اور غیر واضح ہونا عربی داں، عربی قواعد اور عربی اصول وضوابط کے جاننے والے کے اعتبار سے ہے، وہ محکم کی مراد کو کبھی فوراً جان لیتا ہے، اوراس کے معنیٰ سمجھ لیتا ہے اور شارع کی طرف سے اس کے بیان کی ضرورت نہیں ہوتی، اور کبھی تدبر و تفکر کی ضرورت پڑتی ہے، جس کی وضاحت اوپر کی گئی ہے۔

یہ محکم اور متشابہ کی کچھ تفصیل تھی، اس میں جو بات بیان کرنے کی ہے اور جو مضمون سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ ایک فتنہ متشابہات میں پڑنے کا ہوتا ہے، حق تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ متشابہ آیات کے پیچھے پڑتے ہیں۔

شانِ نزول:

دراصل ان آیات کے نزول کا ایک پس منظر ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ایک دفعہ نجران کے کچھ نصاری حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مذہبی گفتگو شروع کی، آپ ﷺ نے نصاری کے عقیدۂ تثلیث کی تردید بڑی تفصیل سے فرما کر توحید باری تعالیٰ کو دلائل سے ثابت کیا، اور عقیدۂ تثلیث کو باطل کیا، ان لوگوں نے قرآن کے ان الفاظ پر اپنے کچھ

شبہات پیش کیے جن میں عیسیٰ علیہ السلام کا روح اللہ یا کلمۃ اللہ ہونا مذکور ہے جن سے وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے شرکتِ الٰہیہ ثابت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان شبہات کو ختم کر دیا کہ یہ کلمات متشابہات ہیں، ان کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوتے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان ایک راز ہیں، جن کی حقیقت پر عوام مطلع نہیں ہوسکتے، عوام کے لئے ان الفاظ کی تحقیق میں پڑنا بھی روا نہیں، ان پر اس طرح ایمان لانا ضروری ہے کہ جو کچھ ان سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہے وہ حق ہے، مزید تفتیش اور کھود کرید کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ہاں جن کے دلوں میں کجی اور ٹیڑھا پن ہوتا ہے، سلامتی نہیں ہوتی، سیدھا پن نہیں ہوتا ہے تو وہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

کج روی کا پہلا نقصان:

اس سے پتہ چلا کہ دل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ دل جس میں سیدھا پن ہوتا ہے اور ایک وہ دل جس میں ٹیڑھا پن ہوتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب دل میں سیدھا پن ہوتا ہے تو دل صحیح بات کو لے لیتا ہے اور قبول کرتا ہے، جیسے آئینہ سیدھا ہوتا ہے تو اُس میں تصویر صحیح آتی ہے، اگر آئینہ سیدھا نہ ہو یا اس کی بناوٹ میں ٹیڑھا پن ہو تو اُس میں صورت لمبی یا ٹیڑھی نظر آتی ہے یا کہیں موٹی اور کہیں پتلی نظر آتی ہے، حالانکہ صورت صحیح ہوتی ہے، لیکن چونکہ آئینہ صحیح نہیں ہے اس لئے اس میں ٹیڑھے پن کی وجہ سے صورت بھی ٹیڑھی نظر آتی ہے۔ ایسے ہی جب دل ٹیڑھے ہو جاتے ہیں تو صحیح بات بھی ٹیڑھی نظر آتی ہے، اس لئے اس کو قبول کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ دل کی سلامتی کی فکر کرنی چاہئے، اور اس کی کجی اور ٹیڑھے پن سے حفاظت طلب کرتے رہنا چاہیے۔

کج روی کا سبب:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر آدمی کو خلافِ سنت اعمال کی عادت ہو جائے تو پھر دل ٹیڑھا ہو جاتا ہے، سنت کے مطابق کام کرنے سے دل سیدھا رہتا ہے اور سنت کے خلاف چلنے سے اور اُس کی عادت بنا لینے سے دل ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔

کج روی کا دوسرا نقصان:

''فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ''

کج روی کا دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ آدمی متشابہ اور ممنوع چیزوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے، یعنی جس کے معنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نہیں بتائے گئے وہ اپنی عقل و فہم سے اُس کے معنی نکالنے کے چکر میں پڑ تا ہے۔ اور ایسا کیوں کرتا ہے؟ تو اللہ نے فرمایا کہ فتنہ پیدا کرنے کے لیے، شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے، مسلمانوں میں اشتباہ پیدا کرنے کے لئے، مسلمانوں کے نظریات و افکار کو متأثر کرنے کے لیے، مسلمانوں میں بداعتقادی اور بدعقیدگی پیدا کرنے کے لیے، کبھی اُس کا سبب جہالت ہوتا ہے، کبھی اس کا سبب عداوت، تعصب اور حسد ہوتا ہے۔ جب یہود اور منافقین نے دیکھا کہ مسلمان اس طرح رُکنے والے نہیں ہیں اور اسلام کا سیلاب کسی کے روکنے سے رُک نہیں رہا ہے تو انہوں نے ظاہری طور پر اسلام کو قبول کرلیا اور اپنی طرف سے متشابہات کے معنی بتا کر مسلمانوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے لگے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رافضی، معتزلی، خارجی، سبائی وغیرہ اسی طرح پیدا ہوئے، اور نئے نئے مذاہب اور نئی نئی باتوں کی ان لوگوں نے بنیاد ڈالی۔ (تفسیر مظہری)

اُمت مسلمہ میں جو مختلف فرقے پیدا ہوتے ہیں یہ فتنہ ہوتے ہیں، اور ایک سازش کے تحت ہوتے ہیں۔ یہ ہمارا بہت اہم موضوع ہے۔ جیسے شہوت آدمی کے لیے فتنہ ہے کہ آدمی اُس میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو فتنہ رونما ہوتا ہے، ایسے ہی شبہات میں آدمی حدِّ اعتدال سے تجاوز کرتا ہے تو اس سے بھی فتنہ ظاہر ہوتا ہے۔ متشابہات میں اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اپنی طرف سے اظہارِ رائے اور اظہارِ خیال نہ کیا جائے، اس کے معنیٰ میں غور وخوض نہ کیا جائے، اور اس کے بارے میں حضور، صحابہ اور سلف سے جو بات منقول ہے اسی پر اعتماد کیا جائے، اور اس سے اللہ تعالی کی جو بھی مراد ہے اس کے حق ہونے کا اعتقاد رکھا جائے، اور اس کے معنی اور مراد نکالنے کی کوشش نہ کی جائے۔

متشابہات اللہ اور رسول کے درمیان راز ہے:

کیونکہ اس کی مراد اللہ جل جلالہ نے بندوں سے چھپا دی ہے، اس کی تفصیل اور اس کی مراد سوائے اللہ اور رسول اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ حضور ﷺ اس کی مراد کو جانتے ہیں، وہ نبی سے مخفی نہیں ہے، کیونکہ قرآن پاک میں اللہ نے قرآن مجید ہی کے بارے میں فرمایا:

”إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ“

کہ قرآن کا پڑھنا، اس کا محفوظ رکھنا، اور اس کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے، ہم اس کی مراد کو اور اس کے مطلب کو آپ کے سامنے ضرور بیان کریں گے۔ اور اس بیان کرنے میں متشابہات اور غیر متشابہات، محکم اور غیر محکم سب داخل ہیں، دوسری بات مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ جب قرآن آپ پر نازل کیا گیا اور آپ ہی اس کے اصل مخاطب ہیں، اور آپ ہی سے اس کے معنیٰ اور مراد مخفی ہو تو خطاب کا کیا مقصد؟ اس کے نازل کرنے کا کیا مقصد؟ اس طرح خطابِ الٰہی بے کار اور لغو ہو گا۔ اس لئے محقق علماء کی رائے یہ ہے کہ متشابہات کی مراد سے رسول اللہ ﷺ واقف ہیں، اور اسی وجہ سے مفسرین نے لکھا ہے کہ متشابہات اللہ اور اُس کے رسول کے درمیان راز ہیں جو عام امت سے مخفی رکھے گئے ہیں۔

کیا علماء متشابہات کی مراد جانتے ہیں؟

اب یہاں سوال یہ ہے کہ ماہر اور جید علماء، اخص الخواص اور قرآن کی زبان میں راسخ فی العلم یعنی علوم میں رسوخ رکھنے والے، ان میں مہارت اور گہرائی رکھنے والے متشابہات کی مراد سے واقف ہیں یا نہیں؟ تو اس بارے میں کچھ ائمہ کا کہنا ہے کہ راسخ فی العلم بھی اس کی مراد کو جانتے ہیں، وہ ان اسرار سے واقف ہوتے ہیں، اور وہ آیت کو اس کے ما قبل سے جوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح اللہ متشابہات کو جاننے والا ہے، اسی طرح وہ بھی اس کو جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر ان اسرار کو کھولتے ہیں۔ لیکن اکثر علماء اور محققین کہتے ہیں کہ اس کی مراد سوائے اللہ اور رسول کے کوئی نہیں جانتا، وہ والراسخون فی العلم کو گذشتہ آیت سے نہیں جوڑتے، بلکہ اس کو نیا کلام اور نیا جملہ مانتے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوتا

ہے کہ راسخ فی العلم کہتے ہیں کہ متشابہات کی مراد تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ جانتے ہیں، اور ہم اس کو مانتے ہیں، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عروہ بن زبیرؓ اور ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے، نیز حسن بصریؒ اور اکثر تابعین بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام کسائی، فراء اور اخفش کے نزدیک بھی یہی قول پسندیدہ ہے، نیز اس کی تائید حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت سے بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا تھا کہ تفسیر قرآن کے علم میں رسوخ رکھنے والوں کے علم کی یہ آخری حد ہے کہ انہوں نے آمنا بہ کہہ دیا۔ یعنی جو کچھ بھی محکم متشابہ، ناسخ اور منسوخ، جس کی مراد سے ہم واقف ہیں وہ اور جس کی مراد سے ہم واقف نہیں وہ سب رب کی طرف سے نازل ہونے اور حق ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، ہاں جن کے پاس عقل نہیں ہے یا عقل تو ہے لیکن اس میں کجی ہے تو وہ اس کو نہیں مانتے، وہ نصیحت نہیں حاصل کرتے۔ وہ اُس میں چہ میگوئیاں کرتے ہیں، اور اپنی طرف سے شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں، وہ اپنی طرف سے اس کا مطلب بیان کرتے ہیں، اور جو راسخ فی العلم ہیں، جن کے پاس عقلِ سلیم ہے وہ شکوک و شبہات کے بغیر، اپنی رائے اور ہوائے نفس کی اتباع کئے بغیر اس پر ایمان لاتے ہیں، اگرچہ وہ سمجھ میں نہ آئے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرتے رہتے ہیں:

دلوں کے ٹیڑھے پن سے بچنے کی دعا:

”رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ“

اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ فرمائیے، اور ہم کو اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائیے۔ بے شک آپ بڑے عطا کرنے والے ہیں، یعنی ہم کو ہدایت عطا فرمائیے، صراط مستقیم پر قائم رکھئے، اس پر دوام عطا فرمائیے، بے شک ہدایت عطا کرنے والے آپ ہی ہیں۔ تمام عطائی خزانے آپ ہی کے پاس ہیں جس کو چاہیں آپ ہدایت عطا فرمادیں اور جس کو چاہیں ضلالت۔ ایمان والوں کا یہ مطالبہ دنیاوی اغراض کی خاطر نہیں ہے، بلکہ آخرت کے لیے ہے کہ کہیں اللہ ناراض نہ ہو جائے، کہیں آخرت میں خسارہ نہ ہو جائے،

کیونکہ کل کے دن حق تعالیٰ سب کو میدان حشر میں جمع کرنے والے ہیں، اس دن کے وقوع کے بارے میں کوئی شک نہیں، کیونکہ اس کا اللہ نے وعدہ کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے، اس لئے قیامت ضرور آئے گی، اُس میں حساب کتاب ہو گا، اچھے اور بُرے کا امتیاز ہو گا، ہم نہیں چاہتے کہ اس دن ہم بُروں میں شامل کئے جائیں، اس واسطے ہم کو یہ فکر لاحق ہے کہ کہیں ہدایت کے بعد گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائیں، راہ حق سے نہ ہٹ جائیں، اس لیے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہدایت کے بعد ہمیں گمراہی میں مبتلا نہ فرمائیں، گمراہی چاہے اعمال کی ہو یا عقائد کی اس سے ہم کو محفوظ فرمایئے، ہمارے قلوب کو بگڑنے سے اور اس میں کجی آنے سے حفاظت فرمایئے، کیونکہ عقائد یا اعمال کی درستگی کا مدار دل پر ہے، اس لئے اس کے ٹیڑھے پن سے بچنے کی دعا نبی نے ہم کو سکھلائی ہے، بعض احادیث میں اللہ کے نبی سے یہ دعا منقول ہے۔ ”یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ“ (سنن ترمذی: کتاب الدعوات: ۳۵۲۲)

اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ، ہمارے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں، جس طرف چاہے پھیر دیں، اس لئے ہدایت کی طرف پھیرنے اور اس پر باقی رہنے کی دعا مانگتے رہنے کا حکم ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”قُلُوْبُ بَنِیْ آدَمَ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ فَمَنْ شَاءَ أَنْ یُقَلِّبَهٗ مِنَ الضَّلَالَةِ إِلَی الْهُدٰی وَمِنَ الْهُدٰی اِلَی الضَّلَالَةِ“ (المعجم الاوسط: باب من اسمہ إبراهيم، ۱۵۳۰)

بنی آدم کے دل رحمن کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں جس کو چاہے گمراہی سے ہدایت کی طرف پلٹ دے، اور جس کو چاہے ہدایت سے گمراہی کی طرف پلٹ دے۔

توفیق صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ آدمی اپنی بد عملی کی وجہ سے، اپنی نامناسب حرکات کی وجہ سے، قرآن وحدیث میں نامناسب دخل اندازی کی وجہ سے اور ان کے مطالب میں اپنی رائے اور خواہش کو داخل کر دینے کی وجہ سے توفیق سے محروم ہو جاتا ہے۔ آدمی اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرے اور ڈرتا بھی رہے۔ پتہ نہیں کب پلٹ جائے، کیونکہ ڈر کی وجہ سے دل اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا:

”مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ“

جو رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور سلامتی والے قلوب لے کر آئیں گے اُن سے کہا جائے گا کہ تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پتہ چلا کہ سلامتی قلب کتنی ضروری چیز ہے، دل میں ٹیڑھا پن نہ ہو تو جنت میں داخلہ ہو گا، اگر دل میں ٹیڑھا پن ہو تو پہلے اس کو ختم کیا جائے گا۔ اس دل کو صاف کیا جائے، گندگی دور کی جائے گی، نکھارا جائے گا، اور اس کے لئے جہنم بھیجا جائے گا۔ جب وہاں صفائی ہو جائے گی، تو اب جنت کا راستہ اس کے لئے کھولا جائے گا۔

جہنم میں مسلمانوں کا تہذیباً اور کافروں کا تعذیباً داخلہ ہو گا:

یہاں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ مسلمانوں کو جہنم میں تعذیباً نہیں ڈالا جائے گا بلکہ تہذیباً ڈالا جائے گا۔ جیسے کپڑے اگر گندے ہو جائیں تو لانڈری میں انہیں صفائی کے لیے ڈالا جاتا ہے، اسی طرح گنہگار مومنین کی صفائی کے لئے انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا، اور کافروں کو جہنم میں تعذیباً ڈالا جائے گا، کیونکہ ان کو سزا ہی دینا مقصود ہو گا۔ مسلمان کو جہنم سے نکالنا اور جنت کے قابل بنانا مقصود ہو گا، جو میل کچیل ہے، دل میں جو کدورت ہے اس کے ساتھ اس کو جنت میں نہیں رکھا جا سکتا، کیونکہ جنت نفیس جگہ ہے، پاک جگہ ہے، پاک لوگوں کی جگہ ہے، نعمتوں کی جگہ ہے، راحتوں کی جگہ ہے، وہاں ایک دوسرے سے ملاقاتیں ہوں گی، ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہو گا، بات چیت ہو گی، کھانا پینا ہو گا، دعوتیں ہوں گی، اگر دل میں کدورت ہو، خرابی ہو، اور اسی کے ساتھ اس کو جنت میں بھیج دیا جائے تو پھر دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ جو حال ہوتا ہے وہ جنت میں بھی ہو گا، ایک دوسرے کے ساتھ، حسد، جلن، کینہ، بغض، لڑائی جھگڑا، وغیرہ وغیرہ، پھر وہ دل کی کجی جنت کو بھی جہنم بنا ڈالے گی، اس لئے دلوں کے اس میل اور کچیل کو اور ٹیڑھے پن کو پہلے ختم کیا جائے گا، پہلے ان کو تپا کر اور جلا کر ان کا کھوٹ دور کیا جائے گا، پھر ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا، کیونکہ وہاں صرف کھرے اور خالص بندوں ہی کو داخل کیا جائے گا، تا کہ وہاں حقیقی معنیٰ میں راحت ہو، سکون ہو، اس لیے جنت میں داخل کرنے کے لئے پہلے دلوں کو چنا جائے گا اور جو دل جنت میں جانے کے قابل نہیں ہوں گے اُنہیں قابل بنایا جائے گا، اگر کسی کے پاس ایمان ہی نہیں

ہے تو عذاب دینے کے لیے اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور جن کے پاس ایمان تو ہے لیکن عمل میں خامی ہے تو یا تو رحمتِ الٰہی ان کے قلوب کا تصفیہ اور تزکیہ کرے گی، یا پھر اس کی صفائی کے لئے حق تعالیٰ انہیں جہنم میں بھیجیں گے۔

غرض دلوں کی کجی یہ بھی فتنہ کا سبب ہے، یہ فتنہ یوں رونما ہوتا ہے کہ آیات کے مطالب کو اپنی طرف سے بیان کیا جاتا ہے، متشابہات کی مراد کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے، سلف کے مذہب اور راستہ کو چھوڑ دیا جاتا ہے، جب یہ فتنہ عام ہوتا ہے تو نظریاتی اختلاف سے بدل جاتا ہے۔ الغرض ایک فتنہ وہ ہوتا ہے جو چھپی ہوئی چیزوں، اور رازوں کے جاننے کا ہوتا ہے، یعنی جو چیز اللہ نے بندوں سے چھپا کر رکھی ہے اس کی تلاش میں یہ لوگ رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب چھپی ہوئی چیز کو ڈھونڈنے لگیں گے تو گمراہی پھیلے گی، اس کو ظاہر رکھنا ہی ہوتا تو چھپایا ہی نہ جاتا۔

حق کے اشتباہ کا فتنہ:

یہاں یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ ایک ہے متشابہات کا فتنہ اور ایک ہے حق اور باطل میں اشتباہ کا فتنہ، دونوں الگ الگ ہیں، اوپر کی تفصیل متشابہات سے متعلق تھی، کچھ تفصیل فتنۂ اشتباہ سے متعلق بھی ذہن میں رکھیں۔ فتنۂ اشتباہ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں حق اور باطل کا امتیاز نہ ہو پائے، اہلِ حق اور اہل باطل کے درمیان فرق مشکل ہو جائے، سمجھ میں نہ آئے کہ حق کس جانب ہے؟ کون حق پر ہے؟ کون باطل پر ہے؟ کبھی یہ چیز مذاہب کے درمیان ہوتی ہے، اور کبھی ایک ہی مذہب کے اقوام کے درمیان ہوتی ہے، کبھی ایک ہی مذہب کے دو گروپوں کے درمیان یہ بات ہوتی ہے اور کبھی ایک ہی مذہب اور ایک ہی شریعت کے مابین یہ بات ہوتی ہے۔ صحیح اور غلط میں حق اور باطل میں امتیاز اور فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے۔

حق کے اشتباہ کا فتنہ سب سے خطرناک ہوتا ہے:

احادیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایسے فتنے میری امت میں آئیں گے کہ حق ان پر مشتبہ ہو جائے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کون سا فتنہ سب سے زیادہ سخت ہے؟

انہوں نے جواب دیا: ''أَنْ يُعْرَضَ عَلَيْكَ الْخَيْرُ وَالشَّرُّ لَا تَدْرِيْ أَيَّهُمَا تَتْبَعُ'' سب سے خطرناک فتنہ یہ ہے کہ تمہارے سامنے خیر اور شر، حق اور باطل پیش کیا جائے اور تم اِس بات کا فیصلہ نہ کر سکو کہ تمہیں کس کی اتباع کرنی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۵۶۹)

اندھے، گونگے اور بہرے فتنے ہوں گے:

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ صَمَّاءُ، بَكْمَاءُ، عَمْيَاءُ'' (سنن ابی داؤد: ۴۲۶۴)

عنقریب ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں جو فتنہ رونما ہوگا وہ اندھا، بہرا اور گونگا ہوگا، بہرے اور گونگے ہونے کا مطلب یہ ہے اُس میں حق نہ دیکھا جائے گا، نہ سنا جائے گا، نہ بولا جائے گا، حق اور باطل کا امتیاز ختم ہو جائے گا۔ یعنی ایسے فتنے آئیں گے کہ لوگ حق نہ سننے کے لئے تیار ہوں گے اور نہ سمجھنے کے لئے اور نہ حق بولنے کے لئے۔

منکر معروف اور معروف منکر ہو جائے گا:

اس زمانے میں لوگ نیکی کو گناہ اور گناہ کو نیکی، باطل کو حق اور حق کو باطل سمجھنے لگیں گے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''إِنَّ الضَّلَالَةَ حَقَّ الضَّلَالَةِ أَنْ تَعْرِفَ مَا كُنْتَ تُنْكِرُ وَتُنْكِرَ مَا كُنْتَ تَعْرِفُ'' (الفتن لنعیم بن حماد: ۱۳۴)

اصل گمراہی تو یہ ہے کہ تم منکر اور گناہ کو معروف اور بھلائی سمجھنے لگو گے، اور بھلائی اور منکر کو نیکی سمجھنے لگو گے، اس لئے آج جس حالت پر تم ہو اُس کو اچھی طرح دیکھ لو اور اِسی کو تھام لو کیونکہ پھر اس کے بعد تمہیں کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ ایسے حالات میں حق کو پہچاننا ضروری ہے، جو حق کو پہچان لے گا وہ فتنہ سے محفوظ ہو جائے گا، اور جو حق کو نہیں پہچانے گا اس کا فتنہ سے بچنا مشکل ہو جائے گا: ''اَلْفِتْنَةُ حَقٌّ وَبَاطِلٌ يَشْتَبِهَانِ فَمَنْ عَرَفَ الْحَقَّ لَمْ تَضُرَّهُ الْفِتْنَةُ'' فتنہ حق اور باطل کے مشتبہ ہو جانے کا نام ہے، پس جو حق کو پہچان لے گا اُسے فتنہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (الفتن لنعیم: ۱۳۲)

مشاجراتِ صحابہ کی نوعیت:

غرض ایک فتنہ حق کے مشتبہ ہونے کا ہوتا ہے، اشتباہ کبھی اعمال کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی عقائد کے اعتبار سے۔ کبھی علمی ہوتا ہے تو کبھی قتل و قتال کی صورت میں۔ صحابہ کے مابین مشاجرات میں یہی صورتِ حال تھی، کبھی مسلمانوں ہی کی دو جماعتیں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بر سرِ پیکار کھڑی تھیں، ظاہر ہے کہ دونوں میں سے ایک ہی جماعت حق پر ہوتی ہے، دیکھنے والوں کو دونوں کی بات بظاہر صحیح معلوم ہوتی ہے، اور وہ اپنے اپنے موقف پر برابر جمے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ان میں قتال کی نوبت آجاتی ہے، اس وقت یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ کون صحیح ہے اور کون غلط ہے؟ اب حق یہاں مشتبہ ہو جاتا ہے کہ کس کا ساتھ دیا جائے؟

جیسے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مشاجرات ہوئے وہ بھی اسی قسم کے تھے، دونوں طرف اجلۂ صحابہ کرام تھے، کچھ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں تو کچھ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ تقریباً سبھی انصار حضرت علی کے ساتھ تھے، اور مہاجرین میں سے کچھ متردد تھے، کچھ حضرت معاویہ کے ساتھ تھے اور کچھ بالکل خاموش تھے، ان میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما عنہما بھی تھے، یہ بالکل الگ رہتے تھے۔ نہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کی اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ (فیض الباری: ۱/۱۷۷)

زمانۂ فتن میں حضرت ابوہریرہ کا طرزِ عمل:

اور ان میں سے بعض صحابہ شرکت تو کرتے تھے لیکن لڑتے نہیں تھے جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ یہ مولانا تھے یعنی حدیثیں یاد کرنا، حدیثیں پڑھنا، اور حدیثیں بیان کرنا ان کا موضوع تھا۔ یہ جنگ نہیں کرتے تھے۔ ''کَانَ یُصَلِّيِ خَلفَ عَلِيٍّ وَیَأکُلُ عَلیٰ سِمَاطِ مُعَاوِیَةَ وَیَعتَزِلُ القِتَالَ'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ یا تو اِدھر رہیے یا اُدھر رہیے، کھانا کہیں کھاتے ہیں اور نماز کہیں پڑھتے ہیں، کبھی ادھر نظر آتے ہیں اور کبھی ادھر نظر آتے ہیں، ایسا کیوں؟ تو وہ کہنے لگے:

"اَلصَّلَاةُ خَلفَ عَلِيٍّ أَتَمُّ اَوْ اَفْضَلُ وَسِمَاطُ مُعَاوِيَةَ أَدْسَمُ وَتَرْكُ الْقِتَالِ أَسلَمُ" (شذرات الذہب: ۱/۶۴۔ مرآۃ الجنان: ۱/۱۳۰)

علی کے پیچھے نماز افضل اور بہترین ہوتی ہے، اور معاویہ کا دستر خوان مرغن ہوتا ہے اور قتال کو ترک کرنا اسلم ہوتا ہے۔ اس لئے میں کسی سے لڑتا نہیں، جہاں کھانا اچھا ہوتا وہاں کھانا کھاتا ہوں اور جہاں نماز اچھی ہوتی ہے وہاں نماز پڑھتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں نفس پرستی، اور خواہش پرستی نہیں تھی، للّٰہیت اور خلوص تھا، اور ان دونوں جماعتوں میں اتنا اخلاص تھا کہ ان میں سے اگر کوئی شہید ہو جاتا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی تو دونوں اس میں شریک ہوتے تھے، اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں کوئی شہید ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی نماز پڑھنے کے لیے جاتے تھے، اور جب ان کی جماعت میں کوئی شہید ہوتا تو اُدھر سے وہ لوگ نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے آتے تھے، اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین کے موقع پر پوچھا گیا تھا کہ اس جنگ میں ہمارے مخالف لشکر کے لوگ جو قتل کئے جائیں گے، ان کا کیا حکم ہو گا؟ فرمایا وہ شہید ہوں گے، پھر لوگوں نے پوچھا کہ جو لوگ ہمارے لشکر کے قتل کئے جائیں گے ان کا کیا حکم ہو گا؟ فرمایا کہ وہ بھی شہید ہوں گے۔ یہی سوال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی کیا گیا تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون)

جنگ صفین میں مخالف جماعت کی دوا دارو اور جنازہ میں شرکت کا اہتمام:

عقبہ ابن علقمہ یشکری کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کے پاس صفین میں شریک ہوا، تو حضرت معاویہ کے اصحاب میں سے زخمی پندرہ قیدیوں کو حضرت علی کے پاس لایا گیا، وہ برابر ان کی دوا دارو کرتے رہے، لیکن یکے بعد دیگرے وہ مرتے گئے، جب ان میں سے کوئی مر جاتا، جو بھی ان میں سے مر جاتا تو وہ اس کو غسل دیتے، کفن دیتے، اور اس کی نماز جنازہ ادا کرتے۔ (تاریخ دمشق: ۱/۳۴۵ و بغیۃ الطالب: ۱/۳۰۱)

اور اصحاب علی اصحاب معاویہ کے پیچھے نماز پڑھتے، لیکن وہ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ حضرت علی کے سامنے اس بات کا ذکر کیا گیا تو کہنے لگے کہ جب وہ تمہارا قبلہ ہوں اور تمہارے

سامنے قرأت کریں تو تم ان کے پیچھے نماز پڑھو۔ (بغیۃ الطالب فی تاریخ حلب: ۱/۳۰۲)

البتہ جب حضرت عمار ابن یاسر جو حضرت علی کے لشکر میں تھے شہید ہوگئے اور حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو پتہ چلا تو ان کے گھر والوں کو اطلاع دی اور اصحابِ علی سے کہنے لگے:

”إِنَّكُمْ لَسْتُمْ بِأَوْلَى بِالصَّلَاةِ عَلَى عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ مِنَّا قَالَ فَتَوَادَعُوا عَنِ الْقِتَالِ حَتَّى صَلَّوْا عَلَيْهِ جَمِيعًا“

عمار ابن یاسر پر تم نماز کے زیادہ حق دار نہیں ہو، اس کے بعد ان سب نے قتال ترک کیا اور ایک ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ۳۶۰/۱۰)

حضرت معاویہ کے نام شاہِ روم کا خط اور اس کا جواب:

ایسے ہی ان مشاجرات کے درمیان روم سے ایک بادشاہ کا خط حضرت معاویہ کے پاس آیا کہ اس سلسلہ میں علی کے ساتھ لڑنے میں آپ کی مدد کرنے تیار ہوں، حضرت معاویہ نے اس کو جواب لکھا:

”وَاللهِ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ وَتَرْجِعْ إِلَى بِلَادِكَ يَا لَعِينُ لَأَصْطَلِحَنَّ أَنَا وَابْنُ عَمِّي عَلَيْكَ وَلَأُخْرِجُنَّكَ مِنْ جَمِيعِ بِلَادِكَ وَلَأُضَيِّقَنَّ عَلَيْكَ الْأَرْضَ بِمَا رَحُبَتْ“ (البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۱۹)

اللہ کی قسم اے لعین! اگر تو اپنے ارادے سے باز نہیں آئے گا اور اپنے شہر واپس نہیں لوٹے گا تو میں اپنے چچازاد بھائی سے تیرے خلاف صلح کر کے تجھ کو تیرے تمام شہروں سے دربدر کردوں گا اور اور تجھ پر زمین کو کشادگی کے باوجود تنگ کردوں گا۔

یہ سارے واقعات بتلاتے ہیں کہ وہاں یہ سب خلوص کی بنیاد پر تھا، نفسانیت نہیں تھی یہ ان کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں اور وہ ان کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں، دواداری چل رہی ہے، اور بادشاہ کی طرف سے حضرت علی کے خلاف آنے کی درخواست پر حضرت معاویہ کا سخت انکار اور اس سے اعلان جنگ سب کچھ بتاتا ہے کہ ان کے مشاجرات حق کی بنیاد پر تھے، حکومت اور اقتدار کا مسئلہ نہیں تھا، اپنے اجتہاد کی بنیاد پر وہ جس بات کو حق سمجھ رہے تھے اس کے لئے ان کا لڑنا تھا، یہ اختلاف کیوں ہوا؟ اس کے اسباب کیا بنے؟ وہ الگ بات ہے، مجھے ان تفصیلات میں جانا نہیں ہے، مجھے یہ بتانا مقصود ہے کہ کبھی اہل حق کے مابین بھی حق اس طرح

مشتبہ ہو جاتا ہے کہ اس کا پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے، یہی وجہ تھی کہ کئی صحابہ ان مشاجرات میں شرکت کرنے سے گریز کرتے رہے۔

اسی زمانے میں کسی نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا آپ جنگ میں حصہ نہیں لیتے؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اس وقت جنگ کی تھی جب کہ بت حجرِ اسود اور بیت اللہ کے دروازے کے درمیان رکھے ہوئے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کو سرزمینِ عرب سے نکال دیا۔ اب میں اس بات کو بہت برا سمجھتا ہوں کہ میں "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کہنے والوں سے جنگ کروں۔ ان لوگوں نے کہا کہ در اصل آپ یہ چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ایک دوسرے کو ختم کر دیں، پھر آپ کے علاوہ جب اور کوئی بچے گا نہیں تو لوگ خود ہی کہنے لگیں گے: امیر المؤمنین بنانے کے لیے عبد اللہ ابن عمر سے بیعت ہو جاؤ۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ بات بالکل میرے دل میں نہیں ہے، بلکہ میرے دل میں یہ ہے کہ جب تم لوگ کہو گے آؤ نماز کی طرف تو میں تمھاری بات مانوں گا، اور جب تم کہو گے آؤ کامیابی کی طرف تو میں تمھاری مانوں گا، اور جب تم الگ الگ ہو جاؤ گے تو میں تمھارے ساتھ نہیں رہوں گا، اور جب تم اکٹھے ہو جاؤ گے تو میں تم سے الگ نہیں ہوں گا۔ (حیاۃ الصحابہ مترجم اردو: ۲/۶۳۴)

ایسے ہی حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اختلاف ہوا، مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں برسرِ پیکار ہو گئیں، سخت قتال چل رہا ہے، کچھ لوگ حضرت ابن عمر کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کو اس میں شرکت کرنی چاہیے، حضرت ابن عمر کہا: "أَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ دَمَ أَخِيْ" بے شک اللہ نے میرے بھائی کے خون کو حرام قرار دیا ہے، ان لوگوں نے کہا: کیا قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے نہیں فرمایا؟ "وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ" قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ ابن عمر نے کہا: "قَاتَلْنَا حَتّٰى لَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ وَقَاتَلْتُمْ حَتّٰى كَانَتِ الْفِتْنَةُ" ہم نے قتال کیا یہاں تک فتنہ ختم ہو گیا اور اب تم قتال کر رہے ہو تو فتنہ پیدا ہو رہا ہے۔ (صحیح بخاری: کتاب التفسیر، ۴۲۴۳)

دین کے لئے جب لڑنا تھا تو ہم لڑے، اور اب یہ دین کے لئے لڑنا نہیں ہے بلکہ فتنہ پیدا کرنا ہے اس لئے ہم اس سے کنارہ کش ہیں، کیونکہ اس میں ایک مسلمان کا قتل ہے، اور یہ

حرام ہے، اوراسلام میں یہ بہت بڑا جرم ہے، حضور نے فرمایا: ''اَلْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِی النَّارِ'' (صحیح مسلم: کتاب القسامۃ: ۴۴۸۲) مارنے والا اور مرنے والا دونوں جہنمی ہیں۔

مقتول کیوں جہنمی ہے؟

صحابہ نے کہا کہ یارسول اللہ! ''فَهٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ قَالَ إِنَّهٗ أَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهٖ'' جس نے قتل کیااس کے لئے تو یہ وعید سمجھ میں آتی ہے، لیکن جو مقتول ہے وہ جہنم میں کیوں جائے گا؟ اُس کا جہنم میں جانا سمجھ میں نہیں آتا، آپ نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ مقتول نے بھی قتل کاارادہ کرلیا تھااس لئے وہ جہنم میں جائے گا، اگر قاتل اس کو قتل نہ کرتا تو مقتول ہی اس کو قتل کردیتا، لیکن اِس کے وار سے قبل اُس کا وار چل گیا، اور اِس کی موت ہوگئی، اس لئے اس کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا۔ یا پھر دونوں ظالم اور دونوں میں عصبیت ہوگی، اس لئے دونوں کے لئے یہ وعید ہے۔ (عمدۃ القاری: کتاب الفتن: باب إذا التقی المسلمان بسیفیھما: ۷۹۸۳)

اس سے پتہ چلا کہ قتل کتنا بڑا گناہ ہے، کسی مسلمان کا مسلمان کے خلاف ہتھیار اُٹھانا معمولی جرم نہیں ہے، آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

''لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ'' (صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب حجۃ الوداع: ۴۴۰۵) میرے بعد کافر مت بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ یہ وعیدیں تھیں جس کی بنیاد پر حضرت ابن عمر کہنے لگے کہ یہ قتل وقتال فتنہ ہے، اس لئے میں اس سے علاحدہ رہتا ہوں۔

فتنوں سے کیسے بچا جائے؟

غرض یہ بھی فتنہ کی ایک شکل ہوتی ہے کہ حق مشتبہ ہوجائے، اہلِ باطل اور اہلِ حق کی پہچان مشکل ہوجائے، اگرچہ حضرت علی اس میں حق پر تھے، اور حضرت معاویہ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر اپنے موقف کو حق سمجھتے تھے اس لئے دونوں میں یہ مشاجرہ پیش آیا تھا، ان مشاجرات کے بارے میں تو ہمیں کچھ کہنا ہی نہیں چاہیے، اور ہم اس بارے میں کچھ کہنے کے اہل بھی نہیں ہیں، ہمارا موقف سکوت اور اس معاملہ کو اللہ کے سپرد کرنا ہے، لیکن ان واقعات میں

کئی چیزیں ہم کو سیکھنے کی ملتی ہیں، اگر اس طرح کے واقعات میں ہم گرفتار ہو جائیں تو کیا کرنا چاہیے؟ فتنوں کی بہت ساری شکلیں ہیں، جن کی تفصیل آپ کے سامنے ذکر کی گئی ہے، اگر انسان ان حالات سے دوچار ہو اور ایسے مصائب اور پریشانیوں میں گھر جائے تو کیا کرے؟ کہیں اپنوں کا فتنہ ہے تو کہیں غیروں کا فتنہ، کہیں ذات کا فتنہ ہے تو کہیں گھریلو فتنے، کہیں ایمانی فتنے ہیں تو کہیں غیر ایمانی فتنے، کہیں علمی فتنے ہیں تو کہیں عملی فتنے، ان فتنوں سے ہم اپنے آپ کو کیسے بچائیں؟ ان سے بچنے کی کیا صورتیں ہیں؟ اس بارے میں قرآن وسنت کی تعلیمات کیا ہیں؟

فتنوں کو پہچانیں:

یاد رکھیں کہ فتنہ سے بچنے کے لئے اولاً ضروری ہے کہ فتنہ کو پہچانا جائے، اس وجہ سے حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”يَهْلِکُ فِيهَا أَکْثَرُ النَّاسِ إِلَّا مَنْ کَانَ يَعْرِفُهَا قَبْلَ ذٰلِکَ“ (الفتن لنعیم بن حماد: ۵)

کچھ فتنے ہوں گے، جن میں اکثر لوگ ہلاک ہو جائیں گے مگر وہ لوگ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے جو ان کو پہلے سے جانیں گے۔ اگر فتنہ کو نہیں پہچانیں گے تو اس سے بچیں گے کیسے؟ بعض جگہ لوگ فتنوں میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن ان کو اس کا احساس نہیں ہوتا ہے کہ ہم اس میں مبتلا ہیں۔ اس لئے پہلا حکم یہ ہے کہ ان کو پہچانا جائے۔

حق کو تلاش کیا جائے:

دوسرا طریقہ بلکہ ان کو پہچاننے کا ذریعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں حق کو تلاش کیا جائے، جس کو حق مل جائے وہ فتنوں سے محفوظ ہوگا، اور یہ حدیث میں اللہ کے نبی نے فرمایا ہے، ”اَلْفِتْنَةُ حَقٌّ وَبَاطِلٌ يَشْتَبِهَانَ، فَمَنْ عَرَفَ الْحَقَّ لَمْ تَضُرَّهُ الْفِتْنَةُ“ فتنہ حق اور باطل کے مشتبہ ہو جانے کا نام ہے، پس جو حق کو پہچان لے گا اُسے فتنہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (الفتن لنعیم: ۱۳۲)

اس لئے حق کی پہچان بھی اصل فتنہ سے بچنے کا سبب ہے، ورنہ ہوگا یہ کہ لوگ نیکی کو گناہ اور گناہ کو نیکی، باطل کو حق اور حق کو باطل سمجھنے لگیں گے جیسا کہ یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ (الفتن لنعیم بن حماد: ۱۳۴)

حق کی پہچان اہلِ حق سے کی جائے؟

سوال یہ ہے کہ اس کا کیا طریقہ ہوگا؟ حق کو کیسے پہچانا جائے؟ اس کا سادھا جواب یہ ہے کہ اس زمانے میں سنت اور صحابہ کے طریقے کو دیکھا جائے، حق سمجھ میں آئے گا، کسی کو اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں، بس نبی اور صحابہ کے طریقے کو دیکھا جائے، جو لوگ اس طریقے کو اپنائے ہوئے ہوں گے وہ حق پر ہوں گے، اور جو اس کو چھوڑے ہوئے ہوں گے وہ حق سے منحرف ہوں گے، اور یہ علامت خود اللہ کے نبی نے بتلائی ہے، ہم نے نہیں، جس کا طریقہ سنت اور صحابہ کے طریقے کے مطابق ہوگا وہ حق پر ہوگا، اور جس کا طریقہ اور جس کا نہج سنت اور صحابہ کے طریقے سے ہٹا ہوگا وہ حق پر نہیں ہوگا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ" (سنن ترمذی: ۲۶۴۱)

یہ حدیث کئی مرتبہ گزر چکی ہے کہ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے، میری امّت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، وہ سب کے سب جہنمی ہوں گے، صرف ایک جماعت جنتی ہوگی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ" یہ وہ لوگ ہیں جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ حق اور اہلِ حق کا معیار نبی اور صحابہ کا طریقہ ہے، یہ ہماری بنیاد ہے، جب اس بنیاد کو ترک کر دیا جائے گا تو امت ضلالت کا شکار ہو جائے گی، اور راہِ حق سے ہٹ جائے گی۔

فتنوں سے بچنے کی دعا مانگیں:

ایک اہم حکم اس زمانے سے متعلق یہ ہے کہ ان سے بچنے کی دعائیں مانگتے رہیں۔ کیونکہ یہ سب سے اہم ذریعہ ہے کسی بھی حاجت کی تکمیل یا کسی مصیبت سے چھٹکارے کا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے عافیت اور حفاظت کی دعا کی جائے، اور اللہ کے نبی نے

اس تعلق سے بہت ساری دعائیں کی ہیں اور ہمیں سکھائی ہیں، اور آج اس کی بہت ضرورت ہے، حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

”رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ“ (یونس:۸۵و۸۶)

اے ہمارے پروردگار! ہمیں اُن ظالم لوگوں کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈالئے اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دیدیجئے۔

”رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ“ (الممتحنہ:۵)

اے ہمارے ربّ! ہمیں کافروں کا تختہ مشق نہ بنایئے اور ہمارے پروردگار ہماری مغفرت فرمادیجئے۔

”أَعُوْذُبِکَ مِنْ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَفِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ“ (مصنف ابن ابی شیبہ:۲۹۳۴۶)

اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں ایسی مصیبت سے جو تکلیف دینے والی ہو اور ایسے فتنے سے جو گمراہ کردینے والا ہو۔

”اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ“ (صحیح بخاری:۸۳۲)

اے اللہ! میں عذابِ قبر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور مسیحِ دجّال کے فتنے سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، زندگی اور موت کے فتنے سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

بعض روایات میں ہے: ”أَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفِتَنِ بَاطِنِهَا وَظَاهِرِهَا“ (تہذیب الآثار مسند عمر:۸۶۳)

اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں ظاہری اور باطنی تمام فتنوں سے۔

”اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُکَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِيْ وَتَرْحَمَنِيْ وَإِذَا أَرَدْتَ فِتْنَةً فِيْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِيْ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ“ (سنن ترمذی:۳۲۳۵)

اے اللہ! میں آپ سے اچھے کاموں کے کرنے کا، بُرے کاموں سے بچنے کا، مسکینوں کے ساتھ محبت کا سوال کرتا ہوں اور اِس بات کا سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے معاف کردیجئے اور

مجھ پر رحم فرما دیجئے، اور جب آپ کسی قوم میں فتنہ نازل کرنا چاہیں تو مجھے فتنہ میں مبتلاء کئے بغیر وفات دیدیجئے۔

"اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکَسَلِ وَالْھَرَمِ وَالْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَۃِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَۃِ الْغِنٰی وَأَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْفَقْرِ" (صحیح بخاری:۶۳۶۸)

اے اللہ میں سستی، بڑھاپا، گناہ اور قرض سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، اور میں قبر کے فتنے سے، قبر کے عذاب سے، جہنم کے فتنے سے جہنم کے عذاب سے، مالداری کے شر انگیز فتنے سے، فقر و فاقہ کے فتنے سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

"اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ ... أَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الدُّنْیَا" (صحیح بخاری:۲۸۲۲)

اے اللہ! میں بزدلی سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور اِس بات سے کہ میں عمر کے ناکارہ حصہ تک پہنچوں، اور میں دنیا کے فتنے سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور قبر کے عذاب سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ ... أَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الصَّدْرِ (سنن نسائی:۵۴۹۷)

اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دل کے فتنوں سے یہ تو چند دعائیں ہیں، اس کے علاوہ اور بہت ساری دعائیں احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، انہیں یاد کرنا چاہیے، اور ان کو مانگتے رہنا چاہیے۔

نماز اور صبر کا دامن نہ چھوڑا جائے:

زمانۂ فتن میں ایک اہم تعلیم نمازوں کا اہتمام ہے، کیونکہ صحابہ کا معمول یہی تھا کہ اپنی ہر ضرورت اور ہر تکلیف نماز کے ذریعہ اور دعا کے ذریعہ حل کیا کرتے تھے، دوسرے اس پریشانی اور فتنے میں پیش آنے والی مصیبت اور تکلیف پر صبر کیا جائے، قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" (البقرۃ:۱۵۳)

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد چاہو، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے سامنے اِس امّت کی فضیلت بیان فرمائی تو حضرت

موسیٰ اللہ تعالیٰ سے اِس امّت میں سے ہونے کی تمنا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِس امّت کے آخر میں مصائب اور فتنے ہوں گے، حضرت موسیٰ کہنے لگے: یا اللہ! وَمَنْ یَصْبِرُ عَلٰی هَذَا؟ کون ہو گا جو ان مصائب پر صبر کرے گا؟ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”إِنِّي أَعْطَيْتُهُمْ مِنَ الصَّبْرِ وَالْإِيْمَانِ مَا يُهَوِّنُ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءَ“ (الفتن لنعیم بن حماد: ۲۲) میں اُن لوگوں کو ایمان اور صبر کی نعمت سے نوازوں گا، وہ لوگ اس پر صبر کریں گے اور ساری مصیبتیں اُن پر آسان ہو جائیں گی۔

اعمالِ صالحہ اختیار کئے جائیں:

ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ جو فتنہ آدمی کی بیوی، مال، اولاد، پڑوسی سے متعلق ہو گا ان میں نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کیا جائے، ان کی برکت سے ان فتنوں سے نجات ملے گی، حدیث میں ہے:

”فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِيْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ وَالنَّهْيُ“ (صحیح بخاری: ۵۲۵)

کہ انسان کا فتنہ اور اس کی آزمائش اس کے اہل، اس کے مال اور اس کی اولاد اور اس کے پڑوسیوں کے ساتھ ہو گی، اور اُس کے لئے نماز، روزہ صدقہ اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا کفارہ ہو گا، اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ انہی چیزوں کا اہتمام کیا جائے، بلکہ ان چیزوں کے ساتھ شریعت کے سارے احکام پر عمل ضروری ہو گا، اس کے ساتھ ساتھ افہام و تفہیم کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اور صدقہ کی برکت سے ان کی اصلاح ہو گی، اور اللہ تعالیٰ ان فتنوں سے نجات دیں گے، ایک حدیث میں فرمایا:

”سَيَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَقِلُّ عُلَمَاؤُهُ وَيَكْثُرُ خُطَبَاؤُهُ مَنْ تَمَسَّكَ فِيْهِ بِعُشَيْرِ مَا يَعْلَمُ نَجَا“ (مسند احمد: ۲۱۳۲۷)

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ علماء قلیل ہوں گے اور خطباء زیادہ ہوں گے، جو اس زمانے میں اپنے علم کے دسویں حصے پر بھی عمل کرلے گا تو نجات پا جائے گا، اس حدیث سے

معلوم ہوا کہ فتنوں کے زمانے میں عمل زندگیوں میں نہیں ہو گا، صرف زبانی جمع خرچ ہو گا، لوگ عملی زندگی سے کوسوں دور ہوں گے، اگر عمل زندگی میں ہو گا تو ان کے پاس برباد وقت ہی نہیں ہو گا کہ اس میں فتنہ پیدا کریں، یا اس کو ہوا دیں، جب عمل زندگی میں نہیں ہو گا تو پھر فتنے پیدا ہوں گے، اس لئے فتنہ کے زمانے میں اس سے بچنے کا اہم راستہ یہ ہے کہ اعمال کی اصلاح کی جائے اور شریعت پر عمل کیا جائے۔

حاکم اور امیر کی اطاعت کی جائے؟

فتنوں اور اختلاف سے بچنے کی ایک شکل یہ ہے کہ اس وقت امیر اور حاکم کی اطاعت کی جائے، اللہ کے نبی نے فرمایا:

"أُوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ" (سنن ترمذی: ۲۶۷۶)

میں تم کو اللہ سے ڈرنے اور (حاکم اور امیر کی) سمع وطاعت کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو؟ پس تم میں سے جو میرے بعد رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، اس وقت وہ دین میں نئی پیدا ہونے والی باتوں سے بچے، کیونکہ وہ گمراہی ہوں گی، اور تم میں سے جو کوئی اس زمانے کو پائے تو اُسے چاہیئے کہ میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنّت کو لازم پکڑ لے، البتہ دوسری روایات میں یہ مضمون ہے کہ جب تک حاکم دین اور شریعت کی خلاف ورزی کا حکم نہ دے، اس وقت تک اس کی اطاعت کی جائے، اور اگر دین اور شریعت کی خلاف ورزی کا حکم دے رہا ہے تو اس وقت اس کی اتباع نہ کی جائے۔

مسلمانوں کی اجتماعیت کے ساتھ وابستہ رہا جائے:

فتنوں سے بچنے کی ایک شکل احادیث میں یہ بھی ہے کہ اجتماعیت کے ساتھ رہا جائے، اہل حق کی جماعت کو لازم پکڑا جائے، اور اہل حق کی جماعت کی پہچان اوپر گزر چکی ہے، اس مضمون کی متعدد روایات احادیث میں ہیں، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "وَإِيَّاكُمْ

وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ"

(سنن ترمذی: ۲۱۶۵)

تفرقہ اور علاحدگی سے بچو، کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے، اور دو آدمیوں سے دور ہوتا ہے جو شخص وسط جنت کو چاہتا ہے اس کے لئے جماعت کو پکڑنا لازم ہے۔

ایک حدیث میں ہے: "مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ فَارَقَ الْإِسْلَامَ" (مسند البزار: ۳۳۴۷) جو جماعت سے ایک بالشت بھی علاحدہ ہوتا ہے وہ اسلام سے علاحدہ ہوجاتا ہے۔ یہ حکم تو اس وقت ہے جب اہل حق کی جماعت موجود ہو اور ان کا امام موجود ہو، لیکن اگر اہلِ حق کی کوئی جماعت اور کوئی امام نہ ہو تو اس وقت سب سے علاحدگی اختیار کرنی چاہیے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ لوگ اللہ کے نبی سے خیر کے متعلق سوال کیا کرتے تھے اور میں شر کے متعلق سوال کیا کرتا تھا، تاکہ ان سے محفوظ رہ سکوں، حدیث لمبی ہے، اس کا کچھ حصہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی نے شر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو میرے طریقہ کے خلاف چلیں گے، ان کی کچھ باتیں تمہیں اچھی لگیں گی، اور کچھ باتیں بری نظر آئیں گی، اس کے بعد کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جہنم کی طرف بلانے والے ہوں گے، جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا وہ جہنم میں جائے گا، حضرت حذیفہ نے کہا کہ یارسول اللہ! ان کی کچھ حالت بیان فرمایئے، اللہ کے نبی نے فرمایا کہ وہ ہماری قوم میں سے ہوں گے اور ہماری زبان میں گفتگو کریں گے، میں نے عرض کیا: اگر میں وہ زمانہ پالوں تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ؟ قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ" (صحیح بخاری: ۷۰۸۴)

مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑلو، حضرت حذیفہ نے کہا کہ اگر ان کی جماعت اور امام نہ ہو تو؟ فرمایا: ان تمام جماعتوں سے علاحدہ ہوجاؤ اگرچہ تمہیں درخت کی جڑ چبانی پڑے، یہاں تک کہ اسی حال میں تمہاری موت آجائے۔

حکام اور اہلِ حکومت سے دوری اختیار کی جائے:

زمانۂ فتن میں ہمارے لئے ایک اہم نبوی تعلیم یہ ہے کہ حکام اور اہلِ حکومت سے دور رہا جائے، سیاست دانوں سے دور رہا جائے، حدیث شریف میں ہے:

"مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ أَتَى أَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتُتِنَ" (سنن ترمذی: ۲۲۵۶)

جو شخص جنگلوں میں رہے گا تو وہ فتنوں سے دور ہو گا، جو شکار کے پیچھے پڑا رہتا ہے تو وہ غافل ہو گا، اور جو شخص بادشاہ کے پاس آتا جاتا رہے گا وہ فتنہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس لئے حکام سے اور سیاست دانوں سے علاحدگی بھی فتنوں سے بچنے میں مددگار ہو گی۔

فتنوں سے حتی الامکان دور رہا جائے:

فتنوں سے بچنے کی شکل یہ بھی ہو گی کہ جب حق مشتبہ ہو جائے، اور تلاش کے باوجود صحیح راستہ نہ مل پائے تو اس وقت ان فتنوں سے دور رہنے ہی کی کوشش کی جائے، حتی کہ اس میں جھانک کر بھی نہ دیکھا جائے، اللہ کے نبی نے فرمایا:

"تَكُونُ فِتْنَةٌ النَّائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْيَقْظَانِ وَالْيَقْظَانُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِيْ" (سنن ترمذی: ۲۸۸۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۱۱۲)

وہ فتنے ایسے ہوں گے جن میں سونے والا جاگنے والے سے، جاگنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑے ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا سوار ہونے والے سے بہتر ہو گا۔

ایک روایت میں ہے: "مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ فَمَنْ وَجَدَ مِنْهَا مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ" (سنن ترمذی: ۷۰۸۱)

جو شخص فتنوں کی طرف جھانک کر بھی دیکھے گا تو فتنے اُس کو اُچک لیں گے، اس لئے جو آدمی بھی اُن فتنوں سے بچنے کے لئے کوئی پناہ یا چھٹکارے کی جگہ پائے تو اُس میں پناہ حاصل کر لے۔ اور چھٹکارا پانے کے لئے آسان راستہ یہ ہے کہ انسان اس ماحول کو چھوڑ دے، لوگوں کو چھوڑ دے، اور کسی جنگل میں یا پہاڑوں کی چوٹیوں میں نکل جائے اور وہاں اللہ کی یاد میں اپنی زندگی گزار لے، اور ایسے لوگ اس وقت نیک بخت اور سعادت مند ہوں گے۔

خلوت نشینی اختیار کی جائے:

"أَسْعَدُ النَّاسِ فِي الْفِتَنِ رَبُّ شَاءٍ فِي رَأْسِ جَبَلٍ مُعْتَزِلٌ عَنْ شُرُوْرِ النَّاسِ" (الفتن لنعیم بن حماد: ۱۳۲)

فتنوں کے زمانے میں سب سے زیادہ خوش نصیب وہ ہو گا جو بکریوں کا ریوڑ لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چلا جائے اور لوگوں کے شر ور وفتن سے دور رہے۔ ایک حدیث میں ہے:

"يُوْشِكُ أَنْ يَكُوْنَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهِ مِنَ الْفِتَنِ" (صحیح بخاری: ۷۰۸۸)

عنقریب مسلمان کا سب سے بہترین مال بکریاں ہو جائیں گی، جس کو لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں میں چلا جائے گا، اور فتنوں سے اپنے دین کو بچانے کے لئے وہ پہاڑوں کی راہ لے گا۔

"فَمَنْ كَانَ لَهُ إِبِلٌ فَلْيَلْحَقْ بِإِبِلِهِ وَمَنْ كَانَتْ لَهُ غَنَمٌ فَلْيَلْحَقْ بِغَنَمِهِ وَمَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَلْحَقْ بِأَرْضِهِ" (صحیح مسلم: ۲۸۸۷)

جب وہ فتنے واقع ہوں تو جس کے پاس اونٹ ہوں وہ اپنے اونٹوں کے ساتھ، جس کے پاس بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں کے ساتھ اور جس کے پاس زمین ہو وہ اپنی زمین کے ساتھ لاحق ہو جائے۔

زمانۂ فتن میں کمانوں کو توڑ دیا جائے اور تلواروں کو کند کر دیا جائے:

ایک شخص نے دریافت کیا: "أَرَأَيْتَ مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ إِبِلٌ وَلَا غَنَمٌ وَلَا أَرْضٌ؟ یا رسول اللہ! اگر کسی کے پاس اونٹ، بکریاں اور زمین نہ ہو تو کیا کرے،؟ آپ نے فرمایا: "فَيَدُقُّ عَلَى حَدِّهِ بِحَجَرٍ" کہ وہ پتھر سے اپنی تلوار کی دھار کو کوٹ کوٹ کر کند کر دے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۸۷)

ایک روایت میں فرمایا: "فَكَسِّرُوْا قِسِيَّكُمْ وَقَطِّعُوْا أَوْتَارَكُمْ وَاضْرِبُوْا سُيُوْفَكُمْ بِالْحِجَارَةِ" (سنن ابوداؤد: ۴۲۵۹) اس موقع پر اپنی کمانوں کو توڑ دو، اور تانتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو، اور اپنی تلواروں کی دھاروں کو پتھر سے کند کر دو، یعنی مسلمانوں کی لڑائی میں ہر گز شریک نہ ہو۔ ان ساری احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانۂ فتن میں فتنوں سے بچنے کا محتاط راستہ یہ ہے کہ ان فتنوں سے دور رہا جائے، اور علاحدگی اختیار کر لی جائے۔

زبان کو قابو میں رکھا جائے:

فتنوں کے زمانے میں فتنوں سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ زبان کو قابو میں رکھا جائے، صحابہ نے ان نازک حالات میں لائحہ عمل دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت اپنی زبان کی حفاظت کرو، اور اس کو قابو میں رکھو۔ ”اَللِّسَانُ فِيْهَا أَشَدُّ مِنْ وَقْعِ السَّيْفِ“ (سنن ابن ماجہ: ۳۸۶۷) کیونکہ اس وقت زبان تلوار سے زیادہ سخت ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو میرے طریقہ کے خلاف چلیں گے، ان کی بعض باتیں تو تمہیں اچھی نظر آئیں گی اور بعض باتیں بری نظر آئیں گی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کچھ لوگ جہنم کی طرف بلانے والے ہوں گے، جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا وہ اس کو جہنم میں ڈال دیں گے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ان لوگوں کی کچھ حالت ہم سے بیان فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ہماری قوم میں سے ہوں گے اور ہماری زبان میں گفتگو کریں گے، میں نے عرض کیا: اگر میں وہ زمانہ پالوں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا:

”اِلْزَمْ بَيْتَكَ وَأَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَخُذْ بِمَا تَعْرِفُ وَذَرْ مَا تُنْكِرُ وَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَذَرْ عَنْكَ أَمْرَ الْعَامَّةِ“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۱۱۵)

اس وقت اپنے گھر کو لازم پکڑو، اپنی زبان پر قابو رکھو، جو معروف ہو اس کو لے لو، اور جو منکر ہو اس کو چھوڑ دو، اور صرف اپنی ذات کی فکر کرو، عام لوگوں کا معاملہ چھوڑ دو۔ فتنوں سے بچنے کی یہ مختلف شکلیں ہیں، جو احادیث میں اللہ کے نبی نے بیان فرمائی ہیں، اور اس طرح کی کچھ باتیں ضمناً اس سے پہلے آچکی ہیں، حق تعالیٰ ہمیں صحیح فہم عطا فرمائے۔ اور تمام فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

اتحاد کے فوائد و تدابیر اور اختلاف کے نقصانات

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

”یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ إِذْ کُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ إِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ آیَاتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۔ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ أُمَّۃٌ یَدْعُوْنَ إِلَی الْخَیْرِ وَیَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَأُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ“ (آل عمران: ۱۰۲تا ۱۰۴)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو جیسے ڈرنے کا حق ہے۔ اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا، اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ (باہم سب) متفق (بھی) رہو اور (باہم) نااتفاقی مت کرو۔ اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم اس (خدا تعالیٰ) کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔ اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ سو اس سے اس (خدا تعالیٰ) نے تمہاری جان بچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کر کے بتلاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو، اور تم میں ایک

جماعت ایسی ہونا ضروری ہے جو خیر کی طرف بلایا کرے، اور نیک کام کے کرنے کو کہا کرے، اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہونگے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے اور آپس میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہنے اور اختلاف سے بچنے کا حکم دیا، ایک اختلاف تو علمی ہوتا ہے، جس میں عقائد اور مسائل سے بحث کی جاتی ہے، اور ایک اختلاف لوگوں کے مابین ہوتا ہے، جس میں لڑائی جھگڑا، گالی گلوچ اور مار پیٹ ہوتی ہے، اس کی کچھ تفصیلات ہیں، انشاء اللہ وہ آگے ذکر کی جائیں گی۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ“

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو، اللہ سے ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے۔

تقویٰ کے معنیٰ اصل میں بچنے کے آتے ہیں۔ لیکن جن چیزوں سے بچنا ہے اس میں اللہ کے عذاب سے ڈرنا ہوتا ہے اس لئے اس کے معنیٰ ڈرنے سے بھی کئے جاتے ہیں۔ تو اب ڈرنے کا مفہوم یہ ہوا کہ نامناسب، ناپسندیدہ اور ان کاموں سے بچا جائے جو اللہ کو ناراض کرنے والے ہیں۔ اور اللہ کی مرضی کے خلاف ہیں۔

تقویٰ کے تین درجے:

علماء نے لکھا ہے کہ اس کے مختلف درجات ہیں، اور اس کا ادنیٰ اور کم سے کم درجہ کفر و شرک سے بچنا ہے، اس لحاظ سے ہر مسلمان کو متقی کہا جاسکتا ہے، اگرچہ وہ گناہوں میں مبتلا ہو۔ کیونکہ وہ کفر و شرک سے بچا ہوا ہے، اس لئے کہ بنیادی تقویٰ اس کو بھی حاصل ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی نظر میں جو چیزیں ناپسندیدہ ہیں ان سے بچا جائے، یعنی گناہوں سے مکمل اجتناب کیا جائے، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، یہ تقویٰ کا دوسرا درجہ ہے، اور تقوی کے جو فضائل ہیں وہ اسی درجہ پر موقوف ہیں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اپنے دل میں ہمیشہ اللہ کو یاد رکھا جائے، اور ہر اس چیز سے بچا جائے جو اللہ کی یاد میں غفلت کا سبب ہو۔ یہ تقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے، اور یہ درجہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔

تقویٰ کا حق کیا ہے؟

تقویٰ کے اس حکم کے ساتھ اللہ پاک نے فرمایا: ”حق تقاتہ“ کہ تقوی کا حق ادا کیا کرو، ظاہر ہے کہ تقویٰ کا حق اور اللہ سے ڈرنے کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ پریشان ہو گئے، اور راتوں میں دیر دیر تک عبادت کرنے لگے، یہاں تک کہ ان کے پیروں میں ورم آ گیا، چہرے پر زخموں کے نشان آ گئے، تو اللہ پاک نے یہ آیت نازل کی: ”اِتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ“ یعنی اللہ سے ڈرو جتنا تمہاری قدرت میں ہے۔ (روح المعانی: ۱۵۴/۳)

مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کا کرنا ضروری ہے ان کو نہ چھوڑے، اور جن چیزوں کا ترک کرنا ضروری ہے ان کو نہ کرے، اور اس میں اپنی پوری قوت اور طاقت صرف کر دے تو تقویٰ کا حق ادا ہو جائے گا۔ (فتح القدیر: ۴/۲ و رازی: ۳۲۴/۴)

تقویٰ کا حاصل اطاعت و ذکر و شکر ہے:

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر ان الفاظ سے منقول ہے: ”ھُوَ اَنۡ یُّطَاعَ فَلَا یُعۡصٰی وَ یُذۡکَرَ فَلَا یُنۡسٰی وَ یُشۡکَرَ فَلَا یُکۡفَرُ“ (تفسیر ابن کثیر: ۸۸/۲) کہ حقِ تقویٰ یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ کی اطاعت کی جائے اور کبھی نافرمانی نہ کی جائے، اور ہمیشہ اللہ کو یاد رکھا جائے، اور کبھی نہ بھولا جائے، اور ہمیشہ اس کا شکر ادا کیا جائے، اور کبھی اس کی ناشکری نہ کی جائے۔

نفل عبادت کے مقابلے میں نافرمانی سے بچنا اصل ہے

مفسرین نے اس کے علاوہ اور بھی تفسیریں کی ہیں لیکن سب کا حاصل یہی ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے بچا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے کے لیے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اصل چیز تقویٰ ہے، نوافل کے مقابلے میں بُرے کاموں سے بچنے کی زیادہ اہمیت ہے، جب تقویٰ ہو گا تو نوافل رنگ لائیں گی، اگر تقویٰ ہی نہیں ہے تو نوافل کا ثواب اپنی جگہ لیکن اس کی مثال اینٹوں کی

دیوار پر رنگ کرنے کے مانند ہے، ظاہر ہے کہ دیوار پر پلاسٹنگ کئے بغیر اگر کلر کیا جائے تو کیا فائدہ ہو گا؟ جو مقصد ہے وہ حاصل نہیں ہو گا، بلکہ اگر کلر نہ کیا جائے لیکن صرف پلاسٹنگ کر دی جائے تو وہ اصل ہے، اس سے تعمیر کی حفاظت ہو گی، اور خوبصورتی کے مقابلہ میں حفاظت اصل چیز ہے، یہی حال تقویٰ کا ہے، یہ اصل ہے اس پر اگر نوافل ہوں تو اس کا فائدہ بہت ہو گا، اس سے قرب میں مزید اضافہ ہوتا جائے گا۔ ایک آدمی خوب عبادت کرتا ہے، نوافل کا بھی اہتمام کرتا ہے، چاشت اور اوّابین بھی پڑھتا ہے، تہجد اور دیگر وظائف بھی ادا کرتا ہے، تسبیحات، تلاوت اور صدقات بھی کرتا ہے، مگر گناہوں سے نہیں بچتا تو ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کا محبوب نہیں بن پاتا۔ اس لئے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ'' نہ مرنا تم مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو، یعنی تمہاری موت اسلام ہی پر آنی چاہیے اسلام کے علاوہ کسی اور حال پر موت نہ آنی چاہیے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مرنا ہمارے اختیار میں ہے، اور اسلام پر مرنے کا ہمیں اختیار ہے، ظاہر ہے کہ موت تو آدمی کے اختیار میں نہیں، وہ کسی بھی وقت اور کسی بھی حال میں آسکتی ہے، تو پھر اسلام ہی کی حالت میں موت آنے اور اسلام ہی کی حالت میں مرنے کا کیا مطلب؟ اس آیت سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر مرنے کا ہمارے پاس اختیار ہے؟ جب کہ ہمارے پاس اس کا اختیار نہیں ہے۔ اس کا جواب اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو مرتے دم تک تقویٰ کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیے۔

جیسی زندگی ویسی موت:

کیونکہ جس طرح انسان زندگی گزارتا ہے اسی حالت میں اس کی موت آتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: ''کَمَا تَعِیْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ وَکَمَا تَمُوْتُوْنَ تُحْشَرُوْنَ'' (روح البیان: ۲/۲۴۴) یعنی جس حالت پر تم اپنی زندگی گزاروگے اسی حالت پر موت آئے گی، اور جس حالت میں موت آئے گی اسی حالت میں حشر میں کھڑے کئے جاؤ گے۔ تو جو شخص اپنی پوری زندگی اسلام پر

گزارتا ہے اور زندگی بھر اس پر عمل کرتا ہے تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اس کی موت اسلام ہی پر آئے گی، اور اچھی حالت میں اس کی موت آئے گی، اور اگر گناہوں والی زندگی تھی تو موت کے وقت اس کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کس حالت میں موت آئے؟ اللہ کی رضا اور ایمان کی حالت میں موت آئے یا اللہ کی ناراضگی کی حالت میں موت آئے، اس لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ موت تک انسان کو نیکی اور تقویٰ کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیے تاکہ اس کی موت اچھی حالت میں آئے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہاں ایک اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ بعض احادیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا غَيْرُ ذِرَاعٍ أَوْ ذِرَاعَيْنِ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا" (صحیح بخاری: کتاب القدر: ۶۲۲۱)

آدمی جنتیوں کے عمل کی طرح عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک یا دو ذراع سے بھی کم فاصلہ ہوتا ہے عین اس وقت نوشتۂ تقدیر غالب آجاتا ہے، پس وہ جہنمیوں کے عمل کی طرح عمل کرتا ہے اور جہنم میں داخل ہوجاتا ہے، زندگی بھر نیک کام کرنے کے باوجود وہ دنیا سے رخصت ہونے سے قبل جہنمی کام کرنے لگتا ہے اور اسی حالت میں اس کی موت آتی ہے، اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔ ایک آدمی جہنم کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جہنم اور اُس کے درمیان میں ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر اُس پر تقدیر غالب آجاتی ہے۔ وہ جنتیوں کے کام کرنے لگتا ہے اور اسی پر اُس کی موت آجاتی ہے، اور وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔ اس لیے کسی کو اپنے اعمال پر ناز نہیں کرنا چاہیے اور کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، پتہ نہیں کس حالت میں موت آئے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا گنہگار، شرابی، کبابی، جواری، بے نمازی، عیاش اوراوباش ہو، ہو سکتا ہے کہ ہم اس کو حقیر سمجھ رہے ہیں لیکن اللہ کی نظر میں اس کا مقام اور مرتبہ ہو، غرض ان دونوں حدیثوں میں ٹکراؤ ہے، پہلی حدیث بتارہی ہے کہ جو جیسی زندگی گزارے گا اسی حالت میں اس کی موت آئے گی جب کہ یہ

حدیث بتارہی ہے کہ زندگی بھر اچھے کام کرنے کے باوجود عین وقت پر آدمی جہنمی کام کر کے جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دوسری حدیث ان لوگوں کے بارے میں ہو جو بغیر اخلاص کے عمل کرتے ہوں، زندگی بھر اچھے اعمال کئے لیکن اخلاص اس میں نہیں تھا، اللہ کی رضا اس میں نہیں تھی اس لئے موت کے وقت ان کی اچھی حالت نہیں رہی، اللہ کی ناراضگی کی حالت میں ان کو موت آئی، کیونکہ انہوں نے اللہ کی رضا کو نہیں چاہا تھا، کسی اور مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اعمال کئے تھے، اس لئے مرتے وقت بھی اللہ کی رضا انہیں نصیب نہیں ہوئی، ہاں جو مخلص ہیں اور جنہوں نے زندگی بھر اللہ کی رضا چاہتے ہوئے اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزاری ہے انشاء اللہ اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ان کی موت اچھی حالت میں آئے گی۔

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں:

اس کے بعد فرمایا: "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" اللہ کی رَسّی کو مضبوطی سے پکڑو۔

اس آیت میں حکم یہ ہے کہ تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی رَسّی کو مضبوطی سے پکڑو، اللہ کی رَسّی سے مراد شریعت، اسلام، قرآن اور اُس کی شرح حدیث ہے۔ اس کو پکڑنے سے اس پر چلنا اور اس پر جمے رہنا مراد ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی وضاحت کی گئی ہے: فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى اللہ پر ایمان اور طاغوت کا انکار ہی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر ہر آدمی پر ضروری ہے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ نظامِ حیات اور ابدی دستور قرآن و حدیث اور اس کے احکام کو لازم پکڑے۔

غیر اختیاری امور کو اختلاف کی بنیاد نہیں بنانا چاہیے:

دوسری بات اسی ذیل میں یہ بیان کی گئی ہے کہ سب مسلمان مل کر اس کو پکڑیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں میں باہمی اتحاد و اتفاق اور انتظام پیدا ہوگا۔ کیونکہ اتحاد اور

انتظام کے بغیر نہ تبلیغ ہو سکتی ہے، نہ ترقی ہو سکتی ہے، جب کہ اس امت کو تبلیغ اور دعوت الی الخیر کا حکم ہے، اور اس ابدی دستور کے نفاذ اور قیام کے لئے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں اوران کے بغیر ان کا قیام مشکل ہے اس لئے کہا گیا کہ اتحاد پیدا کرو۔ آبائی، نسبی، وطنی، قومی اور لسانی برتری اور جھگڑوں کو ختم کرو۔ کیونکہ یہ سب غیر اختیاری چیزیں ہیں، ایک آدمی اگر پاکستان میں پیدا ہوا اور ایک آدمی ہندوستان میں پیدا ہوا تو یہ کوئی لڑنے والی بات نہیں ہے، جو ہندوستان میں پیدا ہوا اُس کے اختیار میں نہیں تھا کہ وہ ہندوستان میں پیدا ہوتا، اور پاکستان میں پیدا نہیں ہوتا، اور جو آدمی پاکستان میں پیدا ہوا اُس کے اختیار میں وہاں پیدا ہونا نہیں تھا، اگر اختیار میں ہوتا تو دونوں نہ پاکستان میں پیدا ہوتے اور نہ ہندوستان میں، بلکہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوتے۔ ایک امریکا میں پیدا ہوا، اور ایک سوڈان میں پیدا ہوا، ایک کالا پیدا ہوا اور ایک گورا پیدا ہوا، ایک عربی پیدا ہوا اور ایک عجمی پیدا ہوا، ایک شاہی خاندان میں پیدا ہوا اور ایک کسی غریب کے گھر میں پیدا ہوا تو اس میں کسی کا اختیار نہیں ہے، یہ سب غیر اختیاری چیزیں ہیں۔ جب یہ غیر اختیاری چیزیں ہیں تو پھر ان کو لڑائی کی بنیاد بنانا بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہا گیا کہ ان سب تصورات، تفوقات اوراختلافات کو ختم کر کے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا جائے، اگر سب اس سے وابستہ ہو جائیں تو پھر دیکھیں گے کہ پوری دنیا میں اسلام اور اسلامی قانون کا کیسے بول بالا ہو گا۔ اسی سے یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی غیر اختیاری اسباب کو بنیاد نہیں بنانا چاہیے۔ کیونکہ یہ چیزیں جب بندہ کے ہاتھ میں نہیں ہیں تو اس بنیاد پر سوال اٹھانا بھی صحیح نہیں ہے۔

اعتصام بحبل اللہ کے فوائد:

اس حکم پر عمل کرنے میں یعنی اتحاد کے ساتھ چلنے میں ایک تو حق تعالیٰ کی غیبی مدد ونصرت شامل ہوتی ہے، دوسرے اللہ کے حکم کو بجالانے کی سعادت اور اس پر حق تعالیٰ کی رضا نصیب ہوتی ہے۔

اعتصام بحبل اللہ کا دوسرا فائدہ:

دوسرا فائدہ قرآن کی زبان میں یہ ہوگا کہ صراط مستقیم کی ہدایت ملے گی، جو کہ ہمارا مقصود ہے، اور دشمنوں کی تدابیر اور ان کی سازشوں سے حفاظت ہوگی، جیسا کہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے، علماء نے اس کے شان نزول کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ قبیلۂ اوس اور خزرج زمانۂ جاہلیت میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، اور ایک لمبے زمانے سے ان کے درمیان جنگ جاری تھی، اور ہجرت سے تین سال پہلے تک ان میں جنگ جاری تھی، جب ان لوگوں نے اسلام قبول کیا، اوران کے درمیان کی آپسی عداوت اور دشمنی ختم ہوگئی، اور دین اسلام پر وہ متحد اور متفق ہوگئے تو یہودیوں کو یہ بات بری لگی، شاس بن قیس جو ان کا قدیم شخص تھا ایک یہودی کو قبیلۂ اوس اور خزرج کے پاس بھیجا، تاکہ وہ ان کو پرانی دشمنی اور آپسی جنگیں یاد دلائے، اور ان کے درمیان پھر آپس میں قتل و قتال شروع ہوجائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس نے ان کو بھڑکایا، اور وہ دنوں ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہوئے، تلواریں میانوں سے نکال لیں، اسی دوران آپ ﷺ ان کے پاس آئے، اور فرمایا: کیا تم پھر جاہلیت کی طرف جارہے ہو، جب کہ میں تمہارے درمیان ہوں، اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی، ”يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقاً مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ كَافِرِيْنَ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَأَنْتُمْ تُتْلَى عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهُ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللهِ فَقَدْ هُدِىَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ“ (سورۃ آل عمران: ۱۰۰ و ۱۰۱)

ابھی نبی علیہ السلام اپنے ارشادات سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے، اور ایک دوسرے سے معانقہ کرنے لگے، اس سے پتہ چلا کہ اعتصام بحبل اللہ، دین کو مضبوطی سے پکڑلینا ہدایت کا ذریعہ ہے، دشمنوں کی تدبیروں اور سازشوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اس کے بعد گمراہی کا خوف نہیں کیا جاسکتا۔ (التحریر والتنویر: ۲۸/۴)

اعتصام بحبل اللہ کا تیسرا فائدہ:

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اعتصام بحبل اللہ کی وجہ سے رحمت الٰہی میں داخلہ اور باری تعالیٰ کا فضل ملتا ہے۔

"فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيْهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطاً مُسْتَقِيْماً" (سورۃ النساء: ۱۷۵)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رحمت سے مراد جنت ہے، اور فضل سے مراد وہ چیزیں ہیں جس کو کسی آنکھ نے نہ کبھی دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے سنا ہوگا، اور صراط مستقیم کی ہدایت سے مراد اللہ کی جانب سے صحیح دین اور صحیح راستے کی اسے رہنمائی ملتی ہے۔ (التفسیر الکبیر ومفاتیح الغیب: ۱۱/۱۲۲)

اعتصام بحبل اللہ کا چوتھا فائدہ:

اس کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں مومنین کی معیت اور رفاقت نصیب ہوتی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ"

جو لوگ توبہ کرنے والے ہیں اور نیک کام کرنے والے ہیں اور اللہ کے نام پر جڑ جاتے ہیں، اور اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھتے ہیں، اور دین اسلام کو ماننے اور عمل کرنے میں مخلص ہوتے ہیں تو وہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ مومنین کی معیت کے دنیوی بھی بے شمار فائدے ہیں اور آخرت میں تو خالص فائدہ ہی فائدہ ہے۔ حکم تو ایک ہے لیکن وہ دنیوی اور اخروی دونوں سعادتیں اپنے اندر لئے ہوئے ہے، بلکہ دنیوی نظام کو چلانے اور اس میں غالب آنے کے لئے کافی ہے۔

دینی انقلاب کے لئے اعمال کے ساتھ اتحاد ضروری ہے:

گویا پہلی آیت آدمی کی دینی کامیابی کی کنجی ہے۔ دوسری آیت دنیا میں مسلمانوں کی اجتماعی کامیابی اور غلبہ کی کنجی ہے۔ دنیا میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز اتحاد و اتفاق ہے۔ تمام مسلمانوں

کے اجتماعی مسائل کا حل اتحاد ہے، اور تمام مسلمانوں کے ہر ہر فرد کی کامیابی کا راز تقویٰ ہے جو کہ ایمان اور عملِ صالح کا نام ہے۔ لوگوں میں تقویٰ آئے اور لوگوں میں جوڑ پیدا ہو جائے اس کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر کا حکم ہے۔ موجودہ زمانے میں عالمی سطح پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک بہترین ذریعہ دعوت و تبلیغ ہے، الحمدللہ اللہ نے اس ذریعہ کو پوری دنیا میں پھیلایا، اور اس کے ذریعہ بے انتہاء فائدہ پہنچایا۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ یہ کیا کام ہے؟ ایک ہی نظام کے تحت، ایک ہی مزاج کے تحت، ایک ہی تربیت کے طریقے کے تحت، ایک ہی اسلوب کے ساتھ ہندوستان میں، پاکستان میں، افریقہ میں، امریکہ میں، روس میں، چائنا میں، انڈونیشیا میں، تھائی لینڈ میں، جاپان میں، صومالیہ میں، سوڈان میں، فلسطین میں، مصر میں، الجزائر میں، مراکش میں، لبنان میں، بیروت میں، انگلینڈ میں، پیرس میں، پوری دنیا میں یہ کام ہورہا ہے، اور اس سے مسلمانوں کا ایک وسیع حلقہ منسلک ہے۔ امریکہ میں جو تبلیغ ہوتی ہے اور اس کا جو نہج ہوتا ہے ہندوستان اور پاکستان میں بھی وہی بات اور وہی نہج ہوتا ہے، سب جگہ دین کی بات، بھلائی کی بات، ایک دوسرے کے لیے ہمدردی کی بات، محبت و خیر خواہی کی بات، آپس کے اخلاق و اخلاص کی بات ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا ایسا دائرہ کار سینکڑوں سال بعد بن رہا ہے جو دعوت و تبلیغ کے ذریعہ وجود میں آرہا ہے۔ اس میں اگر آپ دیکھیں گے تو اس میں تقویٰ بھی پیدا ہوتا ہے، اور اس میں اجتماعیت بھی نظر آتی ہے۔ ایک ہی مقصد کے ساتھ سب جمع ہوتے ہیں، سب کے ذہنوں میں ایک ہی چیز ہوتی ہے، سب کے جذبات ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں، سب کی سرگرمیاں ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں، جب اپنے اغراض میں ہم ایک ہوں، اپنے نہج میں ایک ہوں، اپنی دعوت میں ایک ہوں، اور سب مل کر اس کو انجام دے رہے ہوں تو گزشتہ کے نتائج ہمارے سامنے ہیں، اور آج بھی دعوت و تبلیغ کی صورت میں جو کام ہورہا ہے اس کے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں، کتنا بڑا کام اللہ جل جلالہ نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ لیا، ساری دنیا اسے جانتی ہے، اس لئے شریعت پر عمل کے ساتھ بنیادی چیز اتحاد ہے۔

آپسی محبت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے:

اسلام لانے سے پہلے صحابہ آپس میں ایک دوسرے کے دُشمن تھے۔ ہر ہر اعتبار سے دُشمنی رچی اور بسی ہوئی تھی، ایک دوسرے کے خون اور عزت کے پیاسے تھے۔ معمولی معمولی چیزوں پر اختلاف ہوتا تھا۔ جاہ کی بنیاد پر اختلافات، باہ کی بنیاد پر اختلافات، مال کی بنیاد پر اختلافات، قبیلہ کی بنیاد پر اختلافات، زبان کی بنیاد پر اختلافات، نسل کی بنیاد پر اختلافات، وطن کی بنیاد پر اختلاف ہوتا تھا، اسلام نے ان سب کو ختم کرکے ان کے درمیان الفت ومحبت پیدا کردی۔ اور قرآن مجید میں اللہ پاک نے اس کا اظہار فرمایا اور یاد دلایا کہ تمہاری پہلے کیا حالت تھی اور اب کیا ہے؟

”وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا“

اور اللہ پاک کی نعمت کو یاد کرو جب تم دُشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ومحبت پیدا کردی، اور تم اللہ کے فضل اور اس کے انعام سے اور اسلام کی برکت سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔

اہل عرب میں یہ سب چیزیں پائی جاتی تھیں لیکن اسلامی تعلیمات نے ان سب کا خاتمہ کیا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ عجمی یعنی فارس کے رہنے والے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشہ کے رہنے والے تھے، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روم کے رہنے والے تھے لیکن اللہ اور رسول کی نظر میں ان کا مقام کیا تھا! خود نبی نے فرمایا: ”سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ“ (مستدرک حاکم: کتاب معرفة الصحابة: ۶۵۳۹) سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں۔

حضرت بلال کو حضرت عمر قریشی اور امیر المؤمنین ہونے کے باوجود ”سیّدنا“ یعنی ہمارے سردار کہتے تھے۔ (صحیح بخاری: کتاب فضائل الصحابة: ۳۵۴۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو جو غلام تھے خریدا، آزاد کیا، ان کی پرورش اور تربیت کی، والد کے آکر درخواست کرنے پر ان کو والد کے حوالہ کیا، اور وقت آنے پر قریش کی ایک

معزز خاتون سے ان کا نکاح کیا۔ اور ساری انسانیت کو بتایا کہ ایک انسان اور ایک مسلمان کا مقام شریعت کی نظر میں کیا ہوتا ہے؟ چاہے وہ کسی زبان، کسی ملک، اور کسی قبیلہ سے تعلق رکھنے والا ہو۔ چاہے وہ غلام ہو یا آزاد۔

”وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ“

اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ سو اس سے اس (خدا تعالیٰ) نے تمہاری جان بچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کر کے بتلاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو۔ صحیح راستے پر چلو، ہدایت اور اسلام پر آجاؤ۔

جب تک ایمان نہیں تھا آدمی جہنم کے کنارے پر تھا کہ جیسے ہی ادھر موت آئی اُدھر جہنم پہنچ گیا، اور جہنم کا ایندھن بن گیا۔ اور جہنم میں پہنچنے سے مراد اُس تک جہنم کا اثر کا پہنچنا ہے، کیونکہ احادیث میں ہے کہ برے آدمی کی قبر کو جہنم کا گڑھا بنا دیا جاتا ہے۔ وہ سیدھا جہنم میں نہیں جاتا بلکہ جہنم سے اس کا رابطہ قائم کر دیا جاتا ہے، جیسے کوئی آدمی نیک ہے تو وہ جنت میں نہیں جاتا بلکہ جنت سے اس کا رابطہ قائم کیا جاتا ہے، اُس کے لیے قبر میں جنت کا بستر بچھا دیا جاتا ہے اور جنت کی کھڑکیاں اس کے لئے کھول دی جاتی ہیں، اس کی روح کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا جاتا ہے، ایسے ہی برے آدمی کے لئے آگ کا بستر بچھا دیا جاتا ہے، جہنم کی کھڑکیاں اس کے لئے کھول دی جاتی ہیں۔ اور پھر جسم کے بغیر اس کی روح کے ساتھ برزخی معاملہ کیا جاتا ہے، اور سزائیں اسے دی جاتی ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ اسلام میں محبت ہے، اور کفر میں بغض حسد اور عناد ہے، اسلام امن اور عدل کی تعلیم دیتا ہے اور کفر ناانصافی ظلم و بربریت کا نام ہے،، اسلام میں اتحاد کا حکم ہے، اور محبت و مودت کے ساتھ اللہ کے نام پر جڑنے اور آپس میں مل جل کر رہنے کا حکم ہے، اور کفر ذات پات، قوم اور قبیلہ کی بنیاد پر آپس میں تفریق کر دیتا ہے۔

اپنے ساتھ دوسروں کی اصلاح بھی ضروری ہے:

اس کے بعد فرمایا: ”وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہونگے۔ خیر کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ”هُوَ اِتِّبَاعُ الْقُرْاٰنِ وَسُنَّتِيْ“ یعنی خیر سے مراد قرآن اور میری سنت کا اتباع ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۷۸) اسی طرح منکر میں وہ تمام برائیاں اور مفاسد داخل ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے ناجائز قرار دیا ہو یا ناپسند کیا ہو۔

پہلی آیت میں تقویٰ کا حکم دیا گیا، دوسری آیت میں متحد ہو کر شریعت کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کا حکم دیا گیا۔ اور تیسری آیت میں اسی اتحاد کے ساتھ تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا۔ یعنی پہلے اپنی اصلاح کا حکم دیا گیا، اس کے بعد لوگوں کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا۔ دونوں چیزیں ضروری ہیں، صرف اپنی اصلاح کافی نہیں ہے، اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی فکر ضروری ہے۔ حدیث میں ہے:

”وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ“ (سنن ترمذی: ۲۱۶۰)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے ساتھ تم سب پر بھی اپنا عذاب بھیج دے اس وقت تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو گے تو قبول نہ ہو گی۔

قرآن پاک کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ امتوں سے متعلق یہی شکوہ کیا ہے:

”فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ“

ایسا کیوں نہیں ہوتا ہے کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان میں کچھ سمجھدار اور عقل مند لوگ ہوتے، جو دوسروں کو ملک میں فساد یعنی کفر و شرک پھیلانے سے منع کرتے، ان لوگوں نے اس پہلو سے غفلت برتی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ نافرمان تھے اور جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے اور جرائم کے خوگر ہوتے چلے گئے۔ در اصل ان کو کفر اور شرک سے نہ روکنا، معاصی اور جرائم سے نہ روکنا ان کی گمراہی کی زیادتی کا سبب بن گیا۔ اگر کچھ ان کو سمجھایا جاتا اور اصلاح کی جاتی تو وہ سدھر جاتے، یا کم از کم ان کی گمراہی میں تخفیف ہو جاتی، لیکن جب اس فریضہ کو چھوڑ دیا گیا تو ان کے جرم کے مقابلہ میں یہ برائی اور بڑھ گئی، اور یہ جرم بڑا اجرم بن گیا، جو لوگ غلطی کر رہے تھے وہ تو غلطی کر رہے تھے، لیکن ان کا منع نہ کرنا اس کی زیادتی کا سبب بن گیا، سوائے چند لوگوں کے جو اس سے مستثنیٰ تھے، وہ خود بھی گناہوں سے دور تھے، اور دوسرے لوگوں کو بھی روکنے کی کوشش کرتے تھے، اس لئے ہم نے اُن کو بچالیا ہے۔ بقیہ جن لوگوں نے برائی کی، اور بُرائی کرنے والوں کو نہیں روکا، اُن کو ہم نے نہیں بچایا، خاموش رہنے والے بھی مجرم ٹھہر گئے۔

منکرات پر خاموشی بھی منکر ہے:

اس سے پتہ چلا کہ ماموراتِ پر عمل کرنے اور منہیات سے بچنے کے ساتھ لوگوں کو اس کا حکم دیتے رہنا بھی ضروری ہے، ورنہ یہ خاموشی شریعت کی نظر میں گناہ ہے۔ ان کی خاموشی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو قصور کرنے والے تھے دن بدن ان کے قصوروں میں اضافہ ہی ہوتا گیا، اور جو نعمتیں ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے میسر تھیں اور جو اللہ نے انہیں مال و دولت دے رکھی تھی، وہ اُسی میں پڑے رہے، اور جرم کے عادی بن گئے۔ اور اللہ نے ان پر مجرمین کا ٹھپہ لگا دیا۔

”وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ“

اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ اگر کسی بستی میں ظلم ہو رہا ہو اور اُس بستی میں رہنے والے لوگ اصلاح کی کوشش کر رہے ہوں تو حق تعالیٰ اُس بستی کو ہلاک کر دیں۔

منکرات پر خاموشی عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے:

جب اصلاح کی کوشش ختم ہو جاتی ہے تب ان پر ہلاکت اور بربادی آتی ہے۔ اس مضمون کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک بستی تھی جس میں گناہ بہت تھے، اللہ تبارک وتعالی نے اس کی ہلاکت کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبرئیل کو حکم دیا: اِقْلِبْ مَدِينَةَ كَذَا وَكَذَا بِأَهْلِهَا اس بستی کو اور جو اس میں ہیں سب کو تباہ کر دو۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا: اے پروردگار! "إِنَّ فِيهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ" اس بستی میں آپ کا ایک ایسا بندہ ہے جس نے آپ کی پلک جھپکنے کے برابر بھی کبھی نافرمانی نہیں کی، کیا اس کا گھر بھی تباہ کر دوں؟ فرمایا: "اِقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ، فَإِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ" (شعب الایمان: ۷۱۸۹۔ معجم الاوسط: ۷۶۶۱) ہاں! اس کو اور اس کے ساتھ سارے لوگوں کو ہلاک اور برباد کر دو، کیونکہ وہ خود تو نیک ہے لیکن وہ لوگوں کو نیکی کا سبق نہیں دیتا، اور برائی سے منع نہیں کرتا، اس کے سامنے برائیاں ہوتی رہیں لیکن برائی دیکھ کر کبھی اس کا چہرہ متغیر نہیں ہوا، برائی دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل نہیں پڑتے، اس لئے اس کو بھی ہلاک کر دو۔ پتہ چلا کہ امت میں غفلت کے زمانے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک عذاب کا سبب ہو سکتا ہے۔

عذاب الٰہی کے نزول کے اسباب:

علماء نے اس آیت کا ایک اور مطلب بھی لکھا ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا کا عذاب کسی قوم پر محض ان کے مشرک اور کافر ہونے کی وجہ سے نہیں آتا جب تک کہ ان کے اعمال و اخلاق میں ایسے کام نہ ہونے لگیں جن سے زمین میں فساد پھیلتا ہے، پچھلی جتنی قوموں پر عذاب آئے ہیں ان کے خاص خاص برے اعمال اس کا سبب بنے، نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ناپ تول میں کمی کر کے فساد پھیلایا، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے بدترین قسم کی بدکاری کو شیوہ بنایا، حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی قوم نے اپنے پیغمبروں پر ظلم ڈھائے، اس سبب سے اللہ نے ان پر عذاب نازل کئے،

قرآن کریم نے دنیا میں ان پر عذاب آنے کا سبب انہی اعمال و افعال کو بتلایا ہے، ہاں کفر اور شرک روئے زمین کا سب سے بڑا جرم ہے، اس کی سزا جہنم کی دائمی آگ ہے، لیکن عذاب کا نزول ان برائیوں کی وجہ سے ہوتا ہے جو دنیا میں فتنہ وفساد کا سبب بنتے ہیں۔

دعوت الی الخیر کے تین درجے:

یہاں اس فریضہ سے متعلق اور امور کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ہر آدمی اس کا مکلف نہیں ہے، اور نہ ہر ایک میں اس کی استطاعت ہوتی ہے کہ وہ اس کو انجام دے سکے، اور بسا اوقات ان کی رعایت نہ کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے چند باتیں اس کے آداب، حدود اور درجات سے متعلق ذہن میں رکھیں، حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ (صحیح مسلم: کتاب الایمان: ۷۸)

یعنی تم میں سے جو شخص کوئی گناہ ہوتا ہوا دیکھے تو اس کو چاہئیے کہ اپنے ہاتھ اور قوت سے اس کو روک دے، اور اگر یہ نہ کر سکے تو زبان سے روکے اور یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم دل میں اس فعل کو برا سمجھے، اور یہ ادنی درجہ کا ایمان ہے۔

اس حدیث میں اس فریضہ کی ادائیگی کے تین درجے بتائے گئے ہیں، کیونکہ ہر آدمی کی استطاعت اور قدرت الگ ہوتی ہے، اور انسان اس کی استطاعت کے بقدر ہی مکلف بنایا جاتا ہے، اور حدیث میں خود استطاعت کی قید ہے، اس لئے نبی پاک ﷺ نے اسی استطاعت کے اعتبار سے اس کے درجے بیان فرمائے ہیں، اب جس آدمی میں جتنی قدرت اور استطاعت ہوگی اتنا ہی اس فریضہ کی ذمہ داری اس پر ہوگی۔

پہلا درجہ یہ بتایا گیا کہ آدمی گناہ کو اولاً ہاتھ سے یعنی اپنی قوت سے روکے، جیسے امیر المؤمنین اور سلطان کو اس کا اختیار ہوتا ہے، یا جیسے گھر میں ماں باپ یا خاندان کے بڑے افراد کو یہ قوت حاصل ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنی قوت کے بل بوتے پر گناہوں سے روک سکتے ہیں، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکنا چاہیے، اور زبان سے روکنے کی بھی اگر

قدرت نہ ہو تو دل ہی سے برا سمجھنا چاہیئے، یہاں ظاہر ہے کہ زبان سے روکنے پر قدرت نہ ہونے کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ آدمی کی زبان اگر حرکت نہیں کر سکتی تو اس کو برا سمجھنا چاہئیے، بلکہ مراد یہ ہے کہ داعی کو دعوت میں اگر خطرہ ہو کہ اس کی جان جائے گی، یا کوئی دوسرا اس کا نقصان ہو گا تو ایسی حالت میں اس کو قادر نہ سمجھا جائے گا۔

دعوت کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:

بھلائیوں کے حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کی بھی ایک شرعی حیثیت ہے، نہ ہر بھلائی کا حکم دینا ضروری ہے اور نہ ہر برائی سے روکنا ضروری ہے، ہر عمل کی جو شرعی حیثیت ہوتی ہے اس اعتبار سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہوتا ہے، مثلاً اگر کسی واجب یا فرض عمل میں امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کی ضرورت ہو تو وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی فرض اور واجب ہو گا، جہاں عمل مستحب ہو تو معروف کا حکم اور برائی سے روکنا بھی مستحب ہو گا، مثلاً نمازیں فرض ہیں تو ہر شخص پر ضروری ہو گا کہ وہ بے نمازی کو نصیحت کرے اور نوافل چونکہ مستحب ہیں اس لئے ترکِ مستحب پر نصیحت کرنا بھی مستحب ہو گا، اور پھر ان اعمال کے اعتبار سے لہجہ اور انداز بھی اسی طریقہ کا اختیار کرنا چاہیئے، مثلاً مستحب امور میں نرم لہجہ اختیار کرنا چاہیئے، اور واجب امور میں بھی اولاً نرم رویہ ہونا چاہیئے، اگر نہ مانے تو سختی بھی کر سکتے ہیں، آج کل لوگ مستحب اور مباح امور میں تو سختی اختیار کرتے ہیں، لیکن ضروری امور میں غفلت برتتے ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے آداب:

یہ چیزیں آداب کی قبیل سے ہیں، اورآداب کی رعایت سے تاثیر پیدا ہوتی ہے، اس لئے جب یہ اتنا اہم فریضہ ہے تو اس کی ادائیگی میں اس کے آداب کا لحاظ بھی ضرور کرنا چاہیے، بات اچھی ہو یا بری، اس کے حکم دینے اور اس سے روکنے کا بھی ایک طریقہ ہوتا ہے۔

(۱) مثلاً جب آپ کسی کو اچھے کام کا حکم دیں یا برائی سے روکیں تو اولاً اپنی نیت صحیح کریں، نیت میں اپنی قابلیت کا اظہار نہ ہو، ریاکاری اور شہرت کی نیت نہ ہو۔

(۲) تکبر کے ساتھ نہ کہیں، سامنے والے کی تحقیر اور تذلیل نہ کریں، اس کا استہزاء نہ کریں۔

(۳) لہجہ بھی صحیح ہو، نرم ہو، با اخلاق ہو، کیونکہ اگر چیخیں یا چلائیں، اور اصلاح کرنے میں سختی کریں تو مخاطب قریب ہونے کے بجائے دور ہو سکتا ہے، بات سننے کے بجائے ہٹ دھرمی اختیار کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا تھا: ”فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا“ تم دونوں فرعون کے سامنے نرم بات کرنا۔ یہ دعوت کا اسلوب اور طریقہ ہے۔

(۴) مخاطب کی عزت اور اس کے مقام کا بھی لحاظ کیا جائے۔

(۵) مناسب موقع کا بھی لحاظ کرنا چاہیے، کوئی کسی کام میں ہے، یا کسی صدمہ میں ہے، یا کسی مصروفیت میں ہے اور آپ اس کو امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرنے لگیں تو ظاہر ہے کہ اس موقع پر بات قبول کرنے کے بجائے ضد یا دھتکار دیئے جانے کا امکان زیادہ ہوتا ہے، اس لئے اس کا بھی لحاظ کرنا چاہیے۔ تب جا کر اللہ پاک اس بات میں اثر رکھتے ہیں، اگر ہماری نیت صحیح نہیں ہے، یا لہجہ اور انداز صحیح نہیں ہے، یا دونوں صحیح ہیں لیکن مخاطب کی عزت اور اس کے مقام و مرتبہ کا لحاظ نہیں ہے، یا مناسب موقع نہیں ہے تو پھر اس بات کے قبول کرنے کا امکان کم ہوتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حدود:

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ کچھ مواقع ایسے ہوتے ہیں یا کچھ اسباب ایسے ہوتے ہیں جن کے نہ پائے جانے کی وجہ سے یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔

(۱) مثلاً یہ بات بہت ضروری ہے کہ جو شخص اس فریضہ کو انجام دے رہا ہو تو وہ اس سے پوری طرح واقف بھی ہو، جس کو خود معروف اور منکر کی پہچان نہ ہو، اور مسائل کا صحیح علم نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ کیسے اس فریضہ کو انجام دے گا، بلکہ اس سے اصلاح کے بجائے فساد کا زیادہ اندیشہ ہے، اس زمانہ میں بہت سے لوگ وعظ کرتے ہیں، اور مسائل بتاتے ہیں، جب کہ نہ انہیں قرآن کا علم ہوتا ہے نہ حدیث کا علم ہوتا ہے، اِدھر اُدھر کی سنی سنائی غلط باتوں کو لے

کر لوگوں سے جھگڑنے لگتے ہیں اور اصلاح کے بجائے لوگوں میں فتنہ پیدا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر یہ فریضہ عائد نہیں ہوتا۔

(۲) ایسے ہی جہاں امر بالمعروف یا نہی عن المنکر سے فساد کا اندیشہ ہو تو وہاں یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔

(۳) جہاں اس فریضہ سے دین کی یا اس مسئلہ کی تحقیر، تذلیل اور استہزاء کا اندیشہ ہو وہاں بھی یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔

(۴) ایسے ہی جہاں اس فریضہ سے ہٹ دھرمی یا مخالفت یا امرِ منکر میں تشدد اور اس کے اضافہ کا سبب ہو وہاں فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔

اختلاف کے نقصانات:

یہ اتحاد اور اس کے فوائد اور ضمناً آیات مبارکہ کی کچھ تفصیل بیان کی گئی، حق تعالیٰ نے اتحاد کا حکم دینے کے ساتھ اختلاف سے بچنے کا بھی حکم دیا ہے، جس کی تفصیل آپ کے سامنے ذکر کی جائے گی، لیکن اگر کسی سبب سے اختلاف ہو تو اس بارے میں شرعی ہدایات ذہن میں رکھنی چاہیے، محمود اختلاف سے قطع نظر مذموم اختلاف چاہے وہ دینی ہو یا دنیوی، اعتقادی ہو یا فقہی ناحق اور غیر شرعی وجوہات اور اسباب کی بناء پر ہو تو اس کا نقصان بڑا ہوتا ہے، اس لئے ان پہلوئں کو بھی نظر میں رکھنا چاہیے، اور آج کل اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے، اس میں احتیاط کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے، ایک بڑا نقصان جو نہیں ہونا چاہئے وہ یہ ہوتا ہے کہ اختلاف کے بعد منفی ذہن بن جاتا ہے، کھل کر اپنے فریق کی مخالفت کی جاتی ہے، اپنے فریق کے لئے برے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، دشمنی اور عناد کی ایک فضا بنائی جاتی ہے، اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اس کی تحقیر اور تذلیل کی جاتی ہے، اس کی غیبت کی جاتی ہے، اس کی عزت پر حملے کئے جاتے ہیں، اور اس وقت اس فرمانِ الٰہی اور فرمان رسول کو بھلا دیا جاتا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ"

(الحجرات: ۱۱)

اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیئے۔ کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے اور جو (ان حرکتوں سے) باز نہ آوینگے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

کسی کی عزت و آبرو پر حملہ کا عذاب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظَافِرُ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِي أَعْرَاضِهِمْ" (سنن ابی داؤد: کتاب الادب: ۴۸۸۰)

جب مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو میں ایسی قوم کے پاس سے گزرا جن کے پاس تانبے کے ناخن تھے۔ جن سے وہ اپنے چہروں کو اور سینوں کو چھیل رہے تھے، کھرچ رہے تھے اور اُس کا گوشت نوچ نوچ کر چھڑا رہے تھے، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور لوگوں کو اپنی مجلسوں میں بے آبرو کرتے رہتے تھے۔ یہ انجام ہوگا ان لوگوں کا جو لوگوں کی عزتوں پر حملے کرنے میں لگے رہتے ہیں، ایسی مخالفت نہ صحیح ہوتی ہے اور نہ صحیح بنیاد پر ہوتی ہے۔ یہ شرعی حدود کے باہر ہوتی ہے، شرعاً اس کی بالکل بھی اجازت نہیں ہے۔

اختلافات کا دوسرا نقصان:

اختلاف کی وجہ سے دوسری بڑی خرابی یہ سامنے آتی ہے کہ اس سے مسلمانوں کی اجتماعیت افتراق کا شکار ہو جاتی ہے، اگر کسی کام سے وابستہ ہو تو وہ متاثر ہوتا ہے، دشمنوں کے دلوں

سے مسلمانوں کا رعب اور وقار ختم ہوتا ہے، ان کی ہوا اکھڑنے لگتی ہے۔ بزدلی پیدا ہوتی ہے، اور مسلمان ان کے مقابلے میں کمزور پڑ جاتے ہیں، عزت و اقدار کی پامالی ہوتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

”وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ“ (الانفال:۴۶)

اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، آپس میں لڑو مت، تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

اگر تم آپس میں اختلاف کرنے لگو گے تو تم آپس میں ایک دوسرے کا ساتھ نہیں دے سکو گے، پھر دُشمن کو موقع مل جائے گا۔ اگر آپ رَسّی کے ڈوروں کو الگ الگ کر دیں تو بچہ بھی توڑ دے گا اور اگر رَسّی کے سارے دھاگے ایک ساتھ ملے ہوئے ہوں تو کوئی بڑا پہلوان بھی نہیں توڑ سکتا۔ آج پوری دنیا میں مسلمان منتشر اور متفرق ہیں، دینی اعتبار سے بھی اور دنیوی اعتبار سے بھی، بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ایک کو دوسرے سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ ایک کی ترقی دوسرے کو نہیں دیکھی جاتی، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی مضبوطی نہیں چاہتا ہے، امریکہ والا مسلمان اپنے کام میں ہے، افریقہ والا مسلمان اپنے کام میں ہے، انڈیا والا اپنے کام میں ہے، پاکستان والا اپنے کام میں ہے، افغانستان والا اپنے کام میں ہے، سوڈان والا اپنے کام میں ہے۔ ہر ایک کو اپنی فکر ہے، کوئی کسی کا ساتھ دینا نہیں چاہتا، کسی دوسرے کی تکلیف کا احساس نہیں ہے، کوئی کسی کی ترقی نہیں چاہتا، اگر ساتھ نہ دینا ہو تو کم از کم دوسرے کی مخالفت تو نہیں کرنی چاہیئے، لیکن یہاں مخالفت کر کے اس کی ترقی میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس کا پیر پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور یہ چیز عوام میں بھی پائی جاتی ہے اور خواص میں بھی۔ اللہ پاک ایسی ذہنیت سے ہماری حفاظت فرمائے۔ اسلامی تعلیم اور اسلامی مزاج ہمارے لئے یہ ہے:

”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ (الحجرات:۱۰)

مسلمان آپس میں بھای بھائی ہیں، تم آپس میں بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے، پتہ چلا کہ اگر آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے ناراضگی پیدا ہو جائے تو صلح کروانے کی کوشش کرنی چاہیے، توڑنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

اختلاف کا تیسرا نقصان:

تیسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اختلاف مشرکین اور کافرین کی صفت ہے، کبھی انجانے میں انسان کو یہ کفر کے دائرے میں لے کر چلا جاتا ہے، کیونکہ کفر اور شرک کی مختلف صورتیں، مختلف شکلیں اور مختلف رنگ ہیں، اس لئے اس کا گمان ہوتا ہے کہ کہیں اختلاف کی وجہ سے انسان راہ حق سے نہ ہٹے، اگر راہ حق سے نہ ہٹے تب بھی چونکہ یہ ایک مذموم صفت ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہیے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا: ” وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعاً كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ “(الروم: ۳۱و۳۲)

اختلاف کا چوتھا نقصان:

اختلاف کا چوتھا نقصان یہ ہے کہ اختلاف کرنے والوں سے اللہ کے نبی بری ہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعاً لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ۔ (الأنعام: ۱۵۹)

اس آیت میں فرقوں میں بٹنے والوں کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ نبی ان میں سے نہیں ہیں، چاہے تفرقہ اصولوں میں ہو، یا اعمال میں ہو، کیونکہ گناہوں کو ترک کرنے کی بنیاد پر اور سنتوں کو چھوڑنے کی بنیاد پر برأت کا اظہار متعدد احادیث میں موجود ہے۔

اختلاف کا پانچواں نقصان:

اختلاف کا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں چاہے کچھ ہو لیکن آخرت میں عذاب ہے۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

” وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ “

ہدایت اور واضح دلائل کے آنے کے بعد تم تفریق اور اختلاف کرنے والوں کی طرح مت ہو جاؤ، ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ اس آیت میں اختلاف کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اصولِ دین میں اختلاف کرتے ہیں، جیسے یہود و نصاریٰ، یا وہ لوگ ہیں جن کے کفریہ عقائد ہوں، یہ لوگ حق آنے کے بعد اس سے کنارہ کشی اور اختلاف کیا کرتے تھے، اور اختلاف کی صورت میں ان کی مشابہت لازم آتی ہے، اس لئے اس سے بچنے کا حکم ہے۔

(التحریر والتنویر: ۴/۲۴ و ۴۳)

اختلاف کا چھٹا نقصان:

اختلاف کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ دین خطرے میں پڑ جاتا ہے، آپ ﷺ نے آپسی اختلاف کا نقصان بتلاتے ہوئے فرمایا: ”اِیَّاکُمْ وَفَسَادَ ذَاتِ الْبَیْنِ فَاِنَّھَا ھِیَ الْحَالِقَةُ “ یعنی اپنے آپ کو باہمی فساد سے بچاؤ کیونکہ باہمی فساد مونڈھنے والی چیز ہے، پھر فرمایا: ”لَاأَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ بَلْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ“ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سر کے بال مونڈھتا ہے، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اس سے دین منڈھے جاتا ہے، اب آپ اندازہ لگائیے کہ اختلاف کتنی خطرناک بات ہے۔

اختلاف کا ساتواں نقصان:

علماء نے لکھا ہے کہ اختلاف سے قلب پر ظلمت چھا جاتی ہے اور ایمان کے سلب ہونے کا خطرہ ہو جاتا ہے، اور دلوں میں زنگ لگ جاتا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ“ (المطففین: ۱۴) ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ (بیان القرآن)

اختلاف کا آٹھواں نقصان:

اختلاف کا ایک نقصان بزرگوں نے یہ لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے خیر اٹھا لیا جاتا ہے، اور برکت اٹھالی جاتی ہے، ذہنی انتشار ہوتا ہے، اور یہ بات مشاہدہ میں بھی آتی رہتی ہے۔ اللہ

تعالیٰ تمام مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا فرمائے، اور آپسی اختلاف و انتشار سے جو غلط منشے کی بنیاد پر ہو حفاظت فرمائے۔

آپس میں محبت اور اتحاد کی تدبیریں:

اختلاف کی مذمت اور نقصانات کے بعد ان باتوں کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جن سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے،، نفرتیں ختم ہوتی ہیں، دل صاف رہتے ہیں، کسی کو کسی سے شکایت نہیں ہوتی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اور افادات میں اس کے اسباب، نقصانات اور اس کو دور کرنے کی تدابیر پر مفصل مضامین ہیں، اور احادیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت ساری صورتیں بیان فرمائیں ہیں۔

اتحاد اور محبت کا قرآنی نسخہ:

(۱) ان ساری ہدایات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر انسان شریعت کا پابند ہو جائے، اپنے سے متعلق شرعی حقوق کو ادا کرے، اور شرعی احکام کی پابندی کرے تو سارے اختلافات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں، قرآن مجید میں اللہ پاک نے فرمایا: "اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا" (مریم: ۹۶) "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دیں گے" پتہ چلا کہ انسان شریعت پر جم جائے اور اعمال صالحہ کا اہتمام کرنے لگے تو اللہ پاک خود بخود مخلوق کے دل میں اس کی محبت پیدا کر دیں گے۔

سلام کو رواج دیا جائے:

(۲) ان احکام اور ہدایات میں سے ایک اہم حکم اور اہم ہدایت سلام و مصافحہ کا اہتمام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا أَلَا أَدُلُّکُمْ عَلٰی أَمْرٍ إِذَا أَنْتُمْ فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ" (سنن ترمذی کتاب الاستئذان: باب مَا جَاءَ فِی إِفْشَاءِ السَّلَامِ، ۲۹۰۴ و ۲۹۲۱)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ، اور تم مومن نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ تم آپس میں محبت پیدا نہ کرو، اور کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جو تم میں محبت پیدا کرے گا، تم آپس میں سلام کیا کرو اور اس کو خوب پھیلاؤ۔ ایسے ہی سلام سے متعلق نبوی ہدایات یہ ہیں کہ سوار پیادوں کو سلام کرے، چلنے والے بیٹھنے والوں کو سلام کریں، اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو اور چھوٹے بڑوں کو سلام کریں۔ اور احادیث میں ہے کہ سلام میں جاننے پہچاننے والوں کی تخصیص نہ کی جائے، بلکہ جو مسلمان مل جائے اس کو سلام کیا کرے، اور یہ قیامت کی علامت ہے کہ انسان صرف پہچاننے والوں ہی کو سلام کرے گا۔

لفظِ سلام کے فوائد:

سلام ہے تو یہ چھوٹا سا عمل لیکن اس کے فوائد بڑے ہیں۔ (۱) سلام اللہ کا نام ہے، اور سلام کہنے میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ (۲) دوسروں کے لئے تذکیر اور نصیحت بھی ہوتی ہے۔ (۳) آپس میں اظہارِ محبت اور اظہارِ تعلق بھی ہوتا ہے۔ (۴) اور اس کی وجہ سے محبت بھی پیدا ہوتی ہے۔ (۵) مخاطب کے لئے بہترین دعا بھی ہے کہ اس کی ہر تکلیف اور رنج اور مصیبت سے حفاظت ہو، اور اللہ کی طرف سے امن اور سلامتی میں وہ رہے۔ (۶) مخاطب سے یہ معاہدہ بھی ہوتا ہے کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ (۷) سلام میں پہل کرنے والے کے لئے احادیث میں کبر سے بری ہونے کا تذکرہ بھی ہے۔

''اَلْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِیْءٌ مِنَ الْکِبْرِ'' (کنز العمال: ۲۵۱۲۵)

آمد ورفت کا اہتمام کریں:

(۳) محبت پیدا کرنے اور دوریوں کے ختم کرنے کی ایک تدبیر یہ ہے کہ آپس میں آمد ورفت کا اہتمام کیا جائے، جتنی آمد ورفت ہوگی اتنی محبت پیدا ہوگی۔ اس لئے اس کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

نرمی اختیار کریں:

(۴) آپس میں نرمی کا برتاؤ کریں، کیونکہ نرمی سخت سے سخت دل کو بھی پگھلا دیتی ہے، مخاطب چاہے جتنا سخت دل ہو، بد کلام ہو، اگر ہم نرمی اختیار کریں اور تواضع کے ساتھ رہیں تو اس کی سخت دلی رحم دلی میں تبدیل ہو جائے گی۔

عفو در گزر سے کام لیں:

(۵) غلطی ہو جانے پر معاف کر دیں، جو دنیا میں بندوں کو معاف کرتا ہے اللہ آخرت میں بندوں کو معاف کرے گا، اس کی بہت فضیلتیں احادیث میں موجود ہے، قرآن پاک میں بھی متعدد نبی پاک ﷺ کو معافی در گزر کرنے کا حکم ہے۔

صلح کی کوشش کریں:

(۶) اسلام میں صلح کی بہت اہمیت ہے، ایک حدیث میں ہے:

”أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَ الصَّلَاةِ و الصَّدَقَةِ“؟

کیا میں تم کو ایک ایسی چیز نہ بتاؤں جس کا درجہ روزے سے بھی، نماز سے بھی، زکوٰۃ سے بھی افضل ہے! ہم نے کہا: ”بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ“ اے اللہ کے رسول (ﷺ) ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”صَلاَحُ ذَاتِ الْبَيْنِ“ آپس کے تعلقات کو دُرست رکھنا اور آپس میں صلح کروانا اس کے بعد فرمایا:

”فِإنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُوْلُ تَحلِقُ الشَّعْرَ وَ لٰكِنْ تَحلِقُ الدِّيْنَ (سنن ترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، ۲۵۰۹)

آپسی اختلاف تو مونڈ دینے والا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ سر کو مونڈ دینے والا ہے بلکہ یہ دین کو مونڈ دینے والا ہے۔ جہاں اختلاف ہوا اُس سے دین بالکل مونڈ جائے گا۔ جس طرح سر کے بال نکل جاتے ہیں ایسے ہی آدمی کے اندر سے اعمال نکل جائیں گے۔ ایمانی غیرت نکل جائے گی۔ اس لئے صلح کے فضائل اور فوائد اور جھگڑوں کے دینی اور دنیوی نقصانات کا مذاکرہ کرکے آپس میں میل ملاپ پر آمادہ کر لیا جائے۔

مصالحت کی شرعی حدود:

لیکن ایسی صلح جائز نہیں ہے جس میں میاں بیوی آپس میں لڑ بیٹھیں، اور طلاق کی نوبت آجائے، اور شوہر طلاق بھی دیدے، یا تو تین طلاق دیدیے یا طلاق دے کر چھوڑ دے اور عدت گزرنے پر اور دماغ کے ٹھنڈے ہونے پر جھگڑا ختم کر کے صلح کرلے اور ساتھ رہنے لگے، شریعت کے اعتبار سے ان کے درمیان نکاح ٹوٹ چکا ہوتا ہے، لیکن وہ صلح کر کے ساتھ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں، شوہر بھی مکر جاتا ہے اور بیوی بھی اس کا ساتھ دے کر اس کے ساتھ رہتی ہے، ایسی صلح کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے، صلح کی بھی ایک حد ہے۔ جہاں کسی کا حق نہ مارا جائے، جہاں شریعت کی خلاف ورزی نہ ہو، جہاں حلال کو حرام کرنا لازم نہ آئے، جہاں حرام کو حلال کرنا لازم نہ آئے تو پھر وہاں صلح ہو گی۔ اگر ان چیزوں کی رعایت نہ ہو تو پھر وہاں صلح کی اجازت نہیں ہے۔ یہ کتنی نازک بات ہے! آپ ﷺ نے فرمایا:

"اَلصُّلْحُ جَائِزٌ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ إِلَّا صُلْحًا أَحَلَّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا" (سنن ابی داود: کتاب الاقضیۃ: ۳۵۹۶)

مسلمانوں کے درمیان میں صلح کرنا جائز ہے لیکن ایسی صلح کی اجازت نہیں ہے، جہاں شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ جہاں حلال کو حرام کرنا پڑے، یا جہاں حرام کو حلال کرنا پڑے۔

ہدایا دینے کا اہتمام کریں:

(۷) آپس میں ہدایا کا لین دین کریں، اور احادیث میں اس کی ترغیب ہے: تَهَادَوْا تَحَابُّوْا، آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے:

تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ (سنن ترمذی: باب فِی حَثِّ النَّبِیِّ ﷺ عَلَی التَّهَادِی، ۲۲۷۷)

ہدیہ دو کیونکہ ہدیہ سینہ کے حسد اور کینہ کو نکال دیتا ہے۔

برائی کا بدلہ اچھائی سے دیں:

(۸) کبھی نفرت کو ختم کرنے کے لئے انسان کو جھکنا پڑتا ہے، اور سامنے والے کی غلطی سے

صرف نظر کر کے اس سے حسن سلوک کرنا پڑتا ہے برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا پڑتا ہے، اور یہ اخلاق کا اعلیٰ درجہ ہے، جس کا قرآن پاک میں ذکر ہے:

''اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَاالَّذِیۡ بَیۡنَكَ وَبَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ''

اگر کسی سے تکلیف پہنچی ہے تو اس کی مکافات اچھے برتاؤ کے ساتھ کیجئے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کو آپ سے عداوت تھی وہ پکا دوست بن جائے گا۔

اتحاد کی بنیاد ایمان پر رکھیں:

(۹) آج کل اتحاد و اتفاق نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ محبت اور اتحاد کی بنیاد ایمان پر نہیں ہے، نفسانی اغراض کا دور ہے، اسی بنیاد پر اتحاد ہوتا ہے، اگر اتفاق کو باقی رکھنا ہے تو اس کی بنیاد ایمان کو بنانا چاہیے، جب تک ایمان ہوگا اتحاد اور محبت بھی قائم ہوگی۔ اتحاد واتفاق وہی معتبر اور پائیدار ہوگا جو دینی حدود پر قائم ہو اور تقویٰ کی رعایت کے ساتھ ہو۔ جب تک ایمان ہوگا تقویٰ اور طہارت ہوگی اتحاد ختم نہیں ہوگا، ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں گے تو آپس میں نااتفاقی بھی نہیں ہوگی۔

ایذارسانی سے بچیں:

(۱۰) اتحاد باقی رکھنے کے لئے یہ چیز بھی ضروری ہے کہ دوسروں کو اپنے سے تکلیف نہ پہنچائے۔ یہ اتحاد واتفاق کے لئے بہت بڑی چیز ہے، حدیث میں ہے: ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ'' (صحیح بخاری: کتاب الایمان: ۱۰) مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ اگر کسی کو آپ سے تکلیف ہوتی رہے تو اس کے دل میں آپ سے محبت کیسے پیدا ہوگی! بلکہ نفرت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

معاشرت کو درست کریں:

(۱۱) محبت کا ایک سبب حسنِ معاشرت ہے، آج کل ہم لوگ معاشرت میں بہت کوتاہی کرتے ہیں، حسنِ معاشرت کا بھی ایک باب ہے، اس کی بہت تفصیل ہے، بلکہ یہ دین کا ایک

حصہ ہے۔ بعض باتیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں لیکن اس کا نتیجہ برا ہوتا ہے، دوسروں کو اس سے بڑی تکلیف پہنچتی ہے، جس کے نتیجہ میں میل ملاپ مشکل ہو جاتا ہے۔

اہل حق کو ان کا حق دیا جائے:

(۱۲) ایک حکم اس باب میں یہ ہے کہ اہل حق کو ان کا حق دیا جائے، چاہے مالی حق ہو، یا جانی حق ہو، یا کوئی اور، ہر ایک کو اس کا حق دینا چاہیے، اگر حقوق تلفی ہو تو پھر محبتوں میں دراڑ آجاتی ہے، دوری اور نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔ مثلاً کسی سے قرض لیا جائے اور اس کو واپس ہی نہ کیا جائے تو یہ ظلم ہے، یا قرض واپس کرنے کا ارادہ ہے لیکن گنجائش کے باوجود تاخیر کی جارہی ہے تو یہ چیز بھی رنجش پیدا کر دیتی ہے، حدیث میں اس کو بھی ظلم کہا گیا ہے، مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، مالدار آدمی کا قرض خواہوں کو قرض ادا نہ کرنا ظلم ہے، حق تلفی ہے، ایسی صورت میں آپس میں اختلاف نہیں تو کیا پیدا ہو گا!

معاملات میں گڑبڑ تعلقات کے بگاڑ کا سبب ہے:

(۱۳) ایسے ہی معاملات کو صاف رکھنا چاہیے، معاملات میں اگر گڑبڑ ہو، ان میں صفائی نہ ہو تو تعلقات خراب ہو جاتے ہیں، چاہے چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا، لکھ کر ایک ایک جزء کی وضاحت کر لینی چاہیے، جب معاملہ آگے بڑھتا ہے اس وقت لڑائی اور جھگڑے ہوتے ہیں، بعض دفعہ معاملات کی صفائی تعلقات کی وجہ سے بھی نہیں کی جاتی ہے، اس وقت یہی معاملات تعلقات خراب کر دیتے ہیں۔ معاملات اگر صاف ہیں تو تعلقات اور دل بھی صاف ہوتے ہیں، اگر معاملات ہی خراب ہو جائیں تو دل بھی ایک دوسرے سے متعلق خراب ہو جاتے ہیں۔ ایسے امور کی لمبی چوڑی تفصیل ہے، عام طور پر یہی چیزیں ہوتی ہیں جو آپس میں اختلاف پیدا کرتی ہیں، ان سے بچنے کی کوشش اور فکر کرنی چاہیے، اللہ پاک ہم سب کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے، اور باہمی اختلافات سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

اختلافات اور ان کے اسباب و آداب:

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

”وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ“

اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے باہم تفریق کرلی اور باہم اختلاف کرلیا ان کے پاس احکام واضحہ پہنچنے کے بعد اور ان لوگوں کے لیے سزائے عظیم ہو گی۔ یعنی اگر اختلاف اُس وقت تک ہو تا جب تک کہ کوئی دلیل نہ ہو اور حق تعالیٰ کی طرف سے احکام نہ آئے ہوں تو الگ بات ہے، لیکن جب قرآن پاک نازل کر دیا گیا، دلیل نازل کر دی گئی، تو اب اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، قرآن جو کہ ”حبل اللہ“ ہے اور سنت رسول جو کہ ”حبل اللہ“ ہے اُس کو مضبوطی سے پکڑنے اور اسی پر چلنے کا حکم ہے، یہودیوں اور عیسائیوں نے بینات آنے کے بعد اختلاف کیا، لیکن تم لوگ دلیل آنے کے بعد ان کی طرح اختلاف نہ کرو ، یعنی تم دلیل ہی کو نہ مانو، یا دلیل کے معیار ہی کو نہ پہچانو۔ اگر ایسا کروگے یعنی جو دلیل نہیں ہے اُس کو دلیل بناؤ گے، جو دلیلِ معیار نہیں ہے اُس کو معیار بناؤ گے اور اختلاف کرنے لگو گے تو دنیا اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہو گا۔

ہمارا موضوع چونکہ فتنوں سے متعلق چل رہا تھا، اور فتنوں میں سے ایک فتنہ اختلافات کا فتنہ ہے، جس کا اس آیت مبارکہ میں ذکر ہے، اس کی مختلف صورتیں ہیں، اس لئے چند باتیں اختلاف کے آداب اور اسباب وغیرہ سے متعلق ذکر کی جارہی ہیں۔

اختلاف اور اتحاد میں اعتدال کی راہ:

مضمون کی وضاحت سے قبل دو چیزوں بلکہ دو غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے، دراصل یہ دو غلط فہمیاں افراط اور تفریط پر مبنی ہیں۔

اس سلسلہ میں تفریط کا پہلو یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اتحاد کا دعویٰ کرتے ہوئے ہر اختلاف سے اتفاق کرلیا، گویا وہ صلحِ کل کے مدعی ہوگئے، جو اسلامی تعلیمات، بعثتِ نبی کے مقصد منشأ شریعت کے بالکل خلاف ہے۔

دوسرا گروہ افراط کا شکار ہے، وہ ہر اختلاف کو ناجائز قرار دیتا ہے، حتی کہ محمود اختلاف جس کے نصوص میں اشارے موجود ہیں جس پر اجر ثواب کی فضیلتیں ہیں جو امت کے لئے رحمت اور سہولت ہے وہ انہیں ناجائز گمراہ اور منکر قرار دیتا ہے۔

اعتدال کی راہ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ صلح کل نہ اسلامی تعلیم ہے اور نہ ہر اختلاف مذموم ہے، بلکہ کہیں اتحاد محمود ہے تو کہیں اتحاد مذموم بھی ہے، اسی طرح کہیں اختلاف مذموم ہے کہیں اختلاف محمود بھی ہے، اس نزاکت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

صلحِ کل اسلامی تعلیم نہیں:

اتحاد کے مدعی کہتے ہیں کہ اسلام میں اتحاد کا حکم ہے، اسلام نے کسی سے لڑنے اور اختلاف کرنے کی تعلیم نہیں دی، اس لئے باہمی اتحاد کے ساتھ ہی رہنا چاہیے، چاہے کوئی بھی کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھنے والا ہو، آپس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں رکھنا چاہیے، اختلاف نہ علمی اعتبار سے ہونا چاہیئے، اور نہ عملی اعتبار سے۔ حتیٰ کہ جو سیاسی ذہن کے ہوتے ہیں وہ کافروں سے بھی مل کر رہنے پر تیار ہوتے ہیں اور اس کو اسلامی تعلیم کے مغایر نہیں سمجھتے، ایسے ہی جو اسلام اور دین کے خلاف عقائد اور نظریات رکھتے ہیں تو اُن کے بارے میں بھی ان کی رائے یہی ہوتی ہے کہ انہیں بھی ان کے عقائد پر چھوڑ دینا چاہیئے، اور سب کو مل جل کر رہنا چاہیے، جب کہ ان آیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کو سارے اختلافات، جھگڑے، افکار، نظریات اور مسائل ختم کرکے آپس میں مل جانا چاہیے، ”صلحِ کل“ اسلامی تعلیم نہیں ہے۔

یاد رکھیں کہ شریعت میں ہر اتحاد پسندیدہ نہیں ہے اور شریعت میں ہر اختلاف بُرا نہیں ہے۔ اگر یہی چیز مطلوب ہوتی تو اللہ تعالیٰ نبیوں کو لوگوں کے عقائد اور ان کے خلافِ شرع اور خلاف فطرت رسوم ورواج، بدعات وخرافات کی اصلاح کے لئے نہیں بھیجتے، جب بھی نبی نے لوگوں میں دعوت واصلاح کا کام کیا تو جھگڑا ہی ہوا، باپ بیٹے میں جھگڑا ہوا، بھائی بھائی میں جھگڑا ہوا، میاں بیوی میں جھگڑا ہوا، خاندان اور قبیلوں میں جھگڑا ہوا، رشتہ داروں میں جھگڑا ہوا۔ لوگوں نے حضور پاک ﷺ سے جو شکایتیں کیں ہیں اُن میں ایک بڑی شکایت یہ تھی کہ آپ ایک ایسی چیز لے کر آئے ہیں جس سے آپس میں کافی جھگڑے ہو رہے ہیں۔

قوم ونسل رنگ وزبان کا اختلاف بطور تعارف ہے:

ہاں یہ صحیح ہے کہ رنگ، نسل، وطن، زبان، علاقے، قومیت اور صوبائیت کی بنیاد پر اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن پاک میں فرمایا:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ" (الحجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف خاندان بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو اللہ خوب جاننے والا پورا خبر دار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ" (مسند احمد:۲۳۸۸۵)

اے لوگو! سنو کہ بے شک تمہارا رب ایک ہے، تمہارے باپ ایک ہیں، سن لو کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں ہے، اور نہ کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سرخ پر فضیت حاصل ہے۔ اس لئے خاندان، قبیلہ، ذات پات وغیرہ کی بنیاد پر تو آپس میں اختلاف نہیں کرنا چاہیے، یہ اختلاف دراصل اختلاف نہیں بطور تعارف یہ تقسیم ہے، لیکن جہاں دین اور شریعت کے نام پر اختلاف ہو، جہاں قرآن وحدیث کے مخالف

عقائد ہوں، جہاں بدعات و خرافات ہوں تو وہاں ان سے اختلاف ہو گا، انبیاء کے آنے کا مقصد یہی ہے، تاکہ ایسے عقائد سے لوگوں کی توبہ کروائی جائے، اور ان رسوم و بدعات سے ان کو نکالا جائے، اور قران و سنت کی تعلیمات سے انہیں آراستہ کیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث کافرین اور مشرکین کی مذمت اور ان کے درمیان اختلاف سے بھرا پڑا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں جو فرقے عقائد کے اعتبار سے گمراہ گزرے ہیں جیسے قدریہ وغیرہ تو اللہ کے نبی نے ان سے ملنے، ان کی عیادت کرنے اور ان کے جنازہ میں حاضر ہونے سے منع کیا ہے، جب کہ وہ بھی کلمہ گو تھے، اگر مطلقا اتحاد ہی کا حکم ہوتا تو یہ احکام نہ ہوتے۔

اختلاف کا مدار:

اس لئے اگر اختلاف دین اور شریعت کی بنیاد پر ہو تو وہ اسلام میں محمود ہے، اسلام میں نہ "لڑنا" اصل ہے اور نہ "نہیں لڑنا" اصل ہے، نہ "مل کر رہنا" اصل ہے اور نہ "اختلاف کرنا" اصل ہے۔ اس کا مدار اللہ کی رضا ہے، جہاں اتحاد کا حکم ہے اور اللہ کی رضا ہے تو وہاں ملنا چاہیے، اور جہاں اللہ کی ناراضگی ہے وہاں دوری اختیار کی جائے گی، بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں مل کر رہنا اچھا ہے اور اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ اور بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں لڑ کر رہنا اچھا ہے اور اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ نہ مطلقاً اتفاق پسندیدہ ہے اور نہ مطلقاً اختلاف پسندیدہ ہے۔ کبھی اتفاق ناپسندیدہ ہو جاتا ہے اور کبھی پسندیدہ ہوتا ہے۔ کبھی اختلاف ناپسندیدہ ہوتا ہے اور کبھی پسندیدہ ہوتا ہے۔ ان سب کی بنیاد اللہ ربّ العزت کا تعلق ہے۔ اور یہ سب احادیث میں موجود ہے، ایک حدیث میں ہے: "مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ وَأَعْطٰى لَهُ وَمَنَعَ لَهُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ" (سنن ابی داود: کتاب السنة: ۴۶۸۱)

جو اللہ کے لئے محبت کرے، جو اللہ کے لئے بغض رکھے، جو اللہ کے لئے خرچ کرے، جو اللہ کے لئے منع کرے، تو اس نے ایمان کو مکمل کر لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوستی ہر حالت میں مطلوب نہیں ہے بلکہ کبھی دشمنی بھی مطلوب ہوتی ہے۔ ہر اختلاف برا نہیں ہوتا ہے بلکہ

کبھی اختلاف بھی بھلا ہوتا ہے۔ ہر اختلاف اچھا بھی نہیں ہوتا بلکہ کبھی بُرا بھی ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہر اتحاد خراب نہیں ہوتا بلکہ اچھا بھی ہوتا ہے۔ اتحاد میں اچھی اور بُری دونوں صورتیں ہیں اور اختلاف میں بھی اچھی اور بُری دونوں صورتیں ہیں۔ ان کی تفصیلات سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس کو جاننا ضروری ہے کہ اللہ کے لیے محبت کرنے کا حکم ہے تو نفرت کرنے کا بھی حکم ہے، ایسا نہیں ہے کہ کسی سے نفرت ہی نہ کی جائے، بلکہ اس حدیث میں تو اس کو کمال ایمان کی ایک علامت قرار دیا گیا ہے، محبت اور نفرت اللہ کے لئے ہو، خرچ کرنا اور نہ کرنا اللہ کے لئے ہو۔

ائمہ مجتہدین کا اختلاف مذموم نہیں بلکہ محمود ہے:

افراط کا شکار فرقہ کہتا ہے کہ ہر اختلاف مذموم ہے، بس ان کے جو عقائد ہیں وہی صحیح ہیں، بقیہ غلط اور مذموم ہیں، اور اسی بنیاد پر ائمہ مجتہدین کے اختلاف کو وہ مذموم قرار دیتے ہیں، اور اس کو گمراہ قرار دیتے ہیں، لیکن ان کی یہ بات غلط ہے، کیونکہ اجتہاد کی بنیاد پر اختلاف نبی کے زمانے میں ہوا، لیکن اللہ کے نبی نے کسی کی نکیر نہیں کی، بلکہ اجتہاد میں غلطی پر ثواب آپ ﷺ نے ثواب بتایا ہے،:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ”إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ“ (صحیح بخاری: کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۶۹۱۹) کہ جب کوئی حاکم اجتہاد کرے اور وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب اجتہاد میں غلطی کرے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جس اختلاف میں اجتہادی خطا ہونے پر بھی ثواب ملتا ہے وہ مذموم کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ گمراہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اختلاف کرنے پر عذاب کی وعید ہے، جس پر عذاب کی وعید ہے اس میں ثواب اور فضیلت کیسے ہو سکتی ہے؟ اور پھر ایسا اختلاف صحابہ کے زمانے میں بھی تھا، کیا وہ بھی مذموم ہوگا؟ وہ بھی بُرا ہوگا، جب کہ صحابہ معیار حق ہیں، نجات کا سبب ہیں، ان کا راستہ بھی ہمارے لئے نمونہ ہے، اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ جس اختلاف کی مذمت اور برائی قرآن و حدیث میں بتائی گئی ہے اس سے

عقائد کا اختلاف مراد ہے، اجتہادی اختلاف جو ائمہ دین اور فقہاء اسلام میں ہوا ہے اور اس سے بچنا ناگزیر بھی ہے اور جو عہدِ صحابہ سے ہوتا چلا آیا ہے، وہ اس میں داخل نہیں ہے، اور نہ وہ رحمت الٰہی کے خلاف ہے، بلکہ اللہ کی حکمت کے عین مطابق اور رحمت کا باعث ہے۔

کونسا اختلاف قابل مذمت ہے؟

خطبہ میں جو آیات پڑھی گئی ہیں اس میں جس اختلاف اور تفرقہ سے بچنے کا حکم دیا ہے کیا اس سے مراد وہ تفریق ہے جو یا تو اصول دین میں ہو یا فروع میں ہو لیکن نفسانیت کی وجہ سے ہو، جیسا کہ آیت میں اس قید "مِنۢ بَعۡدِ مَا جَاۤءَهُمُ الۡبَیِّنٰت" احکام واضحہ آنے کے بعد" سے پتہ چلتا ہے، کیونکہ دین کے اصول سب واضح ہوتے ہیں، اور قرآن پاک میں اس طرح کی جتنی آیات ہیں جن میں تفرقہ کی مذمت بیان کی گئی ہے اور اختلاف سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ان سب میں اعتقادی اختلاف اور تفرقہ سے بچنا ہی مراد ہے۔ وہ گمراہی اور ضلالت ہے۔

سوال یہ ہے کہ عقائد میں کس کے عقائد معتبر ہیں؟ اور کس کا طریقہ مقبول ہے، اور کس راستے پر چلنے سے آدمی نجات پائے گا؟ کیونکہ آج کے زمانے میں فرقے بہت ہو چکے ہیں، ہر ایک اپنے آپ کو صحیح قرار دیتا ہے، ایسے موقع پر کس کو صحیح قرار دیا جائے اور کس کو غلط؟ کس کے عقائد اختیار کیے اور کس کے ترک کیے جائیں۔

عقائد اور اعمال کا معیار:

اس کا جواب آپ ﷺ نے اس حدیث میں بیان کیا ہے کہ اس کا معیار میرا اور صحابہ کا طریقہ ہے، جس کے عقائد اور جس کے اعمال میرے اور صحابہ کے طریقے کے مطابق ہوں گے وہ عند اللہ مقبول ہوگا، وہ نجات پائے گا، اور جو اس سے ہٹ جائے گا وہ گمراہ ہوگا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي" (سنن ترمذی: کتاب الایمان: باب ما جاء في افتراق الأمة، ۲۶۴۱)

بے شک بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے، اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی اور وہ سب کے سب جہنم میں جائیں گے، سوائے ایک جماعت کے، صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! وہ نجات پانے والے کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ اسی کو ہم اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کی تعبیر حدیث ہی سے ماخوذ ہے:

یہ نام اسی حدیثِ مبارکہ سے ماخوذ ہے، اور صحابہ اور سلف ہی سے یہ تعبیر منقول ہے، کیونکہ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "مَا اَنَا عَلَیۡهِ" جس راستے پر میں ہوں وہ راستہ صحیح ہے، اور ظاہر ہے کہ حضور کا طریقہ حضور کی سنتیں ہیں، اس لئے ما انا سے اہل سنت کی تعبیر لی گئی، اس لئے جو لوگ نبی کی سنت اور نبی کے طریقے پر چلنے والے ہیں، وہ اہل سنت کہلاتے ہیں، اور پھر آپ ﷺ نے واصحابی فرمایا، اور بعض روایات میں جماعت کا لفظ ارشاد فرمایا (سنن ابی داؤد: کتاب السنۃ: ۴۵۹۹ وسنن ابن ماجہ:)، ان دونوں کو ملایا تو سنت اور جماعت ہوا، اور جماعت سے صحابہ کی جماعت مراد ہے، کیونکہ حدیث میں اللہ کے نبی نے صحابہ کا لفظ بھی ذکر فرمایا ہے، تو ما انا علیہ سے سنت والا راستہ اور اصحابی سے صحابہ والا راستہ مراد ہوا، اس طرح حدیث پاک سے اہل السنۃ والجماعۃ کی تعبیر اخذ کی گئی، مطلب یہ ہوا کہ جو سنت کے مطابق اور صحابہ کے طریقے کے مطابق چلنے والے ہیں وہ سنت والے اور جماعت والے ہیں، وہ کامیاب ہوں گے، اور ان کے علاوہ جو لوگ ہوں گے وہ جہنمی ہوں گے۔ حق کو پانا ہے تو پھر اس راستے پر چلنا پڑے گا۔ قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے فرمایا:

"فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوۡا وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا هُمۡ فِىۡ شِقَاقٍ"

(البقرۃ: ۱۳۷)

جیسے صحابہ ایمان لائے دوسرے لوگ اگر ایسے ہی ایمان لائیں گے تو وہ معتبر ہو گا، اور وہ لوگ نجات پالیں گے۔ ہدایت پر ہوں گے، اور اگر رخ پھیرلیں گے تو بدبختی میں ہوں گے۔

اللہ کی نبی کے ساتھ اور نبی کی صحابہ کے ساتھ معیت:

اسی پر بحث کرتے ہوئے مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بڑی اچھی بات لکھی۔ فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اپنے سے الگ نہیں کیا۔ اور قرآن پاک میں جگہ جگہ یہ مضمون بیان فرمایا کہ جس نے رسول کی بات مانی اُس نے اللہ کی بات مانی، جس نے رسول کی نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی:

"مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ" (النساء: ۸۰) جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اس نے اللہ کی اتباع کی، اور جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی، ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو کبھی اپنے سے الگ نہیں کیا، بلکہ جگہ جگہ ان کی اتباع کا حکم دیا۔ جمعہ میں خطباء یہ حدیث پڑھتے ہیں:

"اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِيْ فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِيْ وَمَنْ آذَانِيْ فَقَدْ آذَى اللّٰهَ وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ" (سنن ترمذی: کتاب المناقب: ۳۸۶۲)

میرے صحابہ کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد صحابہ کو نشانہ نہ بنانا، کہ جس نے ان سے محبت کی تو اُس نے مجھ سے محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی، اور جس نے ان سے نفرت کی اُس نے مجھ سے نفرت کی وجہ سے اُن سے نفرت کی، اور جو انہیں تکلیف دیتا ہے، تو وہ مجھے تکلیف دیتا ہے، اور جو مجھے تکلیف دیتا ہے تو وہ اللہ کو تکلیف دیتا ہے، اور جو اللہ کو تکلیف دیتا ہے تو قریب ہے کہ اللہ جل جلالہ اس کا مواخذہ کرلیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ شان بتلائی، بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوسروں کے نجات پانے کا معیار بتایا، اور ان کی اتباع کرنے والوں کے لئے رضا کا پروانہ جاری کردیا۔

اس لئے کسی کے اہل حق ہونے کو پہچاننا ہے یا کسی جماعت کو دیکھنا ہے کہ وہ اہل حق میں سے ہے یا نہیں تو اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں جانچنا پڑے گا کہ ان کے اعمال اور ان کے نظریات نبی کی سنت اور صحابہ کے مطابق ہیں یا نہیں؟ اگر موافقت ہو تو ان کے اہل حق

ہونے کی علامت ہے، اگر موافقت نہیں ہے اور صحابہ کے بارے میں ان کا نظریہ گستاخانہ، تنقیدوں سے بھرپور، ان کی شان کو مجروح کرنے والا ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اہل حق میں سے نہیں ہے۔

غرض نجات کی بنیاد اور اصل مدار عقائد ہیں، اگر آدمی کے پاس صحیح عقیدہ ہو تو نجات اس کا مقدر ہے، اور اگر اُس کے ساتھ اعمال صالحہ ہوں تو پھر وہ نورٌ علیٰ نور ہے، لیکن اگر اعمال میں کمی ہے تو ہو سکتا ہے کہ معافی ہو جائے یا اعمال کی سزا بھگتنے کے بعد وہ جنت میں چلا جائے۔ لیکن وہ ضرور کامیاب ہو گا، لیکن اگر آدمی کے پاس عقیدہ ہی صحیح نہیں ہے، چاہے اُس کے پاس کتنے ہی نیک اعمال کیوں نہ ہوں کل قیامت میں وہ ناکام ہو گا، اور گمراہ شمار ہو کر ہمیشہ کے لئے داخلِ جہنم کیا جائے گا۔

جو جماعتیں عقائد کی بنیاد پر وجود میں آتی ہیں، جن کے عقائد اہل السنۃ سے الگ ہوتے ہیں ان کا مسئلہ بڑا خطرناک ہوتا ہے، ان کی نجات وعدم کا نجات کا مسئلہ ہوتا ہے، البتہ جن جماعتوں میں اصولی اختلاف نہ ہو فروعی یعنی مسائل کا اختلاف ہو تو اس طرح کا اختلاف امت میں زحمت نہیں بلکہ رحمت کا باعث ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے ذکر کی جائے گی۔

”اہل السنۃ والجماعۃ“ کی مختلف جماعتیں:

مسلمانوں میں ”اہل السنۃ والجماعۃ“ کے نام سے جو جماعت رہی ہے وہ چار طرح کی جماعتیں رہی ہیں۔ دراصل یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جتنی یہ جماعتیں بعد میں وجود میں آئیں جو حضور کے زمانے نہیں تھی، مثلاً فقہاء اور اولیاء وغیرہ یہ سب بدعت ہیں، یہ صحابہ سے ہٹ کر ہیں، صحابہ اور نبی کے زمانے میں ان کا وجود نہیں تھا، اس لئے آج ان کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی اتباع کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے ان کا مختصر تعارف اور حقیقت سے آگہی ضروری ہے، ان کے بارے میں بنیادی بات یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ یہ جماعتیں سنت اور صحابہ سے ہٹ کر نہیں، اس لئے جو ان کو گمراہ کہتے ہیں وہ خود گمراہ ہیں، نام ان کا زمانے میں نہیں تھا، لیکن کام تو وہی ہے۔ ان کا نام باضابطہ اور

مستقل اس لئے دیا گیا کہ انہوں نے ایک موضوع کو بنیاد بنا کر اس پر کام کیا، اس لئے وہ اس نام سے یاد کئے جانے لگے، اور لوگوں میں اسی نام سے اور اپنے کام سے مشہور ہوئے، ورنہ یہ لوگ قرآن و حدیث اور سنت سے ہٹ کر نہیں ہیں، مثلاً ایک جماعت محدثین کی ہے، انہوں نے جو کارنامے انجام دئے ہیں سب اس کو تسلیم کرتے ہیں، صحیح مانتے ہیں، بلکہ اس کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور کوئی انہیں بدعت نہیں کہتا، لیکن صوفیا اور فقہاء پر بڑی آسانی کے ساتھ طعن کرتے ہیں، جیسے محدثین نے دین کے ایک حصے کو اپنا مشن بنالیا اور اپنا موضوع بنا کر کام کیا اس سے وہ مشہور ہوئے ایسے ہی فقہاء اور اولیاء نے ایک خاص انداز میں خاص ترتیب سے ایک مشن بنا کر قرآن و حدیث کے مطابق کام کیا تو وہ اس میں مشہور ہوئے، وہ کیسے بدعت ہوگا! غرض جو جماعتیں بعد میں وجود میں آئیں ہیں ان میں سے ایک محدثین، ایک متکلمین، ایک فقہاء اور ایک اولیاء کی جماعت ہے۔

محدثین:

''محدثین'' کی جماعت وہ ہے جو احادیث کے حفظ، پڑھنے اور پڑھانے، احادیث کی سندیں، اس کے متعدد طرق اور سندیں، صحت و ضعف، رواۃ کے حالات، اور ان اعتبارات سے حدیث کے قابل اعتماد ہونے نہ ہونے سے متعلق بحث کرتی ہے۔

متکلمین:

ایک جماعت وہ تھی جو عقل سے مرعوب اور فلسفیانہ رنگ میں رنگ کر اسلام اور شریعت کے مسلمہ اصولوں کے خلاف دین میں شکوک و شبہات اور اعتراضات کرنے والوں کے خلاف اپنی زندگیوں کو وقف کیا، ان سے مناظرے کئے، اور اسلامی عقیدوں کی حفاظت فرمائی، ایسی جماعت کا نام متکلمین ہے، ''متکلمین'' کے معنی بات کرنے والے کے ہیں، چونکہ اصل کلام تو عقائد ہی سے متعلق ہے، اور عقائد ہی ان کا موضوع بن گیا تھا اور اسی سے متعلق وہ بحث و مباحثے اور کلام کیا کرتے تھے اور عقل پرست اور فلسفہ سے متاثر لوگوں کے

اشکالات اور ان کے شبہات کے جوابات اور ان کا دفاع کرتے تھے اس وجہ سے ان کا نام ہی "متکلمین" پڑ گیا۔

عہدِ صحابہ کے آخری دور میں جب اسلامی علوم وعقائد یونان اور روم وغیرہ پہنچے تو وہاں کے لوگ ان کا تجزیہ اپنے افکار و نظریات کے اعتبار سے کرنے لگے، صحابہ رضی اللہ عنہم میں فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلی بحثوں کا کوئی رواج ہی نہیں تھا، اُن ممالک میں لاجک، فلسفہ اور منطق بہت زیادہ چلتی تھی، اور ان کے نظریے خود اسلام مخالف تھے، اس لئے اُن لوگوں نے اسلامی عقائد کا تجزیہ بھی فلسفیانہ رنگ میں کرنا شروع کر دیا اور جب ان کی کتابوں کے ترجمے ہوئے تو اور بھی زیادہ اُس میں شبہات پیدا ہونا شروع ہوئے، اس وقت اس بات کی ضرورت پڑی کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کا جواب دیا جائے اور ان کے شکوک و شبہات دور کئے جائیں، ان حضرات نے پھر اس پر زبردست کام کیا۔

پھر یہ متکلمین کی دو جماعتیں گزری ہیں، ایک اشعریہ اور دوسری ماتریدیہ۔ اشعریہ امام ابوالحسن اشعری کی تقلید کرنے والے ہیں اور ماتریدیہ امام ابو منصور ماتریدی کی تقلید کرنے والے ہیں، اور یہ دونوں ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ میں شمار کیے جاتے ہیں، امام ابوالحسن اشعری امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ عقائد کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور امام ابو منصور ماتریدی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ عقائد کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ دونوں جماعتیں ہونے کا یہ مطلب یہ نہیں ہے کہ دونوں کے عقائد بھی الگ الگ ہیں، جس طرح مسائل میں فرق ہوتا ہے، اس طرح عقائد میں فرق نہیں ہو سکتا۔ بنیادی طور پر ان کے عقائد ایک ہی ہیں، کہیں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے تو وہ حقیقی اختلاف نہیں ہے بلکہ لفظی اختلاف ہے، اور تعبیرات کا اختلاف ہے۔

فقہاء:

ایک جماعت فقہاء کی ہے، جنہوں نے اپنی ساری زندگی قرآن وحدیث کو سیکھنے سکھانے، اور ان سے ہزاروں اور لاکھوں مسائل اور اصول مستنبط کرنے میں صرف کر دی، اور امت

کے لئے قرآن و حدیث کی روشنی میں قیامت تک کے لئے زندگی گزارنے کے لئے ایک مشعلِ راہ ہموار کر دی۔

صوفیاء:

ان میں ایک جماعت اہلِ حق صوفیاء کی ہے۔ جس نے قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں اخلاق کی درستگی اور باطن سے اخلاق رزیلہ کو نکال کر اخلاق حسنہ سے مزین کرنے پر محنت کی، اور اس سے متعلق تحریری خدمات بھی انجام دیں۔

مفسرین:

ان کے علاوہ ایک جماعت مفسرین کی رہی ہے، جنہوں نے قرآن پاک کی فصاحت وبلاغت، اعراب وبیان تشریح و توضیح، مسائل کے استنباط واستخراج، اس کے اسرار ورموز اور حکمتوں سے متعلق قابل قدر قیمتی و بیش بہا تصانیف لکھیں۔ ان میں امام المفسرین صحابیِ رسول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جن کے لئے اللہ کے نبی نے علم کی دعا فرمائی تھی۔

یہ سب جماعتیں اہل السنۃ والجماعۃ کی شمار ہوتی ہیں۔ حضور کے زمانے میں لوگ اس طرح نہیں جانے جاتے تھے، لیکن چونکہ باضابطہ انہوں نے شریعت کے ایک خاص شعبہ کو اپنا مشن بنایا اور اس پر خصوصی توجہ کے ساتھ کام کیا اس لئے ان ناموں کے ساتھ اور ان القاب کے ساتھ یہ مشہور ہوئے، ہیں تو سب ایک ہی لیکن ان کی تعبیرات اور اسلوب میں فرق ہے، اس کے خاص اصول و قواعد، اس کی خاص ترتیبات اور ایک خاص انداز میں اس کام میں لگے رہنے اور اس پر محنت کرنے سے ان جماعتوں کے امتیازی نام کے ساتھ انہیں جانا جانے لگا۔ ورنہ حقیقت میں سب کے عقائد اور اعمال قرآن وحدیث کے موافق ہی ہیں۔

ایک نکتہ:

یہاں بطور نکتہ ایک بات اور سن لیں کہ اللہ نے وحی کے ذریعہ نازل کردہ کتابوں میں چار ہی کتابوں کو شہرت اور خاص مقام عطا فرمایا، تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔

پھر جب قرآن پاک آپ ﷺ پر نازل فرمایا اور آپ کو شریعت عطا فرمائی تو آپ کی شریعت کے بنیادی طور پر چار اصول مقرر فرمائے، قرآن، حدیث، اجماع اور اجتہاد و قیاس۔

پھر جب آپ ﷺ دنیا سے رحلت فرما گئے تو آپ کی نیابت آپ کے چار صحابہ نے یکے بعد دیگر سنبھالی، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی۔

پھر مرورِ زمانہ کے ساتھ جب اسلام وسیع ہوتا گیا اور عرب کے علاوہ عجم میں پھیلنے لگا، عقائد اور مسائل میں اختلافات ہونے لگے، اور نئے نئے مسائل پیدا ہونے لگے تو اس وقت آپ ہی کے بیان کردہ مسائل اور اصولوں کو یکجا کرنے اور ان کو ترتیب دینے اور مدون کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی تا کہ اس کی روشنی میں لوگوں کے مسائل کو حل کیا جائے، اس پر باضابطہ کئی ائمہ کرام نے محنت کی، لیکن اللہ پاک نے چار ائمہ کو خصوصی مقام عطا فرمایا۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، اماشافعی، امام احمد ابن حنبل۔

پھر جب بگاڑ اس حد تک پہنچا کہ لوگوں نے حدیثِ رسول میں تک خیانت شروع کر دی اور باطل فرقے والوں نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا شروع کر دیا، اور اپنے مسلک اور مشرب کو ثابت کرنے اور اپنی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرنے کے لئے حدیثیں گھڑنے اور بنانے لگے اور احادیث کے رطب و یابس اور اس کے صحت و ضعف کی طرف کوئی توجہ نہ دی تو حفاظتِ حدیث کے لئے محدثین نے حدیثوں پر کام کیا تو حق تعالیٰ نے خصوصاً چار ائمہ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام ابو داؤد کو نمایاں مقام عطا فرمایا، اگرچہ امام نسائی اور امام ابن ماجہ بھی بہت بڑے امام ہیں لیکن ان چاروں کو نمایاں مقام عطا فرمایا۔

پھر جب زمانۂ نبوت سے دوری کی وجہ سے نیتوں میں خرابی، بد اعتقادی اور بد عملی پھیلنے لگی تو اعمال اور عقائد کی اصلاح کی خاص طور پر ضرورت محسوس ہوئی، اس وقت اولیاء نے اس ذمہ داری کو سنبھالا، اور قلب کے تصفیہ کے لئے مخلوق پر سے توجہ ہٹانے اور خالق کی طرف مبذول کرنے اور اس کو پہچاننے کے لئے اور اس کی یاد میں رہنے کے لئے لوگوں کو خصوصی

محنت کی تو چار اولیاء کو اللہ پاک نے خصوصی مقام عطا فرمایا۔ حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ۔ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔ اور حضرت بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ۔ چونکہ یہ اشخاص وہ ہیں جنہوں نے باضابطہ ایک ہی موضوع کو بنیاد بنا کر کام کیا اس لئے اس کام سے یا اس نام سے وہ مشہور ہوئے اور اللہ نے ان کا بہت بڑا مقام امت میں بنایا۔ غرض یہ جماعتیں یا افراد اہل سنت سے ہٹ کر نہیں، جن آیات میں اختلاف کی مذمت ہے، اور اختلاف کو برا کہا گیا ہے اس سے یہ اختلاف مراد نہیں ہے، بلکہ عقیدوں کا اختلاف ہے۔

امت میں اختلاف کی ابتداء:

اسلام میں سب سے پہلا فتنہ اور سب سے پہلا اختلاف جس نے پیدا کیا وہ عبد اللہ بن سبا یہودی اور اس کے ماننے والے ہیں۔ اور اسی کے بطن سے خوارج اور روافض نے جنم لیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کے بارے میں گمان کرنے لگے کہ انہوں نے دین کو نہیں سمجھا، ہم ان سے بہتر دین سمجھتے ہیں، پھر انہی بنیادوں پر معتزلہ، مرجئہ، قدریہ وغیرہ فرقے پیدا ہوئے۔ یہ فرقے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانے میں پیدا ہوئے۔ جس کی اللہ کے نبی نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ جب میری امت میں تلوار نیام سے باہر نکل جائے گی تو پھر قیامت تک نیام میں نہ ہوگی، علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، یہ وہ واقعہ تھا جس میں مسلمانوں کے اندر اختلاف ونزاع پیدا ہوا، اس کے بعد پھر اختلاف بڑھتا ہی گیا، کبھی مکمل طور پر اس کا خاتمہ نہیں ہوا۔

خوارج کی پیشین گوئی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور بڑھا، منافقین اس کو ہوا دیتے گئے، خوارج حضرت علی کے مخالف تھے، اور روافض حضرت علی کی شان میں غلو کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں پہلے ہی سے پیشین گوئی فرمادی تھی کہ ایک فرقہ پیدا ہوگا جو تمہارے خلاف جنگ کرے گا، تم اُن کی دینداری سے متاثر نہ ہونا، اُن کو قتل کر دینا۔ اور فرمایا کہ اُن کی دینداری

کا حال یہ ہو گا کہ اُن کے چہروں پر نماز کے گٹھے ہوں گے، وہ قرآن پاک کی بہترین قرأت کریں گے، لیکن قرآن پاک ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، ان کی علامت یہ ہو گی کہ ان کے سر منڈھے ہوئے ہوں گے، اور دین ان سے اس طرح نکل جائے گا جس طرح کہ کمان سے تیر نکل جاتا ہے، وہ جہاں ملیں تم ان کو قتل کر دینا۔ (کنز العمال: کتاب الفتن، ۳۱۵۸۷، سنن ابی داؤد۔ صحیح بخاری: ۷۵۶۲)

فتنۂ خوارج:

چنانچہ اس فرقہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار اٹھائی، اور قرآن کے نعرے لگائے، اور کہنے لگے کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ ہے، حکم صرف کتاب اللہ ہے، حضرت علی نے قرآن کے مطابق فیصلہ نہیں کیا، اس لئے وہ حق پر نہیں ہیں، اور حد درجہ اس معاملہ آگے بڑھ گئے اور نعوذ باللہ حضرت علی کو کافر قرار دینے لگے، حالانکہ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، جو شخص سب سے پہلے اسلام میں داخل ہوا، ان خارجیوں نے اُن کو کافر قرار دیا۔ جب وہ بغاوت کرنے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے خلاف تلوار اٹھائی، وہ خلیفۂ وقت تھے اور فتنے کی سرکوبی کرنا اُن کا فرض تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان سے بات کرنے کے لئے بھیجا، تاکہ وہ فتنہ تھم جائے، لیکن وہاں بغاوت تھی، وہ کیسے تھمتی۔ مجبور ہو کر اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے حضرت علی نے ان سے قتال کیا۔

صحابہ قرآن خواں بھی تھے اور قرآن داں بھی:

مولانا بدرِ عالَم میرٹھی نے لکھا ہے کہ صحابہ قرآن خواں بھی تھے اور قرآن داں بھی تھے۔ بعد میں آنے والے لوگ جن میں فتنہ برپا ہوا، انہوں نے قرآن خوانی تو کی، مگر قرآن دانی نہیں کی۔ قرآن دانی یعنی قرآن سے واقف ہونا الگ چیز ہے قرآن خوانی یعنی قرآن کو پڑھنا الگ ہے، انہوں نے قرآن تو پڑھا، لیکن قرآن نہیں سمجھا۔ اس لئے فتنہ برپا ہوا۔

فتنہ کی وجہ قرآن دانی کا نہ ہونا اور عقل سے مرعوبیت تھی:

اور بعد کے جو فرقے رونما ہوئے اسکی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس بھی قرآن دانی نہیں تھی، انہوں نے عقائد کو قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھنے کے بجائے عقل کا سہارا لیا، انہوں نے مصادرِ قرآن کو جانے بغیر ہی اپنی عقل اور اپنی رائے سے اُس کے مضمون اور مفہوم کو متعین کرنا شروع کر دیا، اور جو چیز اُن کی عقل میں نہ سما سکی اس کو رد کرنا شروع کر دیا، اور اس کی بے جا تاویل اور توجیہ کرنے لگے، اس سے بد عقیدگی پیدا ہوئی۔ اور مختلف فرقے جنم لینے لگے۔ اسی وجہ سے ان لوگوں نے احادیث کا انکار کیا۔ اور صرف حدیث متواتر کو حجت مانا، کیونکہ حدیث متواتر قطعی ہوتی ہے، اس میں کسی قسم کا شک اور احتمال نہیں ہوتا، اس لئے صرف اسی کو حجت مانا، اور بقیہ کو ترک کر دیا، اور بہت ساری صحیح حدیثیں اس بنیاد پر ترک کیں کہ وہ ان کی عقل سے باہر تھیں، ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے، اور قرآن پاک کو نازل کیا، اس کو جامع بنایا، سب کچھ اس میں بیان کر دیا، اور اس کو سمجھنے کا حکم دیا، اور اس کا سمجھنا آسان بھی ہے تو اب نہ احادیث کی ضرورت ہے، اور نہ کسی اور جانب التفات کی ضرورت ہے۔

قرآن پاک کے جامع ہونے کا مطلب:

جب کہ احادیث قرآن کی توضیح اور تفسیر ہیں، احادیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا ناممکن ہے بلکہ اگر کوئی آدمی صرف قرآن پاک کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا چاہے تو نہیں پڑھ سکتا۔ قرآن پاک میں صرف یہ ہے کہ نماز پڑھو، مگر یہ نہیں ہے کہ فجر اس طرح پڑھو، ظہر اس طرح پڑھو، عصر اس طرح پڑھو، اور اس میں اتنی اتنی رکعات پڑھو، قیام کرو، قعدہ اور جلسہ کرو، رکوع اور سجدہ کرو، رکوع ایک ہونا چاہیے اور سجدہ دو ہونے چاہیے، قرآن کب پڑھنا ہے؟ تسبیحات کب پڑھنی ہیں؟ یہ سب تفصیلات قرآن پاک میں کہیں نہیں ہے۔ ایک آدمی نماز جیسی اہم عبادت کو قرآن پاک سے اخذ کرنا چاہے تو نہیں اخذ کر سکتا۔ تو دیگر اور تفاصیل کیسے قرآن پاک سے اخذ کر لے گا؟ قرآن پاک کے جامع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں

اسلام کے تمام بنیادی اصول ہیں۔ اس کی تفصیلات اوراس کی جزئیات احادیث مبارکہ میں موجود ہیں، آپ ﷺ نے اسی کی شرح فرمائی ہے۔ آپ قرآن پاک کے شارح ہیں۔ قرآن کے جامع اور واضح ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اب حدیث کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس طرح عقل کا بے جا استعمال کرکے ان لوگوں نے حق کو چھوڑ دیا۔

شریعت کو عقل کے ترازو میں تولنا بے عقلی ہے:

ایسا بھی نہیں ہے کہ قرآن وحدیث عقل کے خلاف ہیں، بلکہ ہماری عقل اتنی نہیں ہے کہ ہم قرآن کو عقل کے اعتبار سے دیکھنے لگیں، اور ویسے قرآن اللہ کا کلام ہے، آسمان سے اترا ہے، عقل سے ماوراء اور بالاتر ہے، اس لئے اس کو عقلی اعتبار سے دیکھنا اور عقل کے ترازو میں تولنا صحیح نہیں، اگر ہم دیکھنا بھی چاہیں تو نہیں دیکھ سکتے، کیونکہ ہماری عقل ناقص ہے، ہماری سوچ ناقص ہے، اس لئے ناقص عقل لے کر قرآن اور احادیث پر الزام لگانا اور اس کو ترک کرنا خود بے عقلی کی بات ہے۔

عقل کو معیار بنانے میں نقص:

اگر ہم مان بھی لیں کہ عقل کے اعتبار سے قرآن کو دیکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کی عقل کا اعتبار کریں گے؟ کس کی عقل کو معیار بنائیں گے؟ دیہات والے کے پاس بھی عقل ہوتی ہے، اَن پڑھ کے پاس بھی عقل ہوتی ہے، جاہل کے پاس بھی عقل ہوتی ہے، بے وقوف کے پاس بھی عقل ہوتی ہے، سمجھدار کے پاس بھی عقل ہوتی ہے، پروفیسر کے پاس بھی عقل ہوتی ہے، انجینئر کے پاس بھی عقل ہوتی ہے، ڈاکٹر کے پاس بھی عقل ہوتی ہے، وکیل کے پاس بھی عقل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کوئی معیار مقرر کرنا دشوار ہے، اگر ہم مان لیں کہ ڈاکٹر یا انجینئر یا پروفیسر یا وکیل کی عقل کو معیار بنائیں تو ان میں سے ہر ایک کے پاس بھی عقل متفاوت ہوتی ہے، ایک اس کو مانتا ہے تو دوسرا انکار کرتا ہے، اس لئے عقل کو معیار یا بنیاد بنانا خود بے عقلی کی بات ہے۔

آج کے زمانے کے کچھ جاہلوں کا کہنا ہے کسی بات کے درست ہونے کا معیار سائنس ہے ، اگر وہ بات سائنس کی رو سے صحیح ہے تو وہ صحیح ورنہ غلط، بلکہ ان جاہلوں نے قرآن کے تعلق سے تک یہ بات کہہ دی ہے۔ پہلے زمانے میں معتزلہ سے بنیادی غلطی یہی ہوئی کہ ان لوگوں نے اسلامی عقائد اور اسلامی احکام کو عقل سے حل کرنا چاہا۔ اس لئے کئی چیزوں کا انکار کیا، مثلاً رویت باری یعنی قیامت میں حق تعالیٰ کے دیدار کا انکار کردیا، کیونکہ اگر اللہ کا دیدار ہوگا تو اللہ کے لئے جسم ماننا پڑے گا، اللہ کے لئے جگہ ماننی پڑے گی، اللہ کے لئے جہات کو ماننا پڑے گا، وغیرہ وغیرہ، اس لئے اس کا انکار کردیا، اور نتیجۃً گمراہ ہوگئے۔

اختلاف سے متعلق ان باتوں کی وضاحت کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ باتیں اختلاف کے اسباب اور حدود وغیرہ سے متعلق ذکر کی جائیں، ان کو جاننے سے قبل یہ بات بھی ذہن میں مستحضر رہے کہ اختلاف کی مختلف نوعیتیں ہیں، اس اعتبار سے ان کے اسباب بھی مختلف ہیں، ایک اختلاف عقائد کا ہوتا ہے، اس کے اسباب الگ ہیں۔ ایک اختلاف دنیوی جھگڑوں کا ہوتا ہے، اس کے اسباب الگ ہیں، ایک اختلاف علماء کے مابین فروعات اور مسائل کا ہوتا ہے، اس کے اسباب الگ ہیں۔

بنیادی طور پر اختلاف کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) دینی۔ (۲) دنیوی۔

اعتقادی اختلاف کی تین صورتیں:

دینی اختلاف کی دو صورتیں ہیں، عقائد کا اختلاف۔ یا فروعی اختلاف، عقائد کے اختلاف کی تین صورتیں ہیں، کیونکہ عقائد میں ایک اختلاف وہ ہوتا ہے جس میں فریق مخالف کو کافر قرار دیا جاتا ہے، جیسے قادیانی وغیرہ۔ دوسرے وہ اختلاف ہوتا ہے جس میں فریق مخالف کو کافر قرار نہیں دیا جاتا، بلکہ گمراہ قرار دیا جاتا ہے، جیسے معتزلہ روافض اور موجودہ فرقے وغیرہ۔ اور پھر اس میں تیسرا اختلاف اہل حق اور علمائے اہل سنت کے مابین ہوتا ہے، ان میں فریق مخالف کو حق پر ہی سمجھا جاتا ہے۔

دینی اختلاف کی دوسری صورت مسائل اور فروعات اور فقہی اختلاف کی ہے، ان کے اسباب

الگ ہیں، جن کی بڑی تفصیلات ہیں۔

تیسرا اختلاف دنیوی ہوتا ہے جو فتنہ ،فساد ، نفرت ،عداوت، دشمنی اور لڑائی جھگڑوں کی صورت میں ہوتا ہے۔

عقائد کا اختلاف اور اس کے اسباب:

جو اختلاف عقائد میں ہوتا ہے علماء نے اس کے بنیادی طور پر تین اسباب بتائے ہیں۔ (۱)ناقص علم۔(۲)اتباعِ خواہشِ نفس۔(۳)اتباعِ رسوم وعادات۔

اعتقادی اختلاف کا پہلا سبب:

پہلا سبب ناقص علم ہے، پوری بات کا علم نہ رکھنے اور سطحی علم رکھنے سے بھی اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کو پوری بات کا علم نہیں ہے، جس کا علم ادھورا اور ناقص ہے اس سے اختلاف نہیں تو اور کیا پیدا ہو گا؟

اعتقادی اختلاف کا دوسرا سبب:

دوسرا سبب خواہشات کی اتباع اور عقل پرستی ہے۔ جب آدمی خواہشِ نفس کی اتباع کرتا ہے، عقل پرستی میں مبتلا ہوتا ہے تو بھی اختلاف پیدا ہوتا ہے،اور وہ حق کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اور عقل کو قرآن وحدیث پر فوقیت دیتا ہے۔ جیسے معتزلہ نے عقل کو بنیاد بنایا تو اس کی وجہ سے بھی اختلافات رونما ہوئے اس کی کچھ تفصیل اوپر ذکر کی گئی۔

اعتقادی اختلاف کا تیسرا سبب:

تیسرا سبب رسوم اور عادات کی اتباع ، عناد ،ہٹ دھرمی اور ضد ہے،اس سے بھی عقائد اور مسائل میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ کسی قوم میں غلط رسوم اور عادات چل پڑی ہوں اور آدمی اس میں مبتلا ہو تو ان کی اتباع سے اختلاف پیدا ہوتا ہے، کفارِ مکہ بارہا یہی بات کہتے تھے کہ ہم اپنے آباء واجداد کے طرز کو اور ان کے نہج کو نہیں چھوڑ سکتے، تکبر اور عناد کی وجہ سے

اسی پر قائم تھے، اور اس کو چھوڑنے میں عار اور اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے تھے، یہ تین بنیادی باتیں ہیں جو مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہیں۔

دنیوی اختلافات اور اس کے اسباب:

جو اختلاف قطعِ تعلق، ناراضگی، گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا، خون ریزی اور فساد کی صورت میں ہوتا ہے، اور جس پر فرشتوں کی جانب سے اعتراض ہوا تھا، یہ مذموم بلکہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ احادیث مبارکہ اس سے متعلق بھری پڑی ہیں۔

دنیوی اختلاف کا پہلا سبب:

اس کے اسباب میں سے ایک سبب بد ظنی اور غلط فہمی ہے، آج کل نااتفاقی اور باہمی اختلافات کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب بدگمانی ہے، محض معمولی قرائن اور اندازوں یا جھوٹی خبروں کی بنا پر دوسروں سے بدگمانی کر بیٹھتے ہیں، اس کی وجہ سے نفرت اور عداوت پیدا ہونے لگتی ہے۔ یہ حرام ہے، اس سے بچنے کا حکم ہے، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ" (صحیح بخاری: کتاب الادب: ۵۱۷۱)

کسی کے بارے میں بُرا گمان قائم کرنے سے بچو، اس لیے کہ یہ جھوٹ کی بہت بڑی قسم ہے۔ صرف جھوٹ بولنا ہی جھوٹ نہیں ہے بلکہ جھوٹی بات کو دماغ میں لانا یہ بھی جھوٹ کی ایک قسم ہے۔ بغیر دلیل کے بدگمانی بغیر جھوٹ ہی ہے، اس پر گناہ ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ" (الحجرات: ۱۲)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس یعنی سراغ مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔

بدگمانی میں سوءِ خاتمہ کا خطرہ ہوتا ہے:

جب کسی کے بارے میں بد ظنی پھیل جاتی ہے تو پھر آج کے نوجوانوں کی زبانیں اس کے بارے میں اتنی دراز ہو جاتی ہیں کہ اس وقت نہ بڑوں کا ادب و احترام ملحوظ ہوتا ہے، نہ ان کی

عمر کا لحاظ ہوتا ہے، نہ ان کے تقویٰ اور طہارت کا لحاظ کیا جاتا ہے، اور نہ دین اور شریعت کا پاس و لحاظ کیا جاتا ہے، بس ان کے دین اور ایمان پر حملے اور ان کی عزت کو مجروح کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں، ان کے ساتھ بد تمیزی اور بد اخلاق ہوتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نیک لوگوں سے بد گمانی کرنے میں سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے، اس لئے کسی کے بارے میں زبان کھولنے سے احتیاط کرنی چاہیے، ہمارے اکابر کا معمول یہ تھا کہ اولا ایسی چیزوں کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے تھے، دوسرے یہ کہ اگر ایسی بات سننے میں آئے تو اس کی توجیہ اور تاویل کرتے تھے، اس سے متعلق بد گمان نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ کل قیامت میں اچھے گمان پر پکڑ نہیں ہے، بلکہ بُرے گمان پر پکڑ ہے۔

اہلِ حق کو برا بھلا کہنے کا دنیوی وبال:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو لوگ اہلِ حق کو برا بھلا کہتے اور ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ان کے چہروں پر علم کا نور نہیں پایا جاتا، بلکہ کفا کے چہرے بھی اتنے برے نہیں ہوتے جتنے ایسے لوگوں کے ہوتے ہیں، وجہ اس کی حضرت نے بطور لطیفہ یہ لکھی ہے کہ کفر فعلِ باطن ہے اس کا اثر چھپا ہوا رہتا ہے، اور کسی کو برا بھلا کہنا فعل ظاہر ہے اس لئے اس کا اثر بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ (حسن العزیز: ۳۹۸/۴)

زبان درازی کا ایک اور نقصان:

اور ایک بات کا یہ مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ جو اپنے بڑوں کے ساتھ بد تمیزی کرتا ہے اس کے چھوٹے اس کے ساتھ بد تمیزی کرتے ہیں، جو بڑوں کے خلاف زبان کھولتا ہے، اس کے چھوٹے اس کے خلاف زبان کھولتے ہیں، اس لئے دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک دراصل اپنے ساتھ اس سلوک کو دعوت دینا ہے۔

حسن ظن کے لئے نہیں بلکہ سوءِ ظن کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے

اس لئے اگر کوئی بات کسی سے متعلق سننے میں آئے تو اولا اس کی جانب توجہ ہی نہیں دینی چاہیئے، دوسرے یہ کہ اگر وہ قابل توجہ ہو تو اس بارے میں حسن ظن اور حسن تاویل کا سہارا

لینا چاہیے، علماء نے لکھا ہے کہ حسن ظن کے لئے تو دلیل کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ سوء ظن کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس کی دلیل قرآن مجید میں ہے: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی تھی تو حق تعالیٰ شانہ نے اس کے متعلق فرمایا: " لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ " (النور: ۱۳)

یہ لوگ اپنے قول پر چار گواہ کیوں نہ لائے، سو جس صورت میں قاعدہ کے موافق گواہ نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔ اور آگے فرمایا: " لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ " (النور: ۱۶)

اور تم نے جب اس بات کو پہلے سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے۔

بری خبر معلوم ہو تو اس کی تاویل کی جائے:

اس سے صاف معلوم ہوا کہ جب کسی کے بارے میں کوئی خبر سننے میں آئے تو ایک تو اس کے لئے دلیل اور ثبوت ہونا چاہیے، دوسرے یہ کہ اس کے بارے میں بد ظن نہیں ہونا چاہیے، بلکہ حسنِ ظن رکھنا چاہیے، اور جہاں تک ہوسکے تاویل کرنی چاہیے، ہاں اگر واقعۃً جس سے متعلق غلط خبر دی گئی ہے اس میں وہ بات پائی جاتی ہے اور اس کی دلیل بھی موجود ہو تو الگ بات ہے۔

تاویل کا معیار:

اب سوال یہ ہے کہ اگر تاویل کی جائے تو پھر کوئی بھی آدمی برا نہیں ہو گا، تاویل کا دروازہ تو بڑا ہے، اور بہت سی غلطیاں اور گناہ کی باتیں دیکھنے میں آتی رہتی ہیں، اس وقت کیا کیا جائے ؟ کب تاویل کی جائے اور کب نہیں؟ کیا اس کا کوئی معیار ہے یا نہیں؟ اس کا جواب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ تاویل اور توجیہ کا بھی ایک معیار ہے، تاویل وہاں کی جاتی ہے جہاں آدمی کی غالب حالت نیک ہوتی ہے، وہ دین کا فرمانبردار ہوتا ہے، عقائد اس کے صحیح ہوتے ہیں، ایسے شخص سے اگر کوئی غلطی ہو جائے وہاں تاویل واجب ہے، اور جہاں فسق و فجور

کا غلبہ ہوتا ہے وہاں تاویل نہیں کی جائے گی، بلکہ اس پر تنبیہ کی جائے گی۔ لیکن بہر صورت کسی کی کوئی برائی معلوم بھی ہو جائے تو زبان کی احتیاط اس کے لئے بھی ضروری ہے، اگر اس کو پھیلانا شروع کر دیں تو وہ غیبت ہے جو حرام ہے۔

رائے کے قیام سے پہلے تحقیق بھی ضروری ہے:

تیسری بات یہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جب کسی کے بارے میں کوئی خبر سننے میں آئے تو اس سے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اس کی تحقیق بھی کرنا چاہیے، اور یہ بھی قرآن پاک کا حکم ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا اَنۡ تُصِیۡبُوۡا قَوۡمًۢا بِجَہَالَۃٍ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِیۡنَ" (الحجرات:٦)

اس آیت کا شان نزول یہ تھا کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ولید بن عقبہ کو بنی مصطلق سے زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا، اور ان میں اور اس قبیلہ میں پہلے ہی سے کچھ دشمنی تھی، ولید جب جانے لگے تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں، اس لئے ان سے ملاقات کئے بغیر راستے سے واپس ہو گئے، اور جاکر اپنے خیال کے مطابق آپ ﷺ کے سامنے کہا کہ وہ اسلام کے مخالف ہو گئے ہیں، اور زکوۃ دینے سے انکار کر رہے ہیں، آپ نے حضرت خالد بن ولید کو تحقیق کیلئے بھیجا اور فرمایا کہ خوب تحقیق کرنا اور جلدی مت کرنا، چنانچہ جب انہوں نے وہاں جاکر دیکھا تو وہاں امن و امان اور اطمینان کی حالت تھی، اور وہ لوگ زکوۃ دینے کے لئے تیار تھے، وہ واپس آکر اللہ کے نبی کو بتلایا کہ معاملہ ایسا ہے، اس موقع پر یہ حکم نازل ہوا کہ اے ایمان والو اگر کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ورنہ ہو سکتا ہے کہ ناواقفیت کی وجہ سے تم کو شرمندگی اٹھانی پڑے۔

سوشل میڈیا اور ہمارا افسوسناک طرز عمل:

علماء نے لکھا ہے کہ یہاں ولید پر فسق کا حکم نہیں ہے لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے عمل کرنے میں جلدی نہیں کی بلکہ اس کی تحقیق فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ سنی سنائی

بات پر خاص طور پر جب وہ کسی کے خلاف ہو تو بغیر تحقیق کے اس پر عمل نہیں کرنا چاہئے۔ ہمارے ہاں خبر رساں جھوٹے ہیں، اور خبر رسانی کے ذرائع اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، اس کے باوجود ہمارا طرز عمل یہ ہے کہ ہم سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرکے ایک دوسرے کی غیبت، ایک دوسرے پر الزام تراشی، ایک دوسرے کی ہتک عزت جیسے گھناؤنے اور حرام کاموں میں مبتلا ہیں، اور بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ عوام کے ساتھ ساتھ پڑھے لکھے علماء بھی ان حرام کاموں میں ان کی وعیدوں کو جانتے ہوئے مبتلا ہیں۔

سوشل میڈیا کا غلط استعمال اور اس کا نتیجہ:

پھر اس سے افسوس کی بات یہ ہے کہ نام نہاد علماء اس پر حاشیہ لگانے کا بھی کام کرتے ہیں، ان جھوٹی افواہوں کو نمک مرچ لگاکر آگے پھیلاتے ہیں، جس سے دشمنی، نفرت اور عداوت کا ماحول عام ہوتا ہے، بلکہ بعض لوگ اس جھوٹ کے ساتھ مذید اور جھوٹ بھی ملا دیتے ہیں، اس طرح ایک نہیں کئی گناہوں کے وہ مرتکب ہوتے ہیں، ایک تو جھوٹ کا، ایک بدگمانی کا، ایک الزام کا، ایک غیبت کا، ایک اس کو پھیلانے کا، آج کل سوشل میڈیا کے ذریعہ ہر صحیح غلط بات کی تشہیر چاہے بہت آسان ہوگئی ہے، ایک منٹ میں ایک خبر ساری دنیا میں بہ آسانی پہنچائی جاسکتی ہے، اور پہنچائی جارہی ہے، باطل جس طرح ہمارا غلط استعمال کررہا ہے اور ہم میں جو تفرقہ کی کوشش کرہا ہے اور ہمارے آپسی اتحاد و اتفاق کو ختم کرنے کی جن کوششوں میں لگا ہوا ہے ہم کو اس کا اندازہ نہیں ہے، ہمارے عوام و خواص سب اس میں مبتلا ہیں، اور یاد رکھیں کہ آپ کی جانب سے بھیجا جانے والا ایک پیغام اگر غلط ہو تو جتنے لوگوں میں جس کسی کے توسط سے پھیلتا جائے گا اتنا ہی اس کے لئے عذاب کا سبب بنتا جائے گا، اگر ایک خبر یا ایک میسیج ہزاروں اور لاکھوں لوگوں میں پہنچ گیا تو لاکھوں جھوٹ، لاکھوں غیبتیں، لاکھوں الزام اور لاکھوں بدگمانیوں اور لاکھوں لوگوں میں کسی کی عزت کو مجروح کرنے کی جو ناپاک اور لاحاصل کوششیں کی جاتی ہیں بیٹھے بٹھائے ایک ہی آدمی کے نامۂ اعمال میں ان سب کا عذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ یہ بڑے خطرے کی چیز ہے، سوشیل میڈیا کا استعمال اچھا بھی ہوسکتا ہے اور

برا بھی، اور ہم عام طور پر اس کا استعمال برا کر رہے ہیں، اور آج کے زمانے میں سوشیل میڈیا ایک فتنہ بن گیا ہے، اور ہم غیروں کا کھلونہ بن کر رہ گئے ہیں اور غیروں کی کوششیں اور ان کے مقاصد ہمارے ہاتھوں پورے ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں، اس میں ہمارے دینی اور دنیوی دونوں نقصانات ہیں، اس سے احتیاط کی بہت ضرورت ہے، اوپر کئی وعیدیں اس تعلق سے بیان کی گئیں ہیں دوبارہ اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔

حالات کی تحقیق کا حق کس کو ہے؟

ایک بات اس موقع پر یہ بھی یاد رکھیں کہ جہاں تک کسی کی بات کی تحقیق کرنے کا مسئلہ ہے تو وہ ہر ایک کو نہیں ہے کہ جو چاہے تحقیق کرنے بیٹھ جائے، بلکہ جس کے ذمہ حق تعالیٰ نے مخلوق کی اصلاح کا کام کیا ہو ایسے شخص کو حالات کی تحقیق کرنی چاہیے۔

تحقیق میں تصحیحِ نیت بھی ضروری ہے:

چونکہ حالات کو جانے بغیر اصلاح ممکن نہیں ہے۔ اس لئے یہ حکم ہے، اور یاد رکھیں کہ تحقیق بھی اصلاح کی نیت سے ہونی چاہیے، کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کی نیت سے نہ ہو، حسد اور تکبر کی بنیاد پر نہ ہو، فتنہ اور فساد برپا کرنے کی نیت سے نہ ہو، کیونکہ اگر فتنہ کی نیت ہو، یا کسی کو دنیوی یا دینی نقصان پہنچانا مقصود ہو تو وہ تحقیق نہیں ہے، بلکہ تجسس ہے، جس سے قرآنِ مجید میں سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ (دعوات عبدیت: ۹۲/۲)

بدگمانی اور شکایت کی صورت میں اصلاح کا طریقہ:

جب تحقیق ہو جائے تو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ اصلاح کی نیت سے سارے عالم میں آپ اس کو پھیلاتے پھریں، یہ اصلاح کا طریقہ نہیں ہے، اصلاح کا بھی اللہ کے نبی نے ایک طریقہ بتایا ہے، جیسے اگر آپ کا کوئی بیٹا نافرمان ہو اور برے افعال میں مبتلا ہو تو کیا اس کے عیب آپ لوگوں میں کہتے پھریں گے، بلکہ اس طرح کرنے سے آپ کا دل دکھے گا، اور آپ یہ چاہیں

گے کہ یہ عیب کسی پر ظاہر نہ ہوں، اس کو مناسب طریقہ سے تنہائی میں آپ سمجھائیں گے کہ یہ حرکتیں چھوڑ دو، یہ اصلاح اور خیر خواہی ہوتی ہے، ایسے ہی اگر آپ کو کسی شخص کی اصلاح کرنی ہے جس کی غیبت میں آپ مبتلا ہیں تو دوسروں کے سامنے اس کے عیب ظاہر کرنے سے کیا فائدہ؟ اس کو تنہائی میں سمجھائیں اور ایسے سمجھائیں جیسے اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں، اگر آپ دس جگہ مجمعوں میں اس کو بیان کرتے پھریں گے تو وہ اثر نہ ہو گا جتنا براہِ راست اس سے مل کر اس کو بتانے اور سمجھانے سے ہو گا۔ اور اگر آپ میں ہمت نہیں ہے تو خاموش ہو جائیں، کس نے آپ کو اس کی اصلاح کے لئے کہا ہے، اپنے بڑوں پر اس کو چھوڑ دیں، لیکن اگر آپ کو مجمعوں ہی میں لوگوں کے سامنے ہی بیان کرنے میں لطف آتا ہے، اور کچھ واہ واہ ہو جاتی ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شیطانی دھوکہ ہے۔ (دعوات عبدیت: ۷۱/ ۶۴)

اصاغر اکابر کے مصلح بن گئے:

آج کل یہ مرض بہت عام ہو گیا ہے، اصاغر اکابر کی اصلاح کے لئے بیٹھے ہیں، اپنی فکر چھوڑ کر اپنے دین اور ایمان کی پرواہ کئے بغیر اکابر کی عیب جوئی میں لگے ہیں، اس کو اچھالنے میں لگے ہیں، ان کی اصلاح کی فکر میں ہیں، اس میں بھی ایک شیطانی دھوکہ ہے۔

یہ اصلاح نہیں عیب جوئی ہے:

اولا اصلاح کا حق ہر ایک کو نہیں ہے، اپنی اصلاح کی تو فکر نہیں ہوتی دوسروں کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں، یہ اصلاح نہیں بلکہ عیب جوئی ہوتی ہے، بعض لوگ غیبت اور عیب جوئی وغیرہ سے احتراز کرنا چاہتے ہیں، شیطان ان کو اصلاح کے عنوان سے غیبت اور عیب جوئی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اب اس کے بعد عیب جوئی اور غیبت ان کا مشغلہ بن جاتا ہے، اور دل میں یہ اطمینان ہوتا ہے کہ ہم عیب جوئی نہیں بلکہ اس کی اصلاح کے درپے ہیں، جہاں کہیں بیٹھتے ہیں ان عیبوں کو ذکر کرتے ہیں اور غیبت کرنے لگتے ہیں، اور اخیر میں دل کو تسلی دینے کیلئے اور اپنی برأت قائم رکھنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ بھائی خدا اس کے حال پر رحم کرے یہ

عیب اس میں ہیں ان کو دیکھ کر بڑا دل دکھتا ہے، سبحان اللہ! یہ اچھی خیر خواہی ہے کہ سر سے پیر تک تو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھالیتے ہیں، مجمعوں میں اس کو ذلیل کرتے ہیں اور اخیر میں دلی تکلیف کا عذر پیش کر کے اس سے برأت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔(دعوات عبدیت:۲/۹۸)

اس مرض میں وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو فارغ ہوتے ہیں، جن کو اپنی اصلاح کی کوئی فکر نہیں ہوتی، خوفِ خدا سے ان کے دل عاری ہوتے ہیں، اللہ کے ذکر سے غافل ہوتے ہیں، اپنے بڑوں سے ان کا اصلاحی تعلق قائم نہیں ہوتا، یا ہوتا ہے تو محض رسمی ہوتا ہے، یا پھر محض مفاد پرستی کی بنیاد پر ہوتا ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ فارغ اوقات میں اللہ کو یاد کریں، اپنا وقت ضائع نہ کریں، لیکن آج کل فون اور انٹرنیٹ کی سہولت، اور سوشل میڈیا کا غلط استعمال اتنا بڑھ چکا ہے کہ مشغول اوقات میں بھی کسی نہ کسی طرح عوام کی طرح علماء کا بھی یہ مشغلہ بن چکا ہے۔ غرض کبھی اختلاف اور نااتفاقی بدگمانی سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے یہ اثرات ظاہر ہوتے ہیں، اور اس کے بارے میں ہمارے لئے شرعی ہدایات یہ ہیں۔ اللہ پاک صحیح فہم اور نیک عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔

دنیوی اختلاف کا دوسرا اور تیسرا سبب:

کبھی اختلاف پیدا ہوتا ہے عناد، ہٹ دھرمی، حسد اور کینہ کی وجہ سے، آج ہمارا سارا معاشرہ اس میں مبتلا ہے، کسی کو مال کی بنیاد پر حسد ہوتا ہے، کسی کو علم کی بنیاد پر حسد ہوتا ہے، کسی کو کسی کی صلاحیت کی بنیاد پر حسد ہوتا ہے، کسی کو کسی کی ترقی نہیں دیکھی جاتی۔

یہ یہود و نصاریٰ کی بیماری ہے۔

یہود و نصاریٰ کی دو بیماریاں:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”دَبَّ إِلَيكُم دَاءُ الأُمَمِ قَبلَكُم “تم سے پہلے جو اُمتیں گزری ہیں اُن کی بیماریاں تمہارے اندر بھی آہستہ آہستہ گھس جائیں گی۔ ”اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ“ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُولُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ

تَحْلِقُ الدِّيْنَ وَالَّذِىْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا أَفَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِمَا يُثْبِتُ ذَاكُمْ لَكُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ"(سنن ترمذی: کتاب صفة القيامة، ۲۵۱۰)

ایک حسد اور دوسرے بغض، کیونکہ یہ مونڈھنے والی چیز ہے، میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ بالوں کو مونڈھنے والی ہے بلکہ یہ دین کو مونڈھ دیتی ہیں، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہوگے یہاں تک کہ تم مومن ہو جاؤ، اور تم مومن نہیں ہوگے یہاں تک کہ تم آپس میں محبت کرنے لگو، کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ محبت کیسے پیدا ہوتی ہے، آپس میں سلام کو خوب پھیلاؤ۔

"وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا "(صحیح بخاری: کتاب الادب: ۵۷۱۷)

آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو یعنی دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمت سے مت جلو، دوسرے کا کاروبار اچھا چل رہا ہو تو اُسے دیکھ کر مت جلو۔ بھلے اپنا کاروبار اچھا نہ چل رہا ہو، اُس کے مقدر کا اُس کو ملے گا اور ہمارے مقدر کا ہمیں ملے گا۔

مارکٹ میں برکت کی وجہ:

دیکھا یہ گیا ہے کہ جب ایک قسم کے کاروبار ایک جگہ پر جمع ہو جاتے ہیں تو کاروبار خود چلنے لگتا ہے۔ ایک اکیلے آدمی کی کپڑوں کی دکان ہے، عام طور پر وہ زیادہ نہیں چلتی ہے۔ لیکن اگر تین چار آدمی یہی کپڑے کی دُکان لگا لیتے ہیں تو پھر خوب چلتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ گاہک سوچتا ہے کہ وہاں پر چار دکانیں ہیں، اگر ایک دکان پر کپڑا انہیں ملا تو دوسری یا تیسری پر مل ہی جائے گا۔اس طرح مارکٹ بنتی ہے۔ اوراس میں ایک ہی قسم کی کئی کئی دکانیں موجود ہوتی ہیں، اور پھر اس کی وجہ سے تاجر مقدار اور معیار دونوں اعتبار سے دوکان کو سنوارتے ہیں، اور پھر کسٹمرس کا رجوع ہوتا ہے، اس طرح دوکان چلنے لگتی ہے، اب دیکھیں اجتماعیت نہیں تھی تو دوکان کی طرف لوگوں کا رجوع بھی نہیں تھا، جب اجتماعیت آگئی تو لوگوں کا رجوع بھی ہو گیا۔ یہ اجتماعیت کی برکت ہوتی ہے، یہ اتحاد اور یک جہتی کی برکت

ہوتی ہے، اس لئے آپس میں ایک دوسرے سے حسد، ایک دوسرے سے جلن، ایک دوسرے سے بغض اور ایک دوسرے کی ٹانگ پکڑ کر کھینچنے کا مزاج نہیں ہونا چاہیے۔ چاہے دینی معاملہ ہو یا دنیوی معاملہ ہو، اسی میں ہمارے دین اور دنیا دونوں کا فائدہ ہے۔

حسد اور کینہ میں فرق:

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ حسد اور کینہ دونوں الگ الگ ہیں، عرف میں مترادف کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں، لیکن ان میں کچھ فرق ہے، حسد کسی خوبی پر کسی سے جلنا، اور اس سے اس نعمت اور خوبی کے زائل ہونے کی تمنا کرنا۔ اور کینہ کہتے ہیں کہ کسی کو کسی جانب سے کوئی تکلیف یا دکھ اور رنج پہنچا ہو تو اس کی وجہ سے دل میں انقباض رکھنا اور اس سے انتقام اور بدلہ کی فکر میں لگے رہنا، گویا حسد اختیاری ہوتا ہے اور کینہ غیر اختیاری ہوتا ہے، لیکن دونوں کسی سے دشمنی نفرت اور عداوت کے لئے انتہائی خطرناک ہیں۔ (نضرة النعيم فی مكارم الاخلاق) اور ان سب کی جڑ تکبر اور حب جاہ ہوتی ہے، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اور دوسروں کو چھوٹا، کمتر اور حقیر سمجھنا، اور اپنی صلاحیت پر ناز کرنا۔ اس کی وجہ سے حسد ہوتا ہے، اس کی وجہ سے کینہ ہوتا ہے، اس کی وجہ سے انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس کی وجہ سے لوگوں پر انگلی اٹھانا آسان ہوتا ہے، لوگوں کی عزتوں کے ساتھ کھیلنا آسان ہوتا ہے۔ ان پر کیچڑ اچھالنا آسان ہوتا ہے۔

دنیوی اختلاف کا چوتھا سبب:

باہمی عداوت کا ایک بڑا سبب غیبت اور چغل خوری ہے، حدیث میں اللہ کے نبی نے فرمایا:

”أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِشِرَارِكُمْ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ: اَلْمَشَّاءُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ اَلْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ“

کیا میں تم کو تمہارے بدترین لوگ نہ بتاؤں؟ صحابہ کہنے لگے کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا سب سے بدترین وہ لوگ ہیں جو چغل خوری کرتے ہیں اور دوستوں اور محبت کرنے والوں کے درمیان تفریق پیدا کرتے ہیں۔ پتہ چلا کہ چغل خوری آپس میں لڑانے والی اور

نفرت پیدا کرنے والی ہے، ایسے ہی غیبت کا مسئلہ ہے، اس کے بارے میں سخت وعیدیں قرآن وحدیث میں بیان کی گئیں ہیں، ''اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا'' غیبت زنا سے بڑھ کر ہے، غیبت قتل سے بڑھ کر ہے، غیبت مردار بھائی کے گوشت کھانے کے برابر ہے، وغیرہ وغیرہ، یہ دونوں چیزیں نفرت اور عداوت پیدا کرنے کا بہت بڑا سبب ہے، اور آج معاشرہ میں یہی ہو رہا ہے، بدگمانی اور غیبت جتنی بری اور قابلِ مذمت ہیں لوگ اتنا ہی زیادہ اس میں مبتلا ہیں۔ اس سے کیا برے اثرات قائم ہوتے ہیں ہمیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دنیوی اختلاف کا پانچواں سبب:

نااتفاقی کا بڑا سبب زبان کا بے لگام ہونا ہے، آج کل بڑے زور وشور سے اتحاد کے نعرے بلند کئے جاتے ہیں، اس کے لئے تقریریں کی جاتی ہیں، جلسے کئے جاتے ہیں لیکن اس کا جو اصل سبب ہے یعنی زبان اس کی کسی کو فکر نہیں ہوتی، جس کو جو چاہتے ہیں کہہ دیتے ہیں، اور زبان کا معاملہ یہ ہے کہ یہ کبھی تھکتی نہیں، دوسرے اعضاء مثلاً سر، آنکھ، کان، ہاتھ اور پیر جب ان سے ضرورت سے زیادہ کام لیا جاتا ہے تو تھک جاتے ہیں لیکن زبان کسی وقت تھکنے کا نام نہیں لیتی۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تمام اعضاء ہاتھ جوڑ کر زبان سے کہتے ہیں کہ: ''اِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَاِن اعْوَ جَجْتَ اِعْوَ جَجْنَا'' اگر تو درست رہے گی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو بگڑ جائے گی تو ہم سب بگڑ جائیں گے۔ (دعوات عبدیت ۱۲/۹۷)

زبان کا جو حکم ہے قلم کا وہی حکم ہے:

آج کل چونکہ اصاغر اکابر بن چکے ہیں اس لئے زبانوں کا تو کیا کہنا! عیب گوئی اور عیب جوئی ہی میں مبتلا رہتی ہیں، اور آج صرف زبانوں تک یہ محدود نہیں ہے، بلکہ قلم اور تحریروں کے ذریعہ بھی لوگ ان حرام کاموں میں مبتلا ہیں، جو حکم زبان کا ہے وہی قلم کا ہے، جس طرح زبان سے جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، الزام لگانا، جائز نہیں اسی طرح قلم سے جھوٹ لکھنا، غیبت لکھنا اور الزام لکھنا جائز نہیں۔

دنیوی اختلافات کا چھٹا سبب:

آپسی اختلافات کا ایک سبب حق تلفی ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے یا ایک دوسرے کے حقوق زبردستی چھیننے کی وجہ سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے لئے مقدمے لڑے جاتے ہیں، عدالتوں سے رجوع کیا جاتا ہے، دونوں فریقوں کے اس میں پیسے خرچ ہوتے ہیں، وقت ضائع ہوتا ہے، دونوں ذہنی انتشار کا شکار ہوتے ہیں، شرعی مسئلہ تو یہ ہے کہ جس کو خود کا غلطی پر ہونا معلوم ہو جائے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں صاحبِ حق کو حق دیدے، چاہے مقدمہ دائر ہو یا نہ ہو۔

ناحق کے لئے جھگڑا چھوڑنے پر بھی اجر:

ویسے کسی معاملے میں ہاتھ ڈالنے کے بعد پیچھے ہٹ جانا آسان نہیں ہوتا۔ چاہے وہ مکان کا معاملہ ہو، یا زمین کا مسئلہ ہو، یا پیسوں کی بات ہو، اس لئے اس کے چھوڑنے پر بھی اس کے لئے فضیلت ہے، بلکہ احادیث میں ایسے آدمی کے لئے جنت کے محل کی بشارت ہے، حضور پاک ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَرَکَ الْکَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِیَ لَهُ فِی رَبَضِ الْجَنَّةِ۔ (سنن ترمذی: کتاب البر والصلة: ۱۹۱۳)

جو آدمی جھوٹے دعوے کو چھوڑ دے اور اُس کو اپنے غلطی پر ہونے کا علم ہو جائے تو اس کو جنت کے ایک کنارے پر محل بنایا جائے گا۔

حق دار کے لئے حق چھوڑنے کی فضیلت:

اور جو حق دار ہوتے ہوئے بھی اپنے حق کو چھوڑ دے گا تو اس کے لئے اور بڑی بشارت ہے۔

"وَمَنْ تَرَکَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِیَ لَهُ فِی وَسَطِهَا وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِیَ لَهُ فِی أَعْلَاهَا" (سنن ترمذی: کتاب البر والصلة: ۱۹۱۳)

اور جو آدمی حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا ختم کر دے اور یہ سوچے کہ اس لڑائی جھگڑے سے کیا فائدہ؟ اس میں جان بھی جاتی ہے، مال بھی جاتا ہے، صلاحیتیں جاتی ہیں، وقت بھی

جاتا ہے اور ذہن بھی منتشر رہتا ہے اس لئے میں اپنا حق چھوڑتا ہوں تو اس کے لئے جنت کے درمیان محل بنادیا جاتا ہے۔ اور جس کے اخلاق اچھے ہوں اور وہ خوش خلقی کے ساتھ لوگوں سے پیش آئے تو جنت کے اعلیٰ مقامات میں اس کا محل بنادیا جاتا ہے۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ جو ناحق جھگڑا کرے تو حق والے کو اس کے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ ہی پیش آنا چاہئیے، اور جہاں تک ہوسکے اس جھگڑے کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے، اگرچہ وہ دنیا میں اپنا حق چھوڑ رہا ہے لیکن آخرت میں اللہ پاک اس کا اجر ضرور دیں گے۔

اس مسئلہ میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ لوگوں کے معاملات میں جو اختلافات ہوتے ہیں، جب تک ہر آدمی اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے، اُس وقت تک وہ معذور ہوتا ہے۔ زمین کا مقدمہ ہے، مکان کا مقدمہ ہے، وراثت کا مقدمہ ہے۔ ہر ایک سمجھ رہا ہے کہ یہ میرا حق ہے، مجھے ملنا چاہیے۔ دوسرا سمجھ رہا ہے کہ یہ میرا حق ہے، مجھے ملنا چاہیے۔ جب تک یہ بات محقق نہیں ہوگی کہ کون غلطی پر ہے اور ہر ایک اپنے کو حق پر سمجھ رہا ہے تو وہ معذور ہے آپ اُس کو زیادہ ملامت نہیں کرسکتے۔ اُس کو بھی حق ہے کہ وہ مقدمہ دائر کرے اور اِس کو بھی حق ہے کہ یہ بھی مقدمہ دائر کرے۔ لیکن اگر کسی کو معلوم ہے کہ میں غلطی پر ہوں اور پھر بھی آدمی اپنی عزت اور اپنی ''انا'' کی خاطر دوسرے سے اختلاف رکھے تو یہ ناجائز ہے۔

اختلاف میں احقاقِ حق اور اظہارِ ظلم دونوں ضروری ہیں:

اس طرح کے فیصلوں میں ایک اہم چیز یہ ضروری ہوتی ہے کہ احقاقِ حق کیا جائے۔ یعنی جو حق والا ہے اُس کی موافقت اور جو حق پر نہیں ہے اُس کی عدم موافقت۔ حق کو بھی واضح کیا جائے، اور ظلم کو بھی واضح کیا جائے، ہاں جب تک دونوں میں سے کسی کا حق پر ہونا ثابت نہ ہو جائے اس میں مداخلت نہیں کرنی چاہئیے، جب کسی ایک کا حق پر ہونا ثابت ہو جائے تو تیسرے آدمی کی ذمہ داری یہ ہے کہ اگر اس کے پاس اختیارات ہیں جیسے قاضی یا امیر یا کسی کی طرف سے یہ مقرر ہے تو پھر اُن کے درمیان اپنی قوت کے ذریعے فیصلہ کرے۔ حق والے کو حق دلادے اور جو ظالم ہے اُسے توبہ کروادے۔ اور ان دونوں کے درمیان صفائی

کروادے۔ اگر وہ صاحب اختیار نہیں ہے تو پھر ایسی صورت میں اُس کو زبان سے حق بات اپنانے اور غلط بات کو چھوڑنے کی وعظ و نصیحت کرتا رہے۔ اگر حاکم بھی نہیں ہے اور زبان سے بولنے میں بھی فتنے کا اندیشہ ہے تو اس کو دل سے برا سمجھنا چاہیئے، اور اُس کے لیے دُعا کرنی چاہیئے۔ عام طور پر لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ جب دو آدمیوں کے درمیان لڑائی ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ لڑنا بہت بُری بات ہے، آپس میں مت لڑو اور دونوں کا مصافحہ کرواکر گلے ملواکر چھٹی کروادی جاتی ہے، اس طرح کرنے سے اُن کے دل کی لڑائی کبھی ختم نہیں ہوتی، اس لیے کہ جو لڑائی کی بنیاد ہے، آپ نے اُسے واضح نہیں کیا، شریعت میں مسئلہ یہ ہے کہ مظلوم کو اُس کا حق دلواؤ اور ظالم کو بتادو کہ تم اس معاملے میں غلطی پر ہو۔

نام نہاد غیر شرعی پنچایتوں سے بچیں:

اس معاملے میں بڑی غلطیاں ہوتی ہیں۔ مساجد میں جھگڑے ہو جاتے ہیں، اداروں میں جھگڑے ہو جاتے ہیں، عوام میں جھگڑے ہو جاتے ہیں، کاروباریوں میں جھگڑے ہو جاتے ہیں، لین دین میں جھگڑے ہو جاتے ہیں، اس کے بعد پنچایت بٹھادی جاتی ہے، لیکن وہاں بیٹھنے والوں کو شریعت کے اصولوں ہی کا پتہ نہیں ہوتا۔

گربہ میر و سگ وزیر و موش رادیوان کنند
ای چنیں ارکانِ دولت ملک راویراں کنند

بلی کو اَمیر بنادیا، کتّے کو وزیر بنادیا اور چوہوں کو اُن کی کابینہ بنادیا۔ اگر ایسے ارکانِ دولت جمع ہو جائیں گے تو وہ ملک کو ویران کر دیں گے۔

یہاں امریکا میں بھی ایسی پنچائیتیں بہت ہیں۔ چار پانچ آدمیوں کو بڑا بنادیا جاتا ہے، حالانکہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے اور شریعت کی روشنی میں اس معاملے کو کس طرح حل کرنا چاہیے؟

بعض جگہوں سے میرے پاس ایسے فیصلے آئے کہ میاں بیوی میں جھگڑا ہوا، انڈیا سے ایک عورت یہاں آئی، اُس نے شادی کی خاطر پڑھنا لکھنا چھوڑ دیا۔ شادی کے بعد شوہر سے کسی

بات پر لڑائی ہوگئی۔ عورت نے کہا کہ میں شوہر کی وجہ سے نہیں پڑھ سکی جس کی وجہ سے میں یہاں نہیں کماسکتی، اب شوہر کے ذمہ ہے کہ وہ مجھے پیسے دیں، نام نہاد شرعی پنچائیت والوں نے فیصلہ کیا کہ طلاق کے بعد اس عورت کو ماہانہ چار سو ڈالر دینا چاہیئے۔ اگر عورت کہے کہ میں تمہاری وجہ سے نہیں پڑھی، اگر میں پڑھتی تو میں ڈاکٹر ہوتی، لہٰذا مجھے ڈاکٹر کی تنخواہ چاہیئے، یا اگر میں تم سے شادی نہیں کرتی تو میں بزنس کرتی اور بزنس میں ماہانہ مجھے اتنا نفع ہوتا لہٰذا اب مجھے ہر ماہ اتنی رقم چاہیئے تو کیا یہ بے وقوفی نہیں ہے؟ مگر کیسے "عقلمند" یہاں پر موجود ہیں، جو اس طرح کے فیصلے دیتے ہیں۔ اس لئے ایک تو شرعی احکام سے واقفیت ضروری ہے، دوسرے یہ کہ اس میں گہرائی اور صحیح اور غلط کی تہہ تک جانا ضروری ہے، اس کے بعد یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ کون حق پر ہے اور کون غلطی پر اس کی وضاحت کی جائے۔

فقہی اختلاف اور اس کے اسباب:

دینی اختلاف کی دوسری صورت فروعی اختلاف کی ہے، اس کے اسباب الگ ہیں، بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ ان میں یہ اختلاف کیوں ہے؟ کیوں سب ایک مسئلہ پر متفق نہیں ہوجاتے؟ سب کے پاس قرآن موجود ہے، احادیث موجود ہیں، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اختلاف میں حق تعالیٰ کی حکمتیں پوشیدہ ہیں اور یہ رحمت ہے، اس لئے مسائل میں اختلاف پر یہ سوال قائم نہیں ہونا چاہیے۔ اور پھر فروعات کا اختلاف نبیوں کے درمیان میں بھی ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی ہوا، ائمہ کے درمیان بھی ہوا اور اُمت کے درمیان بھی ہوگا، مگر یہ کیوں ہوتا ہے؟ اس کی چند وجوہات ہیں جو ذیل میں ذکر کی جارہی ہیں:

فقہی اختلاف کا پہلا سبب:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں لکھا ہے کہ ائمہ کے مابین اختلاف کے متعدد اسباب ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

اختلاف کا پہلا سبب یہ ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ میں نصوص مختلف الدلالۃ ہیں، یعنی ایک لفظ کے کئی معنی نکل سکتے ہیں، کئی مطلب نکل سکتے ہیں، اور سب کو جمع نہیں کیا جاسکتا، اور کسی ایک جانب کو منسوخ قرار دینا بھی مشکل ہوتا ہے تو ایک مجتہد قرآن و حدیث ہی سے نکالے گئے اصول و قواعد کی روشنی میں ایک پر عمل کرتا ہے اور دوسرے مسئلہ کی یا تو توجیہ کرتا ہے یا اس کو ترک کر دیتا ہے۔

فقہی اختلاف کا دوسرا سبب

اختلاف کا دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ کبھی ایک نص یعنی حدیث مبارکہ کسی ایک کو پہنچتی ہے اور دوسرے امام کو دوسری تو دونوں کا عمل الگ الگ ہو جاتا ہے، جس کو جس قسم کی حدیث پہنچتی ہے ان کا عمل اس کے مطابق ہوتا ہے، لیکن دونوں کا مسلک حدیث ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

فقہی اختلاف کا تیسرا سبب:

اختلاف کا تیسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ کبھی ایک مجتہد کو حدیث پہنچتی ہے اور دوسری کو نہیں، تو جس کو حدیث پہنچتی ہے وہ حدیث پر عمل کرلیتا ہے، اور جس کو حدیث نہیں پہنچتی ہے وہ قران وحدیث ہی کی روشنی میں قیاس اور اجتہاد کر کے اس پر عمل کرلیتا ہے۔ مثلاً جو صحابہ رضی اللہ عنہم کوفہ چلے گئے تھے، اُن میں سے بہت سے لوگ مدینہ واپس نہیں آئے، چنانچہ اُن لوگوں نے جو باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی وہ کوفہ والوں کو سنادیں، مدینہ والوں نے وہ نہیں سنی، یا دیگر ممالک والوں نے وہ نہیں سنا، جن لوگوں نے مدینہ میں رہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں سنی تھیں وہ لوگ کبھی کوفہ نہیں گئے تو کوفہ میں رہنے والوں کو یہ باتیں نہیں پہونچیں۔ اس لئے ایک کے پاس حدیث ہے، دوسرے کے پاس نہیں، ایک نے عمل کیا دوسرے نے یا تو قیاس کیا یا اس کے پاس دوسری حدیث پہنچی اس لئے دونوں کا عمل مختلف ہو گیا۔

فقہی اختلاف کا چوتھا سبب:

اختلاف کا چوتھا سبب یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی مسئلہ کے بارے میں متعدد روایتیں ہوتی ہیں، اور

فقہاء اور مجتہدین کو اس کا علم بھی ہوتا ہے، ایک میں اس کو کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اور دوسری میں نہیں، اب اگر مخالف روایت میں تطبیق ممکن ہو اور اس کو جمع کرنا ممکن ہو تو اس کو جمع کرتے ہیں، یا اس کی توجیہ اور تاویل کرتے ہیں، یا قرینہ نسخ کا ہو تو اس کو نسخ پر محمول کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے، ایک صحابی نے اللہ کے نبی سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لے سکتا ہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں لے سکتے۔ دوسرے صحابی آئے اور اُنہوں نے پوچھا کہ کیا روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لے سکتے ہو۔ یہ دونوں روایتیں ہیں۔ اب اگر کوئی صرف روایت کو دیکھے گا تو گڑبڑ ہو جائے گی، وہ پھنس جائے گا، اس وقت اس کو سمجھنے کے لئے بہت ساری چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، دراصل پہلے جن صحابی نے مسئلہ پوچھا تھا وہ جوان تھے، اللہ کے نبی نے ان کو منع کر دیا، تاکہ کہیں خواہش سے مغلوب نہ ہو جائے، کہیں روزہ میں خلل نہ ہو جائے، کہیں روزہ توڑنے کی نوبت نہ آجائے، اور بعد میں جنہوں نے پوچھا وہ بوڑھے تھے۔ اللہ کے نبی نے انہیں اجازت دیدی۔ اور ظاہر ہے کہ بوڑھے میں اس کا اندیشہ بہت کم ہوتا ہے یا بالکل بھی نہیں ہوتا، اس لئے ان کو اجازت دیدی۔ اگرچہ یہاں اللہ کے نبی کے دونوں ارشادات مختلف اور معارض ہیں، لیکن دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے، پہلا فرمان جوان کے لئے تھا اور دوسرا بوڑھے کے لئے اس لئے اب کوئی تعارض نہ رہا۔

کبھی روایات میں اس طرح تطبیق نہیں دی جاسکتی، اس وقت توجیہ اور تاویل کی جاتی ہے، اور روایات کی سندی حیثیت کو دیکھا جاتا ہے، راویوں کے حافظہ، ان کی ثقاہت، ان کی فقاہت وغیرہ کی وجہ سے ایک مسئلہ کی روایات کو لے لیا جاتا ہے اور دوسری روایت کے راویوں کو حافظہ میں کمی، یا غیر ثقہ ہونے یا عادل نہ ہونے یا فاسق ہونے یا احادیث کے گھڑنے کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

یہاں ایک بات ذہن میں رکھنا چاہئے کہ یہ ممکن ہے کہ ایک امام کے پاس حدیث صحیح سند کے ساتھ پہنچے، اور انہوں نے اس کے مطابق عمل کرلیا، اور دوسرے کے پاس وہ قوت اور صحت کے ساتھ نہیں پہنچی اس لئے انہوں نے اس کو ترک کر دیا۔ اگرچہ واقع میں حدیث

صحیح ہو، لیکن زمانہ گزرنے سے اس کو روایت کرنے والوں میں تغیر آگیا، یا جس کے سامنے وہ سنائی گئی وہ شخص کمزور تھا، اس نے آگے اس کو پہنچادیا، تو مجتہدین اور محدثین نے اس راوی کی کمزوری کی وجہ سے حدیث کو ترک کر دیا،، اگرچہ وہ روایت صحیح ہے۔ لیکن اس کی ظاہری کمزوری کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا گیا۔ کیونکہ وقت کے بدلنے، حالات کے بدلنے، شہروں کے بدلنے، ملک کے بدلنے، لوگوں کے بدلنے سے اس میں ضعف اور کمزوری کا امکان ہے۔

مثلا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سن ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے، آپ کوفہ کے رہنے والے تھے، آپ تک احادیث کی سند میں عموما دو یا تین واسطے ہوتے ہیں۔ اس لئے امام صاحب کی روایات بہت زیادہ معتمد ہیں، ہاں یہ ضروری نہیں ہے کہ جو حدیث صحیح سند کے ساتھ امام صاحب تک پہنچے تو وہی حدیث امام بخاری تک بھی صحیح سند سے پہنچے۔ لوگ اس باریکی کو نہیں سمجھتے۔ ضروری نہیں ہے کہ جو حدیث صحیح سند کے ساتھ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نہیں پہنچی وہی حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی صحیح سند سے نہ پہنچے، ہو سکتا ہے کہ وہ امام صاحب تک صحیح سند کے ساتھ پہنچی ہو، اور بعد میں ان محدثین تک پہنچتے پہنچتے سند بدل گئی ہو، اس لئے انہوں نے ترک کر دیا ہو، اور اس کی وجہ سے مسئلے میں اختلاف پیدا ہو گیا ہو۔

کیونکہ امام صاحب کوفے کے رہنے والے تھے، اور کتابوں میں لکھا ہے کہ کوفہ میں تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ تھے، اُن ڈیڑھ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو احادیث معلوم تھیں ہو سکتا ہے کہ مکہ والوں نے اُن سے سنی ہوں کیونکہ اس زمانے میں اسفار علم کی بنیاد پر ہوتے تھے، اور محدثین باضابطہ احادیث کے لئے ہی اسفار کیا کرتے تھے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے احادیث نہ سنی ہوں، پھر انہوں نے مختلف لوگوں کو وہ حدیثیں سنائیں، ان سے آگے حدیثیں پہنچانے کا یہ سلسلہ چلا، اور آگے جا کر اس میں کمزوری پیدا ہو گئی، اس لئے دوسرے محدثین نے اس کو ترک کر دیا، اور ان کے مقابلے میں دوسری احادیث پر عمل کیا، جس کے نتیجہ میں اختاف ہوا۔

ایسے ہی بعض دفعہ بعض حدیثوں کے درمیان میں واسطہ کم ہوتا ہے، اور بعض حدیثوں

کے درمیان واسطہ زیادہ ہوتا ہے، اور حدیث میں جتنے واسطے کم ہوتے ہیں وہ اتنی ہی قوی اور صحیح شمار ہوتی ہے، یعنی حضور ﷺ اور محدث کے درمیان میں جتنے لوگ کم ہوتے ہیں وہ حدیث اتنی ہی زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ مثلاً صحیح بخاری کی سب سے عمدہ، مستند اور مقبول وہ روایتیں مانی جاتی ہیں جن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضور ﷺ کے درمیان صرف تین ہی لوگوں کا واسطہ ہے، ایسی روایات کو "ثلاثیات" کہا جاتا ہے، اور صحیح بخاری میں تقریباً ۲۲ ثلاثیات ہیں، جو صحیح بخاری کے لئے بڑی فضیلت کی بات ہے، لیکن اس میں نکتہ کی بات یہ ہے کہ جن اساتذہ سے امام بخاری نے وہ حدیثیں سنی ہیں اور جو صحیح بخاری کی اعلیٰ روایات شمار کی جاتی ہیں ان میں سے ۲۱ اساتذہ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں آتے ہیں، یعنی بخاری کی ان اعلیٰ روایات کا معیار بھی حنفیوں پر ہی ہے۔ اور ایک راوی کے بارے میں پتہ نہیں، ممکن ہے کہ وہ بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہوں۔ تو کبھی سندِ عالی کی وجہ سے سندِ نازل والی حدیث کو ترک کر دیا جاتا ہے، اس طرح مسئلہ میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ دونوں روایات صحیح ہوتی ہیں۔

فقہی اختلاف کا چوتھا سبب:

اختلاف کا چوتھا سبب یہ ہوتا ہے کہ کبھی نصوص میں مدلول کا اختلاف نہیں ہوتا، یعنی لفظ کے معنیٰ میں کئی احتمالات نہیں ہوتے البتہ نص کا محمل مختلف ہو سکتا ہے۔ ایک مجتہد اپنے ذوق یا قواعد کی روشنی میں ایک محمل پر محمول کر لیتا ہے اور دوسرا اسی نص کو دوسرے محمل پر محمول کر لیتا ہے۔

فقہی اختلاف کا پانچواں سبب:

اختلاف کا چھٹا سبب یہ ہوتا ہے کہ اجماع کی بعض اقسام بعض ائمہ کے نزدیک حجت ہیں اور بعض کے نزدیک نہیں، جس امام کے نزدیک اجماع کی جو قسم حجت ہے وہ اس پر عمل کر لیتے ہیں اور جن کے نزدیک وہ قسم حجت نہیں ہے وہ اس پر عمل نہیں کرتے، اس لئے ان میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

اجماع کی اقسام:

ذہن میں رہنا چاہئیے کہ اجماع کی بنیادی طور پر تین قسمیں ہیں، اجماعِ قولی، اجماعِ عملی، اجماعِ سکوتی، اجماع قولی اور اجماع عملی کو سب معتبر مانتے ہیں، لیکن اجماع سکوتی کے معتبر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، احناف اور بعض شوافع کے ہاں معتبر ہے، اور امام شافعی اور امام مالک اسے حجت نہیں مانتے۔

اجماع کے درجے:

پھر ان اجماع کی اقسام کے مرتبے الگ الگ ہیں، یک اجماع صحابہ کا ہوتا ہے۔ یہ اجماع متفق علیہ طور پر سب سے قوی ہوتا ہے، اس کو ماننا ضروری ہوتا ہے۔ یہ حجت قطعیہ ہوتا ہے۔ اس کا منکر کافر ہوتا ہے۔ اور اس کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب قرآن و حدیث میں کوئی مسئلہ صراحتاً نہ ہو، اور اس وقت کے لوگ کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو اگر وہ صحابہ ہوں تو اس کو ماننا ضروری ہوتا ہے، اس سے انحراف گمراہی اور کفر کا موجب ہو سکتی ہے۔ لوگ اس نزاکت کو سمجھتے نہیں ہیں۔ کسی ایک مسئلہ پر جب صحابہ اتفاق کر چکے ہیں تو اب ہم کو اس میں اپنی رائے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جیسے تراویح کا مسئلہ ہے، تین طلاق کا مسئلہ ہے، صحابہ کے زمانے میں ان مسائل پر اجماع ہو چکا ہے، اس لئے اب اس سے انحراف کی گنجائش نہیں ہے، اس سے ہٹنا ضلالت اور گمراہی ہے۔

دوسرا درجہ اجماع سکوتی کا ہے، احناف کے ساتھ دیگر بہت سے فقہاء اس کو حجت مانتے ہیں البتہ اس کے منکر کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

تیسرا درجہ صحابہ کے بعد کے ادوار میں مجتہدین اور فقہاء کا اجماع ہے، یہ بھی حجت ہے، لیکن اس کا منکر بھی کافر نہیں۔ یہ بحث اصول فقہ سے تعلق رکھتی ہے، ان کی تفصیلات بہت ہیں، غرض اس طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اجماع کی بہت سی قسمیں ہیں۔ علماء کے نزدیک بعض حجت ہیں اور بعض نہیں، جن حضرات کے ہاں جو اجماع حجت

نہیں وہ اس کو نہیں مانتے، اور جن کے پاس وہ حجت ہے وہ اس کو مانتے ہیں، تو اس طرح ان میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

فقہی اختلاف کا چھٹا سبب:

مسائل میں اختلاف کا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں نہ نص ہوتی ہے اور نہ اجماع ، بلکہ وہ مسئلہ محض قیاسی اور اجتہادی ہوتا ہے، اور قیاس کی وجہ دونوں مجتہدوں کے نزدیک مختلف ہوتی ہے اس لئے اس مسئلہ کے حکم میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

کبھی علت تو دونوں کے نزدیک ایک ہوتی ہے لیکن علت کے وجود اور عدم وجود کے اعتبار سے اختلاف ہوتا ہے۔

ان مذکورہ بالا وجوہات کی بنیاد پر جو اختلاف ہوتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ علماء کے نزدیک متفق علیہ طور پر محمود ہے اور مقبول ہے، اور چونکہ یہ اختلاف محمود اور مقبول ہے اس لئے اس میں ایک دوسرے سے عداوت کرنا، کسی کی تضلیل و تفسیق کرنا جیسا آج کل کیا جاتا ہے، سخت گناہ کی بات ہے۔ ایسے ہی ایک مسلک والے کا دوسرے کے مسلک پر اعتراض کرنا بھی بالکل لغو اور باطل ہے، اس کا کسی کو حق نہیں ہے، کیونکہ دونوں کا مسئلہ قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے، دونوں کے پاس دلائل ہیں، اس لئے کسی کو برا نہیں کہا جا سکتا، ہاں کس کا اجتہاد صحیح تھا اور کس کا غلط اس کا فیصلہ اللہ پاک کریں گے، وہ حقیقت کو اور درستگی کو بہتر جانتے ہیں، اس لئے محض ایسے اختلاف کی بنیاد پر کسی کو گمراہ یا مشرک یا کافر قرار دینا یا کسی کا استہزاء کرنا بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔

اختلاف کے حدود و آداب:

یہ اختلاف کی ایک اہم شرط اور حد ہے کہ اختلاف میں کسی کی تحقیر اور تذلیل نہ کی جائے، علماء نے اس کے حدود اور آداب بھی بیان کئے ہیں، مثلاً:

(۱) اختلاف کرنے والے قرآن و سنت کی تشریح کی اہلیت رکھتے ہوں۔

(۲)زیر بحث مسئلہ سے متعلق تمام احادیث ان کے علم میں ہوں۔

(۳)ایسے مسائل میں اختلاف ہو جس میں واقعی اختلافِ رائے ہو سکتا ہے۔

(۴)اختلاف کا اظہار عمومی مجامع، عمومی رسائل میں نہ ہو۔

(۵)اختلاف ذاتی تعصب سے خالی ہو۔

(۶)اختلاف کی صورت میں آپس میں رنجش وعداوت نہ ہو۔اور دلوں میں کدورت پیدا نہ ہو۔

(۷)اپنے مخالفین کا احترام کیا جائے،بلاضرورت ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے اور کسی کی تحقیر و تذلیل اور توہین نہ کی جائے۔

(۸)مجتہد فیہ مسئلہ میں اپنی رائے میں خطا کا احتمال مانا جائے۔

آج کل جو ہمارے مابین اختلاف ہوتا ہے وہ اس میں شامل نہیں ہے،وہ نفسانیت ، خواہشات کی اتباع ،حسد وغیرہ کی بنیاد پر ہوتا ہے،جس میں نہ بڑوں کا لحاظ کیا جاتا ہے،نہ اساتذہ کا،نہ علماء کا لحاظ کیا جاتا ہے،نہ دین کا،یہ اختلاف نہیں بلکہ بد تمیزی ، بد اخلاقی اور جہالت ہے۔اللہ پاک ہم سب کو صحیح فہم اور صحیح عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

اسلام و کفر اور اصولِ تکفیر

نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِیۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَاَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِیۡكَ لَهٗ وَاَشۡهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا كَثِیۡرًا كَثِیۡرًا۔ اَمَّا بَعۡدُ: فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

”زُیِّنَ لِلَّذِیۡنَ كَفَرُوا الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا وَیَسۡخَرُوۡنَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا فَوۡقَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَاللّٰهُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ وَاَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِیَحۡكُمَ بَیۡنَ النَّاسِ فِیۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ وَمَا اخۡتَلَفَ فِیۡهِ اِلَّا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡهُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَیِّنٰتُ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِهٖ وَاللّٰهُ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ“ (البقرۃ:۲۱۲و۲۱۳)

دنیوی معاش کفار کو آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے اور (اسی وجہ سے) وہ ان مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں حالانکہ (یہ مسلمان) جو کفر و شرک سے بچتے ہیں ان (کافروں) سے اعلیٰ درجہ میں ہونگے قیامت کے روز اور روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے اندازہ دیدیتے ہیں۔ ایک زمانہ میں) سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے تھے۔ اور ان کے ساتھ (آسمانی) کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں۔ اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرمائیں۔ اور اس کتاب میں (یہ) اختلاف کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو (اولا) وہ (کتاب) ملی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضحہ پہنچ چکے تھے باہمی ضد اضدی کی وجہ سے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (ہمیشہ) ایمان والوں کو وہ امر حق

جس میں (مختلفین) اختلاف کیا کرتے تھے بفضلہ بتلا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہ راست بتلا دیتے ہیں۔

"وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ۔ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ" (ھود:۱۱۶ تا ۱۱۹)

اور اللہ کو منظور ہوتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی طریقہ کا بناتا اور آئندہ بھی ہمیشہ اختلاف ہی کرتے رہیں گے مگر جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے دونوں سے بھر دوں گا۔

اختلاف کی تکوینی حکمت:

محترم بزرگانِ دین!

اگر آپ اس دنیا کے نظام میں غور کریں گے تو کائنات کی ہر چیز میں آپ کو اختلاف نظر آئے گا، حق تعالیٰ شانہ نے دنیا کی چیزوں کو مختلف بنایا ہے، اور مختلف طریقوں سے بنایا ہے، کہیں رنگوں کا اختلاف ہے تو کہیں زبانوں کا اختلاف ہے، کہیں صورتوں کا اختلاف ہے تو کہیں سیرتوں کا اختلاف ہے، کہیں قوموں کا اختلاف ہے تو کہیں نسلوں کا اختلاف ہے، کہیں علاقوں کا اختلاف ہے تو کہیں علاقوں کی خصوصیتوں کا اختلاف ہے، کہیں موسموں کا اختلاف ہے تو کہیں موسموں کی خصوصیتوں کا اختلاف ہے، کہیں راتوں کا اختلاف ہے تو کہیں دنوں کا اختلاف ہے۔ کہیں دنیوی اختلاف ہے تو کہیں دینی اختلاف ہے، اس اختلاف کا مقصد در اصل اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت اور ان کی صفات کا اظہار ہے۔

علماء نے فرمایا کہ یہ ایک تکوینی راز ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی مختلف صفات ہیں، اور وہ اپنی صفات کا ظہور ہر طرح سے چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت بھی ہے، صفتِ غضب بھی ہے، صفتِ رحمت صفاتِ جمالیہ میں سے ہے، صفتِ غضب صفاتِ جلالیہ میں سے ہے، اللہ

اپنی صفاتِ جمالیہ اور صفاتِ جلالیہ دونوں کا ظہور چاہتے ہیں، جنت اور اہل ایمان کو اپنے لطف و جمال اور جود و نوال کا مظہر بنایا ہے، اور دوزخ کو اور اہل کفر کو صفتِ جلال اور شانِ قہر کا مظہر بنایا، کچھ لوگ اللہ کی صفتِ غضب کا مورِد بنیں گے اور کچھ لوگ صفتِ رحمت کا مورِد بنیں گے۔ جو صفتِ غضب کے دائرے میں آئیں گے اُن پر سزا ہوگی اور جو صفتِ رحمت کے دائرے میں آئیں گے اُن پر انعام ہو جا گا۔ اس لئے اللہ نے اختلاف کا نظام رکھا ہے۔ چونکہ اللہ اپنی صفات جمالیہ اور صفات جلالیہ کا ظہور چاہتے ہیں اور بغیر اختیار کے کسی کو رحمت میں داخل کر دیں اور کسی کو دوزخ میں داخل کر دیں تو بظاہر یہ ظلم اور ناانصافی کی بات ہے، اس لئے بندوں کو اختیار بھی دیا کہ تم ہمارے حکم کے مطابق چلنا چاہو تو وہ راستہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے، اور اسی کی طرف ہم تم کو بلاتے ہیں، اور اگر شیطان کے راستے پر چلنا چاہو تو وہ راستہ بھی کھلا ہوا ہے، اگرچہ وہ برا راستہ ہے، اور ہم اس سے منع کرتے ہیں، لیکن اگر تم پھر بھی اس پر چلنا چاہو تو اس کا اختیار ہے، اگر اللہ پاک چاہتے تو سب سے زبردستی اسلام قبول کرواتے، اور سب کے سب مسلمان ہو جاتے، اور ان میں کوئی اختلاف نہ رہتا، اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے عین اختیار میں ہے، مگر اللہ کی حکمت اور اللہ کے قانون کے خلاف ہے۔ وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کسی کو زبردستی کوئی بات منوانا نہیں چاہتے، یہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون ہے "لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ" (البقرۃ:۲۵۶) یعنی دین میں جبر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے یہ اعلان ہے: "فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ" (الکہف:۲۹) جس کا جی چاہے ایمان قبول کرے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے، لیکن ساتھ میں یہ بھی بتا دیا: "وَلَا يَرۡضٰى لِعِبَادِهِ الۡكُفۡرَ" (الزمر:۷) اللہ اپنے بندوں کے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ اس لئے حکم دیا کہ ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار کرو اور کفر و شرک اور معاصی سے بچو۔ جو بھی طریقہ اختیار کرو گے اسی کے مطابق بدلہ پاؤ گے۔ اور جو اپنی مرضی سے ایمان لاتا ہے اس کا ایمان قبول فرماتے ہیں، اور اس کے لئے ہدایت کے راستوں کو کھول دیتے ہیں۔ اس طرح اللہ نے بندوں کو اختیار بھی عطا فرمایا، تاکہ فرقۂ جبریہ کی طرح جبر و قہر اور ظلم بربریت

کا الزام نہ لگایا جائے، اور ان کے اختیار کردہ راستے کی بنیاد پر ان کو اپنی صفاتِ جمالیہ اور صفاتِ جلالیہ کا مظہر بنایا جا سکے۔

عقل کی پیدائش کیوں؟

اور پھر اس کے ساتھ حق تعالیٰ نے انہیں عقل و شعور بھی عطا فرمایا، کیونکہ اختیار کا صحیح استعمال عقل اور شعور پر موقوف ہوتا ہے، جتنا عقل کامل ہوتی ہے اتنا ہی اختیار کا صحیح استعمال کیا جا سکتا ہے، اور اور اتنا ہی زیادہ اجر سے بندہ کو نوازا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت میں بچوں اور مجنونوں سے خطاب نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ سونے والے کے لئے بھی احکام میں تخفیف اور معافی ہے، وہ احکامِ شریعت کے مکلف نہیں ہیں، کیونکہ ان میں اس وقت عقل اور شعور نہیں رہتا ہے اس لئے ان کو احکام کا مکلف بھی نہیں بنایا گیا، اور اسی عقل وشعور کی بنیاد پر ثواب اور عذاب ہے، اور یہ مضمون حدیث میں موجود ہے:

”لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ قَالَ لَہٗ: أَقْبِلْ فَأَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَہٗ: أَدْبِرْ فَأَدْبَرَ ثُمَّ قَالَ لَہٗ: أُقْعُدْ فَقَعَدَ ثُمَّ قَالَ لَہٗ: اِنْطِقْ فَنَطَقَ ثُمَّ قَالَ لَہٗ: اُصْمُتْ فَصَمَتَ فَقَالَ: مَا خَلَقْتُ خَلْقًا أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْکَ وَلَا أَکْرَمَ، بِکَ أُعْرَفُ، وَبِکَ أُحْمَدُ، وَبِکَ أُطَاعُ، وَبِکَ آخُذُ، وَبِکَ أُعْطِيْ، وَإِیَّاکَ أُعَاتِبُ، وَلَکَ الثَّوَابُ، وَعَلَیْکَ الْعِقَابُ“

(کنز العمال: لکتاب الثالث في الأخلاق في کتاب الأخلاق من قسم الأقوال الباب الأول: في الأخلاق و الأفعال المحمودة ۷۰۵۷)

جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو اسے آگے آنے کا حکم دیا تو وہ آگے آگئی، پیچھے جانے کا حکم دیا تو وہ پیچھے چلے گئی، بیٹھنے کا حکم دیا تو بیٹھ گئی، بولنے کا حکم دیا تو بولنے لگی، خاموشی کا حکم دیا تو خاموش ہو گئی، تو اللہ نے فرمایا: میں نے کسی مخلوق کو میرے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب اور مکرم نہیں پیدا کیا، تیرے ذریعہ میں پہچانا جاؤں گا، تیرے ذریعہ میری تعریف کی جائے گی، اور تیرے ذریعہ میری اطاعت کی جائے گی، اور تیرے ہی سبب میں مؤاخذہ کروں گا، اور تیرے ہی سبب میں انعامات سے نوازوں گا، اور تیری ہی وجہ سے ثواب ہے، اور تیری ہی وجہ سے عقاب ہے۔

غرض ہدایت اور ضلالت پہچاننے کے لئے اللہ نے عقل اور شعور بھی دیا، اور پھر کہیں عقل بھٹک کر گمراہی کے راستے کو اختیار نہ کرلے اس لئے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا، ان پر کتابیں نازل کیں، اور راہِ حق انہیں دکھلایا، اور پھر انسان کو ارادہ اور اختیار دیا، اور اس میں اس کو مکمل آزادی دی کہ وہ جس راستے کو چاہے اختیار کرلے، یہ سب اللہ کی نعمت اور بندوں پر مہربانی ہے کہ ان کی ہدایت کے لئے اللہ نے یہ سب نظام رکھا۔

اختلاف کا فطری سبب:

ان سب کے باوجود چونکہ ہر انسان کی عقل، اس کی سوچ، اس کی طبیعت مختلف ہوتی ہے، اس لئے نتیجۃً ایک راہ پر چلنے کے بجائے مختلف راستے وہ اختیار کرتے رہتے ہیں۔ اور دینِ حق سے اختلاف کرتے رہتے ہیں اور دین حق سے دور رہتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا: "لَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ"۔ وہ برابر اختلاف کرتے رہیں گے۔ اس طرح کا سوال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا، حضرت عمر کہنے لگے، جب سب کا قرآن ایک ہے، سب کے نبی ایک ہیں، سب کا قبلہ ایک ہے، سب کا اللہ ایک ہے تو یہ اختلاف کیوں پیدا ہوتا ہے تو حضرت عمر نے جواب دیا کہ اگرچہ سب کی بنیادی چیزیں ایک ہی ہیں لیکن سب کی عقل ایک جیسی نہیں ہے اس لئے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

اختلاف کرنے والے رحمتِ الٰہی سے محروم ہوتے ہیں:

اس کے بعد فرمایا: "إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ"، کچھ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں،، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کا خاص رحم ہوتا ہے، یعنی گمراہی، فتنہ اور اختلاف سے وہ لوگ بچ جاتے ہیں جن پر رحمِ خداوندی ہوتا ہے، اور جو لوگ اختلاف کرنے لگتے ہیں فتنہ اور فساد میں پڑے رہتے ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ رحمِ الٰہی سے عاری ہیں۔

رحمتِ الٰہی دراصل اس شخص کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس میں عناد اور ضد نہیں ہوتی، ہر چیز کا ایک ظاہری اور ایک باطنی سبب ہوا کرتا ہے، لہذا جو ایمان لانے کا ارادہ کرتا ہے تو

اس سبب سے اللہ پاک کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس کو اللہ پاک ایمان کی ہدایت عطا فرما دیتے ہیں۔ اور جو اختلاف اور فتنہ وفساد میں مبتلا ہوتا ہے، تو اللہ پاک کی رحمت اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔

اختلاف ایک فطری چیز ہے:

اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا: ”وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ“ اسی اختلاف کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو پیدا کیا۔ یہ بڑا عجیب جملہ ہے۔ اگر آپ یہ چاہیں کہ ساری دنیا کے لوگ صحیح راستے پر آجائیں، ایک ہی راستہ اختیار کرلیں تو ایسا نہیں ہوگا۔ آپ صرف اختلاف سے بچنے اور بچانے کی اور صحیح راستے پر آنے کی بھرپور کوشش کرسکتے ہیں، ان کو راہِ راست پر لانے والی رحمتِ خداوندی ہوتی ہے۔

کیونکہ ہر ایک کا جنتی یا جہنمی ہونا طے ہے: ”خَلَقت هؤلاء للجنة.... وخلقت هؤلاء للنار“ (سنن ابی داود: کتاب السنة، ۴۷۰۵) اور دوسری روایت میں ”وَلاَ أُبَالِي“ کے الفاظ ہیں۔ (مسند احمد: حدیث عبد الرحمن بن قتادة، ۱۷۱۲۱) یعنی میں نے ایک مخلوق جنت کے لیے بنائی اور مجھے اُس کی کوئی پروا نہیں، جو لوگ جنت میں جائیں گے وہ عیش کریں گے، میں نے ایک مخلوق جہنم کے لیے بنائی ہے اور مجھے اُس کی کوئی پروا نہیں۔

داعی کی محنت اور بندہ کی طلب سے اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے:

جب جنت کے لئے کچھ لوگ طے ہیں، اور جہنم کے لئے کچھ لوگ طے ہیں تو صرف صحیح بات پہنچا دینا ہمارا کام ہے، ان کو راہ راست پر لانا ہمارے بس میں نہیں ہے، اگر ہماری محنت اور بندوں کی طرف سے طلب ہو تو پھر رحمت حق متوجہ ہوتی ہے، راہِ راست کے دروازے کھلتے ہیں، ورنہ اگر بندوں میں طلب نہ ہو اور راہِ حق کی انہیں تلاش نہ ہو تو پھر اللہ پاک کی رحمت ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں بھیج دیں گے، اور باری تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، ہمارے لئے یہ بہت بڑی بات ہے، یہی وہ چیز تھی جس کی

وجہ سے بڑے بڑے صحابہ اور اولیاء اللہ ڈرتے تھے کہ پتہ نہیں ہماری قسمت میں کیا لکھا ہوا ہے۔ کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے، کون "الا من رحم ربک" یعنی رحمتِ الٰہی کے تحت ہے، اور کون اس سے باہر ہے؟ یہ تو مرنے کے بعد ہی پتہ چلنے والا ہے۔ اس لئے ہر آدمی کو اپنے انجام اور اپنے خاتمہ کی فکر کرنی چاہیے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنے بڑے درجوں پر فائز ہونے اور جنت کی بشارتوں کے باوجود ڈرتے رہتے تھے۔

حضرت عمر کا خوف ورجاء:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "لَوْ نَادیٰ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّکُمْ دَاخِلُوْنَ الْجَنَّةَ کُلُّکُمْ أَجْمَعُوْنَ إِلَّا رَجُلًا وَاحِدًا لَخِفْتُ أَنْ أَکُوْنَ أَنَا هُوَ وَلَوْ نَادیٰ مُنَادٍ: أَیُّهَا النَّاسُ! إِنَّکُمْ دَاخِلُوْنَ النَّارَ إِلَّا رَجُلًا وَاحِدًا لَرَجَوْتُ أَنْ أَکُوْنَ أَنَا هُوَ" (کنز العمال: ۳۵۹۱۶)

اگر قیامت کے دن آسمان سے کوئی اعلان کرے کہ اے لوگو! تم سب جنت میں جاؤ گے سوائے ایک کے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ ایک شاید میں ہی ہوں۔ اور اگر یہ اعلان کرے کہ اے لوگو! تم سب جہنم میں جاؤ گے سوائے ایک کے تو مجھے امید ہے کہ شاید وہ ایک میں ہوں۔

صحابہ کا ڈر:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ کو دیکھا ہے کہ ہر ایک اپنے اوپر نفاق کا اندیشہ کرتا تھا، پتہ نہیں ہمارا ایمان اللہ کے پاس معتبر ہے یا نہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر تم اُنہیں دیکھتے تو سمجھتے کہ یہ مجنون و پاگل ہیں۔ اور اگر وہ لوگ تم کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ مسلمان نہیں منافقین ہیں۔ جب صحابی ہو کر خیر القرون میں ان کی یہ کیفیت ہے تو ہماری حالت کیا ہونی چاہیے؟

"وَتَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّکَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ"

اور تمہارے پروردگار کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی کہ میں جہنم کو جنات اور انسانوں سے بھر کر رہوں گا۔ یہ مضمون بہت ہی ڈر اور خوف کا ہے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بات طے

کر دی گئی ہے کہ جہنم کو جنات اور انسانوں سے بھرا جائے گا۔ یعنی لوگ پیدا ہونے کے بعد ایسی حرکت اور ایسے اعمال کریں گے اور ایسے عقائد اختیار کریں گے جو ان کے جہنم میں جانے کا سبب ہوں گے۔ ایک طبقہ صرف اسی لئے پیدا ہو گا، وہ کون ہوں گے؟ پتہ نہیں اسی لئے ڈرتے رہنا بھی چاہیئے، اور اس سے اللہ کی پناہ مانگتے بھی رہنا چاہیئے۔

جنت اور جہنم کیسے بھرے جائیں گے؟

جیسے جہنم بھر دی جائے گی، ایسے ہی جنت بھی بھر دی جائے گی، جو لوگ رحم خداوندی کے تحت ہوں گے جنت ان سے بھر دی جائے گی اور جو رحمت الٰہی سے خالی ہوں گے جہنم ان سے بھر دی جائے گی، جب جہنمیوں کو جہنم میں ڈالا جا رہا ہو گا اس وقت جہنم کہے گی: ”هَلۡ مِنۡ مَزِيۡدٍ“ کیا کچھ اور بھی ہے؟ اگر ہے تو وہ مجھ میں ڈال دئے جائیں، اس طرح جب سب ختم ہو جائیں گے تو پھر بھی جہنم میں کچھ نہ کچھ جگہ رہ جائے گی۔ وہ اللہ سے کہے گی: ”هَلۡ مِنۡ مَزِيۡدٍ“، میرے اندر مزید گنجائش ہے، کیا اور لوگ بھی باقی ہیں؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنا ”پیر“ اس پر رکھ دیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پیر کیسے رکھیں گے تو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے، اور اس طرح کی آیات کا مطلب حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں، اس لئے ان کے مطالب کو حق تعالیٰ ہی کے سپرد کرنا چاہیے۔ غرض جب باری تعالیٰ اس پر پیر رکھ دیں گے تو وہ کہے گی: ”بس، بس“ اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ جہنم بھرنے کا وعدہ پورا فرمائیں گے۔ ایسے ہی جب سب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو کچھ اور جگہ رہ جائے گی، اللہ تبارک وتعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا کریں گے اور اُسے جنت میں بھیج کر جنت کو بھرنے کا وعدہ پورا فرمائیں گے۔ (صحیح بخاری: کتاب التفسیر: ق، ۴۵۶۹)

اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ اختلاف دراصل نظامِ خداوندی کے تحت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا میں اپنی حکمت سے ہر چیز میں اختلاف پیدا فرمایا ہے۔ گویا اس دنیا کی زینت ہی

اختلاف میں ہے۔اسی کی ترجمانی ایک شاعر نے کی ہے:

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اگر ساری دنیا میں صرف گلاب ہی کے پھول ہوتے تو پھر وہ چمن ہی کیا ہوتا، وہ صرف گلاب کا چمن ہوتا۔ چمن تو اُسی وقت چمن ہے جب اُس میں ہر قسم کا پھول ہو۔

جیسے یہ اختلاف کائنات میں ہے ایسے ہی یہ اختلاف دین اور مذہب میں بھی ہے۔اسی لیے اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ سارے مسلمان آپس میں اختلاف نہ کریں اور سارے انسان آپس میں اختلاف نہ کریں، اختلاف تو ہوگا لیکن جس بات کی ہم کو فکر کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اُس اختلاف میں نہ پڑیں جس کا انجام اچھا نہیں ہے۔

جس اختلاف کا انجام برا ہے جو شریعت میں انتہائی مذموم ہے جس پر وعیدیں نازل ہوئی ہیں اور جس پر ہمیشہ کے لئے جنت حرام ہوتی ہے وہ اختلاف ایمان اور کفر کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ یہ بات آچکی ہے، اور انبیاء کی بعثت کا مقصد در اصل انسانوں کو اسی اختلاف سے بچانا اور ایمان کی راہ دکھانا ہوتا تھا۔ جب دنیا میں وہ اللہ کا پیغام لے کر تشریف لاتے تو کفار ان کا مذاق اڑاتے، ان کے ساتھ استہزاء کرتے اور ان کو ستاتے۔

دنیاوی زندگی کافروں کو بھلی لگتی ہے:

کیونکہ کافروں کا عقیدۂ آخرت پر ایمان نہیں ہوتا اس لئے وہ دنیا کی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اور اسی میں مگن رہتے ہیں، حلال و حرام، جائز اور ناجائز کی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی، کھانا کمانا اور عیاشی کرنا ان کا مقصد ہوتا ہے، اس لئے ان کو یہ زندگی اچھی لگتی ہے۔ اور اس کے بالمقابل مسلمان کے لئے کچھ پابندیاں ہیں، وہ ہر چیز نہ کھاسکتا ہے نہ کماسکتا ہے، نہ اپنی من مانی زندگی گزار سکتا ہے، اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو مقید اور پابند بنالیتا ہے اور پھر اس کو یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ رب کی رضا صرف مجھے نصیب نہ ہو بلکہ میرے ساتھ اور انسان بھی اس کو حاصل کریں اس لئے

غیروں میں دعوت دینے لگتا ہے اور اسی لئے اللہ پاک انبیاء کو بھیجتے ہیں تو کفار اس کو قبول کرنے کے بجائے انہیں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، طرح طرح کی تکالیف انہیں دیتے ہیں، ان کا استہزاء کرتے ہیں، اور ان کی غربت و محتاجگی کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اہلِ ایمان کی تحقیر ہر زمانے میں رہی:

اللہ پاک نے اس آیت میں اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مسئلہ اہل ایمان اور دین پر چلنے والوں کے ساتھ ہمیشہ رہا ہے کہ ہر زمانے میں اور ہر جگہ مال دار لوگ مسلمانوں کو تحقیر اور ذلت کی نگاہوں سے دیکھتے رہے:

''وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا'' وہ مذاق اڑاتے ہیں اہل ایمان کا۔

''فَلَمَّا جَاءَهُم بِآيَاتِنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَضْحَكُونَ''(الزخرف:۴۷)

پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) انکے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ یکایک ان پر لگے ہنسنے۔

''إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ''(المطففین:۲۹)

جو لوگ مجرم تھے (یعنی کافر) وہ ایمان والوں سے (دنیا میں تحقیراً) ہنسا کرتے تھے۔

''فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ''

(المؤمنون:۱۱۰)

سو تم نے ان کا مذاق مقرر کیا تھا (اور) یہاں تک (اس کا مشغلہ کیا) کہ مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے۔

مومنین کافروں کا قیامت میں استہزاء کریں گے:

حضرت نوح علیہ السلام حق تعالیٰ کے حکم سے کشتی بنانے میں مشغول تھے ان کی قوم کے سرداروں نے جب ان کو دیکھا تو پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ طوفان آنے والا ہے اس لئے کشتی تیار کر رہا ہوں، ان کی قوم ان کا مذاق اڑانے لگی اور استہزاء کرنے لگی کہ یہاں پینے کے لئے پانی نہیں ہے، اور یہ بزرگ اس خشکی میں کشتی چلانے کی فکر میں ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

"إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ" (ھود:۳۸)

کہ اگر آج تم ہم سے استہزاء کرتے ہو تو یاد رکھو کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جس میں ہم تم سے استہزاء کریں گے۔ یہ دنیا چند روزہ ہے، یہاں ان کے عیش اور یہاں ان کی یہ بلندیاں اور خام خیالیاں صرف چند دن تک کے لئے ہیں، جب ان کی آنکھیں بند ہوں گی، اور دوسری کائنات میں پہنچیں گے تو پھر ان کو اس وقت پتہ چلے گا کہ کون بڑا ہے؟ کون چھوٹا ہے؟ کون اونچا ہے اور کون نیچا؟ کس کی عزت ہے اور کس کی ذلت؟ کون عقلمند تھا؟ اور کون بے وقوف؟ کس نے سمجھداری کی؟ اور کس نے ناسمجھی کی؟

"وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

متقین اس وقت اوپر ہوں گے اور مشرکین نیچے، مقام کے اعتبار سے بھی متقین بلند ہوں گے، اور جگہ کے اعتبار سے بھی، کیونکہ جنت اوپر ہے اور جہنم نیچے ہے، ان کے درمیان ایک دیوار ہے، اور بعض مفسرین کے بقول روشن دان ہوں گے، جب مومنین ان کو دیکھنا چاہیں گے تو انہیں دیکھ لیں گے۔ اس وقت مومنین ان کا استہزاء کریں گے، یعنی ان کو بتائیں گے کہ تمہارے ہمارے اوپر ہنسنے کا انجام کیا ہوا؟ جیسا کہ سورۂ مطففین میں فرمایا:

"فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ" (المطففين:۳۴)

سو آج (قیامت کے دن) ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے۔ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے دیکھتے ہونگے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ ابوجہل، ولید اور عاص وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، یہ لوگ اپنے مالوں میں مست تھے۔ عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ اور آخرت کی تکذیب کرتے تھے اور فقرائے مومنین مثلاً، خباب بن ارت، عمار بن یاسر، صہیب اور بلال جیسے حضرات کا مذاق بناتے تھے۔ (تفسیر رازی:۴۱۴/۱۶)

تو اللہ پاک نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی کہ دنیا کی فراوانی اور وہاں کی وسعت اور وہاں اپنے اموال اور اولاد پر ناز و فخر اور دنیا میں ان بھوکوں اور ننگوں کے ساتھ مذاق کا انجام انہیں قیامت میں معلوم ہو گا۔ اور مومنین وہاں ان کا استہزاء کریں گے۔

منافقین کی جرأت:

بلکہ منافقین اور مشرکین صحابہ کو بیوقوف کہتے تھے اور یہ کہتے تھے:

"مَا رَأَيْنَا قَوْماً أَحْمَقَ مِنْكُمْ تَرَكْتُمْ دِيْنَكُمْ لِمَجْلِسِ سَاعَةٍ مَعَ هٰذَا الرَّجُلِ" (البحر المدید: ۴۲۰/۵)

ہم نے کسی قوم کو نہیں دیکھا جو تم سے زیادہ احمق ہو کہ تم نے اپنے دین کو اس آدمی کے ساتھ تھوڑی دیر کی مجلس کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ کہ اگر ان میں عقل ہوتی تو یہ اپنی دنیا کا اتنا نقصان نہیں کرتے، اگر ان کو عقل ہوتی تو یہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر نہیں جاتے، اگر ان کو عقل ہوتی تو اپنا کاروبار چھوڑ کر نہ جاتے، سال میں ایک مرتبہ جب پھل پکنے کے بالکل قریب ہیں اور سارے سال کا مدار اسی پر منحصر ہے اور یہ ان سب چیزوں کو چھوڑ کر سخت دھوپ میں اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور قوم سے مقابلہ کے لئے نکل رہے ہیں اس سے بڑی کیا بے وقوفی ہے؟

اور پھر نعوذ باللہ انہوں نے نبی کے لئے بھی ایسا لفظ کہنے کی جسارت کی، اور نبی کے لئے راعنا (بمعنی احمق) کہنے لگے، اور اس پر ہنسنے لگے، اگرچہ اس کے اور بھی معنٰی آتے ہیں، لیکن مفسرین نے اس کا ایک معنٰی یہ نقل کیا ہے، حضرت سعد ابن معاذ اس کو سن کر سمجھ گئے اور یہودیوں سے کہا کہ اگر کسی سے میں نے یہ سنا تو اس کی گردن اڑادوں گا، اللہ پاک نے اس موقع پر یہ آیت نازل کی: "رَاعِنَا" مت کہو، بلکہ "اُنْظُرْنَا" کہو۔ (اللباب: ۳۵۹/۲)

کافروں کی ایذا رسانیوں پر مومنین کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟

اس سے یہ معلوم ہوا کہ شروع ہی سے یہ سلسلہ جاری ہے کہ جب بھی نبی مبعوث ہوئے، جب بھی لوگ دین پر عمل کرنے لگے، ان کا استہزاء کیا گیا، مذاق اڑایا گیا، ان کے خلاف سازشیں کی گئیں، ان کے مقابلہ اور مخالفت کے لئے پورا زور لگایا گیا، اہل ایمان کو چاہیے کہ اگر ان کے پاس اقتدار نہ ہو، اور ان کے جواب کی صلاحیت نہ ہو تو ان کی بدسلوکی اور فساد سے تنگ دل نہ ہوں، جس طرح کفار نے اپنے بڑوں کا طریقہ کفر و عناد اور انبیاء کی مخالفت کا اختیار کیا اسی طرح مؤمنین کو چاہئے کہ وہ اپنے سلفِ صالحین، بزرگانِ دین اور انبیاءِ کرام کا

طریقہ اختیار کریں، ان کی ایذاؤں اور مخالفتوں پر صبر کریں، اچھے اخلاق سے پیش آئیں، حکمت و موعظت اور نرمی کے ساتھ ان کو دین حق کی طرف بلاتے رہیں۔

کثرت مال خدا کے راضی ہونے کی دلیل نہیں:

"وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ"

اور جس کو چاہتا بے بغیر حساب کے اللہ تعالیٰ رزق عطا فرماتا ہے۔

رزق کی زیادتی اور دنیوی سازوسامان اور اشیاء کی فراہمی نہ فخر کرنے کی چیز ہے، اور نہ اللہ کے ہاں قبولیت کی دلیل ہے، مومن ہو یا کافر جس کو چاہتے ہیں اللہ پاک رزق دیتے ہیں، اللہ جس سے راضی ہوتے ہیں تو اس کو بھی دیتے ہیں، اور جس سے ناراض ہوتے ہیں تو اس کو بھی دیتے ہیں، اس میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے کہ جس کو جتنا دینا چاہیں دیدیں، یہاں تو حالات اور معاملات بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی کافروں کو اللہ پاک دیتے ہیں تو کبھی اہل ایمان کو عطا فرماتے ہیں۔ اس لئے ان چیزوں کو دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اصل چیز ایمان ہے، اگر کسی پاس ایمان ہے تو اس کے پاس سب کچھ ہے۔ اگر کسی کے پاس ایمان نہیں ہے تو پھر اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ رزق کی کثرت اور قلت اللہ کے ہاں قبول و مردود ہونے کی علامت نہیں ہے۔

اصحابِ صفّہ کی حالت:

اصحاب صفہ کا ظاہری حال یہ ہوتا تھا، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رَأَيْتُ سَبْعِينَ مِنْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ إِمَّا إِزَارٌ وَإِمَّا كِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوا فِي أَعْنَاقِهِمْ فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ، وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ كَرَاهِيَةَ أَنْ تُرىٰ عَوْرَتُهُ" (صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: ۴۴۲)

میں نے ستر اصحاب صفہ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے پاس یا تو ازار ہوتی تھی یا بڑی چادر، جس کو وہ گردن میں باندھتے تھے، کسی کی چادر نصف پنڈلی تک ہوتی تھی، اور کسی کی

ٹخنوں تک ہوتی تھی، اور وہ اس کو سمیٹ کر بیٹھتے تھے تاکہ کہیں ان کا ستر نہ کھل جائے۔ ظاہری حالت تو ان کی یہ تھی، لیکن اللہ کے ہاں ان کا مقام اور مرتبہ سب جانتے ہیں۔

اس لئے کسی کے ساتھ استہزاء چاہے مومن ہو یا کافر بہت خطرناک چیز ہے، ہر زمانے میں کافر اہل ایمان کا استہزاء کرتے رہے کہ ان کا کھانا دیکھو، ان کا پہننا دیکھو، ان کا اُٹھنا بیٹھنا دیکھو، ان کی معاشرت دیکھو، ان کا لباس دیکھو، ان کے تعلقات دیکھو، ان کی کمائی اور خرچ دیکھو، اور ان کے دین کا بھی مذاق اڑاتے تھے، یہی حالت ہر دور میں اسلام پر چلنے والوں کے ساتھ بھی رہی ہے۔

پہلے سب خدا کی وحدانیت پر متفق تھے:

حق تعالیٰ نے ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ شرک اور بت پرستی میں تو اب مبتلا ہوئے، شیطان اور نفس نے اور خواہشات کی اتباع نے تمہیں بہکا دیا، تم راہِ حق سے بہک گئے، ورنہ یہ دنیا جب قائم ہوئی تھی تو اس وقت کوئی مشرک یہاں نہیں تھا، کوئی کافر نہیں تھا، پہلے سب موحد تھے، ایک اللہ کو ماننے والے تھے: ”كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً“

سارے لوگ ایک ہی جماعت تھے۔ یعنی شروع میں لوگ ایک ہی دین پر تھے اور سارے کے سارے دین اسلام کے پابند اور توحید پرست تھے۔ (روح المعانی: ۱۰۰/۲) ایمان دار اور بے ایمان کی تقسیم نہیں تھی، اور اسی لئے اللہ نے پہلے وحدت کا ذکر فرمایا، اور بعد میں اختلاف کا ذکر کیا، جب وحدت کے بعد اختلاف پیدا ہوا تو اس اختلاف کو ختم کرنے اور اس کی اصلاح کے لئے انبیاء کرام کی بعثت ہوئی، اور ان کو کتابیں اور صحائف دیکر نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا، اور وہ دنیا میں توحید کا پیغام لے کر آئے۔ قرآن پاک کی متعدد آیات میں حق تعالیٰ نے اس کو مضمون کو بیان فرمایا۔

امت میں وحدت کا زمانہ کونسا تھا اور کب تک تھا؟

یہاں مفسرین نے زمانۂ وحدت کے بارے میں سوال قائم کئے ہیں کہ یہ کس زمانے کی بات ہے؟ اور یہ وحدت کب تک قائم رہی، اور اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس

مسئلہ میں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ واقعہ عالمِ ازل کا ہے، جب تمام انسانوں کی ارواح کو پیدا کر کے ان سے سوال کیا گیا تھا" اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ " یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں اور سب نے بلا استثناء یہ جواب دیا تھا کہ بے شک آپ ہمارے رب اور پروردگار ہیں اس وقت تمام افراد انسانی ایک ہی عقیدہ حق پر قائم تھے جس کا نام ایمان واسلام ہے۔

دوسرا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وحدت کا عقیدہ اس وقت کا ہے جب آدم علیہ السلام حضرت حوا کے ساتھ اس دنیا میں تشریف لائے اور آپ کی اولاد ہوئی اور یہ سلسلہ چلتا رہا، یہ وہ وقت تھا جب سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے دین اور انہی کی تعلیم کے تابع اور توحید کے قائل تھے، اس وقت اگرچہ سب عقیدہ کے اعتبار سے متحد تھے، البتہ گناہوں کا صدور ان سے ہوتا تھا جیسا کہ ہابیل اور قابیل کے قتل کا واقعہ قرآن میں موجود ہے۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ وحدت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ادریس علیہ السلام تک یعنی تقریباً ایک ہزار سال تک قائم رہا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ وحدت کا زمانہ وہ تھا جب حضرت نوح علیہ السلام کی بدعاء سے دنیا میں طوفان آیا تھا، اور ساری دنیا غرق ہوگئی تھی، اور جو لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوگئے وہ باقی رہ گئے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب سب مسلمان موحد اور دین حق کے پیروکار تھے۔ اگر دیکھا جائے تو ان تینوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ یہ تینوں زمانے ہی ایسے تھے جن میں سارے انسان ملت واحدہ اور امت واحدہ بنے ہوئے دین حق پر قائم تھے۔

انسانیت کی تقسیم:

غرض جس وقت اس دنیا میں انسانوں کی آمد ہوئی وہ توحید کے ساتھ ہوئی، اور ایک زمانے تک وہ عقیدۂ توحید پر جمے رہے، اور کفر وشرک سے اپنے دامن کو بچائے رکھا، اور بعض روایات کے بقول حضرت ادریس یا حضرت نوح علیہما السلام کے زمانے تک یہ سلسلہ چلا، مرورِ زمانہ کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں میں بگاڑ اور دین سے دوری پیدا ہوتی گئی، ان میں مزاج و مذاق اور رائے و فکر کے اختلاف سے بہت سے خیالات و عقائد پیدا ہوگئے، غفلتیں آتی گئیں،

شہوتیں بڑھتی گئیں، شیطان نے ان کو بہکانا شروع کیا جیسا کہ اس نے وعدہ کیا تھا، آہستہ آہستہ وہ شرک میں مبتلا ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ نے حق کو واضح کرنے اور راہِ حق بتلانے کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے اور ان پر کتابیں اور وحی نازل فرمائی، اور ان کو بطورِ دلیل کتابیں اور معجزات عطا فرمائے۔

''فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ''

تاکہ وہ لوگوں کو خوشخبری سنائیں، اللہ کے عذاب سے ڈرائیں، اور اللہ نے جو کتاب نازل فرمائی ہے اس کی روشنی میں جن باتوں میں ان کو اختلاف ہے ان میں فیصلے کریں۔اور ان معجزات کو دیکھ کر اسلام قبول کریں اور کفر و شرک سے توبہ کریں، اس کے باوجود بھی وہ سارے کے سارے اپنے گناہوں سے تائب نہیں ہوئے، بلکہ جس کا جی چاہا اور جس کو توفیق ایزدی ملی اس نے توحید قبول کرلی، اور جو توفیقِ باری سے محروم رہا اس نے شرک کر کے اپنی عاقبت خراب کرلی۔اس طرح انسانیت دو گروپوں میں تقسیم ہوگئی، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایات کو قبول کیا اور انبیاء علیہم السلام کی اتباع کی، وہ مومن ہوئے، اور جنہوں نے آسمانی ہدایات کو قبول نہیں کیا، اور انبیاء کو جھٹلایا اور ان کی باتوں کا انکار کیا وہ لوگ کافر ہوئے۔

توحید کی بنیاد پر قومیت کی تقسیم عین منشأ قرآنی ہے:

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مذہب کی بناء پر قومیت کی تقسیم اور مسلم و غیر مسلم کا دو قومی نظریہ عین منشاء قرآنی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:''فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ'' (التغابن:۲) تم میں سے کچھ کافر ہیں اور کچھ مومن۔اس سے پتہ چلا کہ اسلام میں اس دو قومی نظریئے کی بنیاد در حقیقت وطنیت، قومیت، اور قبائل کا الگ الگ ہونا نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد عقیدۂ توحید اور دینِ حق کی اتباع ہے، جو ابتداء آفرینش میں قائم تھی، اس وقت حقیقی وحدت قائم تھی، بعد میں لوگوں نے اختلافات پیدا کئے، انبیاء نے لوگوں کو اسی اصلی وحدت کی طرف بلایا، اور دین پر چلنے اور اس کی اتباع کرنے کی بشارتیں اور انعامات کو بتایا، اور اس کی اتباع نہ کرنے کے عذابات اور سزاؤں کو سنایا۔

دعوت کا اصول بشارت و نذارت ہے:

انبیاء کا کام یہی ہوتا تھا، اور اسی وجہ سے دعوت کا اصول بشارت و نذارت ہے، اللہ تعالیٰ انبیاء کو اسی صفت کے ساتھ متصف کرکے بھیجتے رہے، قرآن پاک میں بشیر اور نذیر مبشر اور منذر آپ کی صفات بیان کی گئی ہیں، حق تعالیٰ نے آخرت میں لوگوں کے لئے کچھ چیزیں انعام کی اور کچھ چیزیں سزا کی رکھی ہیں، اور انبیاء کا کام یہ ہوتا ہے کہ ان انعام والی چیزوں کی ترغیب دیں، اور سزا والی چیزوں سے ڈرائیں، اور اس سے واقف کروائیں۔ ''مبشرین'' اور ''منذرین'' کو وعدے اور وعیدوں سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ بشارت وعدوں سے متعلق ہوتی ہے اور ڈر وعیدوں سے متعلق ہوتا ہے۔

اُمت میں وعدوں اور وعیدوں کی تعلیم کے حلقوں کا فقدان:

دعوت و تبلیغ کا یہ اصول ہے کہ وعدے اور وعیدوں کی تعلیم کے حلقے لگائے جائیں، اُمت میں ان حلقوں کا رواج ختم ہوگیا۔ آج فلاسفی پر ہم بحث کرتے ہیں، سیاست پر بحث کرتے ہیں، حالات پر بحث کرتے ہیں، مسائل پر بحث کرتے ہیں، جس سے کوئی فائدہ نہ دین کا ہے اور نہ دنیا کا، بے کار اور فضول بحث و مباحثہ میں ہم اوقات ضائع کرتے ہیں، لیکن وعدے اور وعیدوں کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں دیتے، آج اس کی تعلیم اور اس کے حلقے بہت کم نظر آتے ہیں، حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جس انداز میں تربیت فرمائی تھی اور ان کا جو ماحول بنایا تھا وہ وعدے اور وعیدوں پر ہی مبنی ہوتا تھا، دین کی مجلس، قرآن کا درس، حدیث شریف کا درس، ذکر اللہ، قرآن پاک کی تلاوت، نماز، روزے، زکوٰۃ، حج اور دین کی محنت اور دین کے راستے میں جان اور مال لگانے کا فائدہ ہمارے ذہنوں میں نہیں ہے۔

تعلیم کا مقصد:

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وعدوں اور وعیدوں کی تعلیم کا جو نظام قائم فرمایا آج ہم اُس کے اثرات کا مشاہدہ کررہے ہیں، ورنہ اُمت میں مسائل کا علم کم نہیں تھا، کمی

اُمت کے اعمال میں شوق کی تھی، وعدے اور وعیدوں سے یہ شوق پیدا ہوتا ہے، اس لئے بشارت اور نذارت، وعدے اور عیدوں کے حلقے لگانے کا حضرت نے نظام قائم فرمایا کہ آدمی کے علم اور عمل میں جوڑ پیدا ہو جائے۔

صحابہ کا مزاج:

صحابہ رضی اللہ عنہم کا ماحول یہی تھا، اللہ کے نبی نے ان کی اسی طرح تربیت فرمائی تھی، ان کے سامنے محض وعدے اور وعیدیں تھیں، اور ان پر ایسا یقین تھا کہ چھوٹے سے چھوٹے عمل کے لئے جان کی بازی لگانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے، ان کا مزاج ایسا بن گیا تھا کہ بعض مواقع پر تو انہیں روکنا پڑا، جب مدینہ میں جہاد کا حکم ہوا، غزوات اور سرایا ہونے لگے تو کوئی صحابی رکنے کے لئے تیار نہیں، سوائے منافقین اور معذورین کے۔ (تفسیر رازی: ۱۸۱/۸ و روح المعانی) اللہ پاک نے اس موقع پر یہ آیت نازل کی:

”فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ“

ایسا نہ کریں کہ سب کے سب نبی کو چھوڑ کر چلے جائیں، بلکہ کچھ سرایا میں جائیں اور کچھ نبی کے پاس رہ کر علم دین حاصل کریں اور اپنے اندر تفقہ پیدا کریں، کیونکہ اس کی بھی ضرورت ہے، پھر جب وہ واپس آئیں تو ان کو ڈرائیں اور علم دین سکھائیں، اگر سب کے سب جہاد میں چلے جائیں تو کیسے کام چلے گا!

جب اللہ نے انبیاء کے ذریعہ لوگوں کو دینِ حق کی طرف بلایا تو وہ اختلاف کرنے لگے: ”وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ“

اور یہ اختلاف صرف ضد اور عناد کی وجہ سے تھا، دلائل تو ان کے سامنے تھے، لیکن ضد کی وجہ سے وہ انکار کرتے رہے۔

”فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ“

البتہ جو لوگ صدقِ دل سے ایمان کے طالب اور حق کے متلاشی رہے حق تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی، اور ہدایت دینا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔ جسے چاہے وہ ہدایت دیتے ہیں اور جسے چاہے محروم کر دیتے ہیں۔

اصولی اختلاف فرض ہے

اس تفصیل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایک اختلاف اصول کا اختلاف ہوتا ہے۔ اس کو آپ ایمان اور کفر کا اختلاف کہہ سکتے ہیں، ایمان اور شرک کا اختلاف کہہ سکتے ہیں، یہ اختلاف مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ہوتا ہے، یہ اختلاف فرض ہے۔ مسلمان کو یہ اختلاف کرنے کا حق ہے۔ غیر مسلم کو مسلمان سے اختلاف کرنے کا کوئی حق نہیں، کیونکہ وہ اللہ کا باغی ہے اور صحیح دین اور صحیح راستے کو چھوڑے ہوئے ہے، مسلمان حق پر ہیں، غیر مسلم حق پر نہیں ہیں، لہٰذا غیر مسلم کو حق ہی نہیں پہنچتا ہے کہ وہ مسلم سے اختلاف کرے۔ اس لئے ایمان اور کفر کے مسئلہ میں مسلم اور غیر مسلم کبھی متحد نہیں ہو سکتے۔ اور متحد نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے مذہبی امور میں قلبی موافقت نہیں کی جاسکتی، اس کی تائید نہیں کی جاسکتی، اس سے نفرت ضروری ہوتی ہے، کیونکہ حق صرف ایک ہی مذہب ہے، اور وہ ہے اسلام، اسی کو حق سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ ''إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الإِسْلَامُ'' (آل عمران: ۱۹) مشرکین کا کہنا یہ ہے کہ حق میں تعدد ہوتا ہے۔ حق کئی ہو سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو ''وید'' کو مانتے ہیں، وہ بھی حق پر ہیں۔ جو لوگ تورات کو مانتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ جو لوگ انجیل کو مانتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ جو لوگ قرآن پاک کو مانتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ جو لوگ دہریے ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ جب کہ اسلام توحد کا قائل ہے کہ ''حق'' ایک ہی ہے۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ نے انجیل نازل کی، تورات نازل کی، زبور نازل کی، صحفِ ابراہیم و موسیٰ نازل کئے، پیغمبر بھیجے اس وقت اور ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا اس وقت قابلِ عمل صرف وہی تھا، جب اسلام آگیا تو اگرچہ وہ سب حق پر تھے لیکن اب قابل عمل صرف اسلام ہوگا وہ نہیں، سابقہ سماوی ادیان سب منسوخ ہوگئے: ''وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ'' (آل عمران: ۸۵)

اسلام آنے کے بعد اگر کوئی دوسرے اسلام کو لائے گا تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا، اس کا کوئی ثواب نہیں ہو گا، بلکہ ایمان نہ لانے کا عذاب ہو گا، چاہے وہ کتنے ہی مجاہدے کرے، کتنی ہی قربانیاں دے، کتنا ہی راہب بن جائے۔

حضرت ابراہیم کا نمونہ:

اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صاف اعلان فرمادیا تھا:

"قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ" (الممتحنہ:۴)

تمہارے لیے ابراہیم میں اور ان لوگوں میں جو کہ ایمان اور اطاعت میں ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے۔ جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض زیادہ ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفر و اسلام کا اختلاف بالکل واضح اختلاف ہے، بلکہ اللہ کے پاس انسانوں کی اصل تقسیم یہی ہے۔ نسل، رنگ، زبان، قومیت، قبیلے، علاقے اور وطن کی کوئی تقسیم نہیں ہے کیونکہ ساری زمین اللہ کی ہے، سارے رنگ اللہ نے بنائے ہیں، سارے قبیلے اللہ نے بنائے ہیں، ساری قومیں اللہ نے بنائی ہیں، ساری زبانیں اللہ نے بنائی ہیں، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تقسیم کوئی تقسیم نہیں ہے۔ یہ اختلاف کوئی اختلاف نہیں ہے، اختلاف اور تقسیم ہے تو اسلام اور کفر میں، سعادت اور شقاوت میں، نیک اور بد میں جنتی اور جہنمی میں ہے، اس پر کوئی مصالحت نہیں کی جاسکتی۔ چونکہ یہ اختلاف اصل اختلاف ہے، اسلام اور کفر کا اختلاف ہے اس لئے اس میں اتنی ہی باریکیاں اور نزاکتیں بھی ہیں، اس کے اصول وضوابط بھی انتہائی اہم ہیں۔ کسی کو کافر قرار دینا اور اسلام سے خارج قرار دینا کوئی آسان مسئلہ نہیں ہے، اس میں بہت زیادہ اعتدال کی ضرورت ہوتی ہے، بہت باریکیوں کو

ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، آج کے زمانے میں کسی مسلمان کو بہ آسانی کافر اور مشرک کہہ دیا جاتا ہے، یہ بہت خطرناک بات ہے، اس کے بھی کچھ اصول وضوابط ہیں، ہر کس وناکس کو ہر چھوٹے بڑے مسئلہ کی بنیاد پر کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، اس کی بہت سی صورتیں ہیں، بہت سی باریکیوں کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔

کفر کی مختلف صورتیں:

مثلاً ایک صورت یہ ہے کہ اگر کوئی بغیر جبر اکراہ کے خود اقرار کرے کہ میں مسلمان نہیں ہوں، یا میں اسلام قبول نہیں کرتا، میں مشرک ہوں یا یہودی ہوں، یا عیسائی ہوں تو ظاہر ہے کہ اس کو کافر کہیں گے، کیونکہ اس صورت میں اس نے خود اسلام کا انکار کرکے دوسرے مذہب کا اقرار کیا ہے۔

کفر کی دوسری صورت:

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان نعوذ باللہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے، اور دار الحرب جاکر کافروں کے ساتھ مل جائے یا لوگوں میں اُس کا اعلان کردے کہ میں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے تو چونکہ خود اس نے اسلام کے ترک کرنے کا اقرار کیا ہے اس لئے اس کو بھی کافر قرار دیا جائے گا۔

کفر کی تیسری صورت:

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ صراحۃ کفر کا یا ارتداد کا اقرار تو نہ کرے لیکن اسلام کے بنیادی عقیدوں میں سے کسی کا انکار کردے، مثلاً توحید کا، یا رسالت کا یا آخرت کا۔ یا قرآن پاک میں بالکل واضح اور نص قطعی سے ثابت یا احادیث متواترہ سے کوئی بات ثابت ہو اور اس میں کسی قسم کا شک اور احتمال نہ ہو اور اس کا انکار کردیا جائے تو وہ بھی کفر ہے۔ اگرچہ آدمی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، اور کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" بھی پڑھتا رہے، اپنے کو اہلِ قبلہ بتاتا رہے اور اپنے ذبیحہ کو اسلامی بتاتا رہے، لیکن چونکہ وہ اسلام کی ایک بات

کا منکر ہے، اور اس میں اللہ کا یا رسول اللہ کا غلط ہونا اور ان کا جھوٹا ہونا اور ان کا انکار لازم آتا ہے، اس لئے یہ صورت بھی کفر کی ہے۔

کفر کی چوتھی صورت:

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ دین کی کسی بات کا وضاحت کے ساتھ انکار تو نہ کرے لیکن ایسا عمل یا قول یا عقیدہ اختیار کرے جو قرآن یا انکارِ رسالت کے مترادف ہو، یہ براہِ راست رسالت کا انکار تو نہیں لیکن رسالت کے انکار کے برابر یا اس کے انکار کو مستلزم ہوتا ہے، یہ بھی کفر ہی کی صورت ہے۔

کفر کی پانچویں صورت:

(۵) پانچویں صورت یہ ہے کہ دین کے کسی مسئلہ، یا سنت، یا نبی یا اللہ کے ساتھ استہزاء کیا جائے، یا ان میں سے کسی کی تحقیر اور تذلیل کی جائے تو یہ بھی کفر ہے۔ یہ ساری کفر کی صورتیں ہیں۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کافر صرف ہندو ہیں، حالانکہ کافر ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو دین کی کسی یقینی اور ضروری بات کا انکار کر دے، یا مذکورہ صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اس میں پائی جائے، دنیا میں رائج کفر کے مختلف نام ہیں۔ کافروں کی ایک قسم مرتد ہے، ایک منافق ہے، ایک مشرک ہے، ایک دہریہ ہے جو خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں ہیں، ایک معطلہ ہے، ایک اہلِ کتاب ہے، بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اہل کتاب مسلم ہیں، جبکہ اہلِ کتاب بھی غیر مسلموں کی ایک قسم ہے، کافروں کی ایک قسم ہے، یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ کیونکہ مسلمان کہلانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ حضور اور حضور کی لائی ہوئی ساری باتوں پر ایمان لائے، اب یہ لوگ حضور ہی کو نہیں مانتے، اس لئے کافر ہیں، یہودی نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو، اور عیسائی حضور کو نہیں مانتے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مسلمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ایمان لائے لیکن وہ حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ یا کسی پچھلے پیغمبر کا انکار

کردے تو وہ کافر ہو جائے گا، کیونکہ سارے انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے، کسی ایک کا بھی انکار کفر ہے، چاہے وہ پیغمبر بہت قدیم ہی کیوں نہ ہوں، چاہے اُن کا مذہب باقی نہ ہو، چاہے اُن کا کوئی پیروکار باقی نہ رہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں سب پر ایمان لانے کا حکم ہے، اور کسی ایک کا انکار قرآن کا انکار ہے اور قرآن کی تکذیب ہے، اس لئے ایسا شخص دائرۂ ایمان سے خارج ہو جائے گا۔

تکفیر اور عدم تکفیر کے سلسلہ میں بے اعتدالی:

یاد رکھیں کہ شریعت میں کسی کی تکفیر کا مسئلہ نہایت ہی اہم ہے، مسلمانوں کا ایک طبقہ تو ایسا ہے جو ہر کس و ناکس کو کافر بناتا رہتا ہے۔ ان لوگوں کے پاس ہر وقت کفر کی اسٹامپ تیار رہتی ہے، جو ان کی خواہش اور ان کے مسائل کے خلاف چلتا ہے یہ لوگ اُس کو کافر بنادیتے ہیں۔ اور ان پر کفر کا ٹھپہ لگادیتے ہیں، دوسری جماعت ایسی ہے جو کسی کو بھی کافر نہیں بناتی۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے بس وہ مسلمان ہے، اس کو ہم کافر نہیں بتاسکتے، اور اس کو عالی ظرفی اور وسعت ظرفی سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ یہ بڑے وسیع الظرف آدمی ہیں، ان کے پاس تنگی نہیں ہے۔ ان کے درمیان محقق اور محتاط علماء کی ایک جماعت ہے جو کسی کو کافر، بدعتی اور گمراہ بتانے میں عجلت نہیں کرتی، بلکہ اعتدال اختیار کرتی ہے، کفر اور گمراہی کے اصولوں پر جانچنے کے بعد ان کے کفریہ یا گمراہانہ عقائد کی بنیاد پر انہیں کافر یا بدعتی یا گمراہ قرار دیتی ہے۔ لوگ الزام لگاتے ہیں کہ مولویوں کو صرف کافر بنانا آتا ہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ اہل حق کسی کو کافر بتاتے ہیں تو دلیل کی بنیاد پر، بغیر دلیل کے نہ کسی کو کافر قرار دیتے ہیں اور نہ گمراہ۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں بڑی پیاری بات فرمائی۔ ایک مرتبہ کسی نے اُن سے کہا تھا کہ مولوی حضرات لوگوں کو کافر بناتے رہتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ نہیں بھائی!

لوگ خود اپنے آپ کو کافر بناتے ہیں، اور ہم صرف شفقت میں اُن کے کفر کو بتاتے ہیں کہ تم کفر کر رہے ہو لہٰذا توبہ کرلو، اور اس سے باز آجاؤ۔ یہ انتہائی نازک اور محتاط معاملہ ہے۔ جو بھی اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اس پر کفر کا فتویٰ لگانا آسان کام نہیں ہے، اس میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، ایسے ہی اس کے برعکس مسئلہ ہے، جو مسلمان نہیں ہے، اُس کو مسلمان کہنا بھی غلط ہے۔

''أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ'' (النساء:۸۸)

جس کو اللہ نے گمراہ کیا تم اُس کو ہدایت والا بتاؤ گے؟ اس آیت میں اللہ نے بتادیا کہ جو کافر اور منافق ہیں ان کو مومن نہیں کہہ سکتے، ان کے بارے میں دو رائیں نہیں رکھ سکتے، ان کو صاف طور پر کافر ہی کہنا پڑے گا۔ وہ مومن نہیں ہوسکتے۔ رہا کسی مسلمان کو کافر قرار دینے کا مسئلہ تو خود قرآن میں اللہ نے فرمایا:

کسی کو کافر قرار دینے کے سلسلہ میں قرآنی تعلیم:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا'' (النساء:۹۴)

اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کرکے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے، دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا سو غور کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

اگرچہ یہ آیت سفر کے موقع پر خاص پس منظر میں نازل ہوئی ہے، لیکن مفسرین نے وضاحت کی ہے وہ آیت سفر اور اس واقعہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم عام ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی پر کفر کا حکم یا کسی کے بارے میں کفر کا گمان محض

یوں ہی نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس کے لئے بہت ہی تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے، اور جس پس منظر میں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور جن لوگوں کو صحابہ نے مسلمان ہونے کے اقرار کے باوجود کافر سمجھ کر قتل کر دیا تھا ان کو اللہ کے نبی نے مسلمان ہی قرار دیا اور صحابہ کو تنبیہ فرمائی کہ تم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، کیا تم نے ان کے دل کو پھاڑ کر دیکھا تھا کہ وہ مسلمان ہیں یا کافر کس بنیاد پر انہیں قتل کیا اور کس بنیاد پر انہیں کافر سمجھا؟ اس سے پتہ چلا کہ کفر کا حکم لگانے میں اور کسی پر کفر کے احکام جاری کرنے میں اور کسی پر کفر کا گمان کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔

کفر کا حکم لگانے میں نبوی تعلیمات:

ایسے ہی احادیث میں اللہ کے نبی نے اور بھی زیادہ احتیاط کا حکم دیا ہے، اور اس پر سخت وعید بیان فرمائی ہے، صحیح بخاری میں ایک روایت ہے، نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا“ (صحیح بخاری: کتاب الادب، ۵۷۵۲)

جب کوئی آدمی اپنے بھائی سے کہتا ہے اے کافر تو وہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی پر لوٹتا ہے۔

مسند احمد میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے:

”إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِصَاحِبِهِ يَا كَافِرُ فَإِنَّهَا تَجِبُ عَلَى أَحَدِهِمَا فَإِنْ كَانَ الَّذِي قِيلَ لَهُ كَافِرٌ فَهُوَ كَافِرٌ وَإِلَّا رَجَعَ إِلَيْهِ مَا قَالَ“ (مسند احمد: مسند عبداللہ ابن عمر، ۵۸۲۴)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ اے کافر تو وہ ان دونوں میں سے کسی کے لئے ہی واقع ہوتا ہے، پس اگر وہ واقعۃً ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ اس نے کہا تو وہ کافر ہوتا ہے ورنہ کفر کی بات اسی کی طرف لوٹتی ہے جس نے کہی ہے۔

صحیح ابن حبان میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس کی اور وضاحت مروی ہے، اللہ کے نبی نے فرمایا:

”مَا أَكْفَرَ رَجُلٌ رَجُلًا قَطُّ إِلَّا بَاءَ أَحَدُهُمَا بِهَا إِنْ كَانَ كَافِرًا وَإِلَّا كَفَرَ بِتَكْفِيرِهِ“ (صحیح ابن حبان: کتاب الایمان: باب ماجاء فی صفات المومنین، ۲۴۸)

کوئی آدمی کسی کو کافر قرار نہیں دیتا ہے مگر یہ کہ وہ ان میں سے ایک کی طرف لوٹتا ہے، اگر وہ کافر ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو کافر قرار دینے سے یہ کافر ہو جاتا ہے۔

کیونکہ اگر وہ مسلمان ہے اور یہ اس کو کافر قرار دے رہا ہے تو وہ گویا اسلام کا انکار کر رہا ہے اس لئے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ بعض علماء نے اس کی تاویل کی ہے کہ در اصل یہاں کفر کا لوٹنا مراد نہیں ہے بلکہ اس طرح کے جملے کہنے کا وبال اور اس کے گناہ کا لوٹنا مراد ہے۔

اہلِ ایمان کی تین علامتیں:

ایسے ہی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ثَلَاثٌ مِنْ أَصْلِ الْإِيْمَانِ: اَلْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نُكَفِّرُهُ بِذَنْبٍ وَلَا نُخْرِجُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ" (سنن ابی داود: کتاب الجهاد، ۲۵۳۲)

تین چیزیں ایمان کی اصل میں سے ہیں، جو لا الہ الا اللہ کہے تو اس کے بارے میں رکے رہنا، اور گناہ کی وجہ سے کسی کو کافر قرار نہ دینا، اور نہ کسی عمل کی وجہ سے کسی کو اسلام سے خارج قرار دینا۔ بعض روایات میں ہے:

"فَمَنْ أَكْفَرَ أَهْلَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَهُوَ إِلَى الْكُفْرِ أَقْرَبُ" (المعجم الکبیر: ۱۳۰۸۹)

جو لا الہ الا اللہ کہنے والے کو کافر قرار دے تو وہ کفر کے قریب ہو جاتا ہے، ان ساری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی پر کفر کا حکم لگانا کوئی آسان کام نہیں ہے، بلکہ اس میں احتیاط کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔

کفر اور اسلام کی محتمل عبارتوں کا محمل:

اسی بنیاد پر علماء اور فقہاء نے کسی پر بھی کفر کا حکم لگانے میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا ہے، اور جب تک کفر واضح نہیں ہوا اس وقت تک ان کو کافر قرار دینے میں گریز کرتے رہے، اور اسی بنیاد پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی آدمی سے کوئی بات ایسی سرزد ہو جائے جس میں کئی احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام یعنی اس کے مسلمان باقی رہنے کا ہو تو جب تک اس کا

موقف سامنے نہ آجائے اور اس کی وضاحت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے ساتھ حسن ظن کی بنیاد پر اسی ایک اسلام والے اور اس کے مسلمان باقی رکھنے والے احتمال کو دیکھا جائے گا اور اس کے کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے گا، یہ مفتی کی ذمہ داری ہو گی، ہاں اگر اس کا موقف سامنے آگیا، اور یہ بات واضح ہوگئی کہ کہنے والے کا مقصد کفریہ ہی ہے تو اب اس کے کفر کا فتویٰ دیا جائے گا۔

کفر اور تکفیر میں نزاکت:

اس سے معلوم ہوا کہ کفر اور چیز ہے اور کسی کی تکفیر اور چیز ہے، اگر کہنے والے کا مقصد ہی کفریہ ہے تو اس کلمہ کے کہنے سے وہ کافر تو ہو جائے گا لیکن مفتی فوراً اسے کافر قرار نہیں دے سکتا، کیونکہ کہنے والے کی بات میں اسلام پر باقی رہنے کا بھی احتمال ہے، کیونکہ پہلے سے وہ مسلمان تھا کافر نہیں، اس لئے محض کفر کے احتمال کی بنیاد پر کسی کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ اس کے کفر کا یقین نہ ہو جائے، اور کہنے والا اپنے کفریہ مقصد اور کفریہ معنیٰ کا التزام اور وضاحت نہ کرے۔ (غمز عیون الابصار: ۱۹۰/۲۔فتاویٰ ہندیہ: ۲۸۳/۲۔شامی: باب المرتد، ۲۵۷/۱۶۔فتح القدیر: ۷۷/۱۲۔البحر الرائق: ۱۳۴/۵)

ہاں جو وضاحت کے ساتھ اپنے کو کافر کہے، یا اسلام کسی رکن یا دین کی بدیہیات اور قطعیات انکار کرے یا کسی بت اور مورتی کو سجدہ کرے یا غیر مسلموں کے مذہبی امور کو اختیار کرے تو اس کے ان کلماتِ کفریہ اور اعمالِ کفریہ کی بنیاد پر کافر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ یہاں اس کا کفر بالکل واضح ہے۔

ایک غلط تعبیر کی اصلاح:

کچھ لوگ اس مسئلہ میں غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کی زبانوں پر یہ جملہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کے اندر ننانوے باتیں کفر کی ہوں اور ایک بات اسلام کی ہو تو اُس کو مسلمان ہی کہنا چاہیے۔ یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ اگر آدمی کفر کی ایک بات بھی کر دے گا تو کافر ہو جائے گا،

صحیح بات وہ ہے جو اوپر گزر چکی ہے کہ اگر کسی کی کوئی ایک بات میں مختلف مطلب نکلتے ہوں اور اُن مختلف مطالب میں سے ننانوے مطلب کفر کے نکل رہے ہیں اور ایک مطلب ایمان کا نکل رہا ہے تو اس ایمان والے ایک مطلب کو لیا جائے گا، اور کفر کے محتمل مطلب کو چھوڑ دیا جائے گا۔

اس کے بر عکس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو مسلمان ہیں، کلمہ گو ہیں، نمازی ہیں، وہ بھی مسلمان ہی رہیں گے، ان کو کافر قرار نہیں دینا چاہیے، چاہے وہ کفریہ بات یا کفریہ عقیدہ ہی اختیار کیوں نہ کریں، ان کا یہ نظریہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں جن اہلِ کتاب کو کافر قرار دیا گیا تھا وہ اللہ کے بھی قائل تھے، آخرت کے بھی قائل تھے، قبر کے بھی قائل تھے، حشر کے بھی قائل تھے، لیکن حضور ﷺ کا انکار کرتے تھے، چونکہ وہ دوسرے عقائد مانتے تھے اس لئے حضور کو نہ ماننے کے باوجود کیا انہیں مسلمان کہا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ نہیں، ایسے ہی مشرکین مکہ تھے جو اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے، قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اللہ کو رازق مانتے تھے، اللہ کو محیی اور ممیت مانتے تھے، اور تمام امور کا مدبّر مانتے تھے۔

"قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ" (یونس:۳۱)

آپ ان مشرکین سے کہیئے کہ (بتلاؤ) وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے، یا (یہ بتلاؤ) وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور کون ہے جو جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکالتا ہے اور بے جان (چیز) کو جاندار سے نکالتا ہے اور کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے (ان سے یہ سوالات کیجیے) سو ضرور وہ (جواب میں یہی کہیں گے کہ (ان سب افعال کا فاعل) اللہ ہے۔ اس کے علاوہ وہ حج کیا کرتے تھے، حاجیوں کو پانی پلاتے تھے، ان کی خدمت کرتے تھے، بہت سے لوگوں میں شادی کا نظام صحیح تھا، بہت سے لوگوں کا کاروبار صحیح تھا، سچ کو اہمیت دیتے تھے، وعدے کی موافقت تھی، ایسی

بہت ساری باتیں اُن میں پائی جاتی تھیں، کیا ان خوبیوں کی وجہ سے انہیں مسلمان کہنا صحیح ہو گا؟ پتہ چلا کہ دین کی تمام قطعی اور بدیہی باتوں پر ایمان ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر کا سبب ہے۔ صرف چند باتوں کے مان لینے اور کلمہ پڑھنے لینے سے کسی کو مسلمان نہیں کہا جائے گا جب تک کہ وہ تمام باتوں کو نہ مانے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ پیشاب ایک ناپاک اور نجس چیز ہے، جس چیز میں یہ مل جائے وہ ناپاک ہو جاتی ہے، ایک باؤلی پانی میں مل جائے تو سارا پانی ناپاک، ایک برتن دودھ میں مل جائے تو سارا دودھ ناپاک، اگرچہ وہ پیشاب کا ایک قطرہ ہی ہے، ایسے ہی ایمان کے ساتھ اگر کفر مل جائے اب ایمان ایمان باقی نہیں رہتا بلکہ آدمی کو اس کفر کی وجہ سے کافر قرار دے دیا جاتا ہے۔ جیسے اس ایک ناپاک قطرے سے برتن کا سارا دودھ اور چھوٹے کنوئیں کا پانی ناپاک اور خراب ہو جاتا ہے ایسے ہی دین کے کسی مسئلہ میں گڑبڑ ہو جائے تو سارا دین تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔

تکفیر کا بنیادی اصول:

اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ دین کی کچھ باتیں قطعی ہوتی ہیں، کچھ باتیں غیر قطعی ہوتی ہیں، کچھ باتیں بالکل واضح ہوتی ہیں اور کچھ غیر واضح ہوتی ہیں، تو جو باتیں قطعی الثبوت یعنی قطعی طور پر ثابت ہوتی ہیں، اور قطعی الدلالۃ یعنی بالکل واضح ہوتی ہیں جس میں کسی قسم کا احتمال اور شبہ نہیں ہوتا وہ عقیدہ میں شامل ہو جاتی ہیں، ان کا انکار کفر ہوتا ہے، یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ایک ہے قرآن پاک کے الفاظ، اور ایک ہے ان الفاظ سے ثابت ہونے والی بات، جہاں تک قرآن کے الفاظ کا تعلق ہے تو ان کا ایک ایک حرف متواتر اور قطعی ہے، اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا، الفاظ کے ثبوت میں اگر شک ہو تو کافر ہو جائیں گے، کیونکہ قرآن پاک سارا قطعی ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، اس میں شک اور تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور جو بات ان الفاظ اور عبارات سے ثابت ہو اور واضح ہو، اس میں کسی قسم کا احتمال اور شبہ نہ ہو تو ایسی قطعی اور واضح بات کا انکار بھی کفر ہے۔

آیاتِ قرآنیہ اور حدیثِ متواتر کے انکار کا حکم:

احادیثِ متواترہ ان احادیث کو کہا جاتا ہے جن کو ہر زمانے میں اتنے لوگوں نے نقل کیا ہو جن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو، رسول اللہ ﷺ سے کئی صحابہ نے اس کو نقل کیا ہو، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت سے تابعین نے اسے سنا ہو، پھر تابعین سے بہت سے تبع تابعین نے اس کو سنا ہو، جب کوئی روایت اس طرح منقول ہو تو وہ متواتر کہلاتی ہے، اور ظاہر ہے کہ جب ہر زمانے میں اتنے لوگ اس کو نقل کرنے والے اور سننے والے رہے تو وہ یقینی طور پر ثابت ہوگی، اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہوگا، اس لئے اس کو قطعی الثبوت کہتے ہیں، اور جو احادیث اس طرح منقول نہ ہوں یعنی حضور سے اس کو سننے والے کم ہوں، نقل کرنے والے کم ہوں، تواتر کی حد کو نہ پہنچے ہوئے ہوں تو ان کو متواتر نہیں کہتے، یا تو ان کو احادیثِ مشہورہ یا اخبارِ آحاد کہتے ہیں، احادیثِ مشہورہ اور اخبار آحاد درجہ کے اعتبار سے متواتر سے کم ہوتی ہیں۔ کیونکہ کچھ احادیث ایسی ہوتی ہیں جن کا تذکرہ مجمع میں یا خطبہ میں ہوتا ہے، اور بہت سارے لوگ اُس کو سن کر نقل کر دیتے ہیں، کچھ احادیث خاص مجلس میں یا سفر میں یا انفرادی ملاقاتوں میں سوال کے جواب میں بیان کی گئی ہوتی ہیں اس اعتبار سے حدیث کی یہ تین بنیادی قسمیں بنتی ہیں، ان میں سے متواتر حدیث قطعی ہوتی ہے۔ ایسے ہی اجماع امت سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ بھی قطعی ہوتی ہے، اس کی کچھ صورتیں ایسی ہیں جن کا منکر کافر ہوتا ہے، اور کچھ صورتیں وہ ہوتی ہیں جن کا منکر کافر تو نہیں البتہ فاسق فاجر اور اہل سنت سے خارج ہوتا ہے۔

غرض آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ واضح بھی ہو، اُس کے کئی معنی نہ نکلتے ہوں، اُس میں کوئی شبہ باقی نہ ہو، اور اس میں کسی قسم کی کوئی کنفیوژن نہ ہو تو ایسی آیاتِ قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کو "قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ" کہتے ہیں، اور اس سے ثابت ہونے والی بات قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہوتی ہے، سارا قرآن پاک قطعی الثبوت تو ہے، لیکن بعض آیات قرآنیہ قطعی الدلالۃ نہیں، یعنی ایسی آیات ہیں جن میں کئی معانی کا احتمال ہے، دونوں مثالیں آپ سماعت فرمائیں۔

سفر اسراء کے منکر کا حکم:

جیسے معراج کی رات اللہ کے نبی کا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ جانا قرآن سے ثابت ہے، اس کو اسراء کہا جاتا ہے، یہ وضاحت کے ساتھ قرآن میں موجود ہے، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ معراج کی رات آپ کا جانا نیند کی حالت میں تھا یا بیداری کی حالت میں، جسم کے ساتھ یا روح کے ساتھ، لیکن جانا قطعی طور پر واضح الفاظ میں موجود ہے، اس پر ایمان ضروری ہے، اس کا انکار کفر ہے۔ یہ بات قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہے۔

کچھ باتیں وہ ہوتی ہیں جو قطعی الثبوت تو ہوتی ہیں لیکن قطعی الدلالۃ نہیں ہوتیں، جیسے سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۲۸ میں فرمایا: "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ"

یہ تو آیتِ قرآنیہ ہے، اس کا ایک ایک حرف قطعی الثبوت ہے البتہ اس میں ایک لفظ ہے: قروء، اس لفظ کے معنیٰ میں دو احتمال ہیں، بعض لوگ اس سے طہر مراد لیتے ہیں اور بعض لوگ حیض، اب معنیٰ میں جب احتمال پیدا ہو گیا تو یہ قطعی الدلالۃ نہیں رہی، الفاظ کے ثبوت میں کسی قسم کا شک نہیں، لیکن معنیٰ میں دو احتمال ہیں، اب کونسا معنیٰ مراد لیا جائے، مجتہدین اور مفسرین دیگر قرآئن اور آیات مبارکہ اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں اس کی تعیین کرتے ہیں، تو جو باتیں قطعی الثبوت تو ہوں لیکن قطعی الدلالۃ نہ ہوں تو ان کے انکار کرنے والے کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، اور جو بات قرآن پاک کی آیات اور احادیثِ مبارکہ سے قطعی طور پر ثابت ہو اور قطعی الدلۃ بھی ہو یعنی اس میں کوئی اور احتمال نہ ہو تو اس کا انکار کفر ہوتا ہے، قرآن و حدیث میں اس قسم کی جتنی بھی باتیں ہیں اُن ساری باتوں کو بغیر کسی تردد کے من و عن پوری کی پوری قبول کر لینا مسلمان رہنے کے لیے لازم ہے۔ اگر آدمی ان میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرتا ہے اگرچہ وہ ہزار باتوں کو مان لے پھر بھی وہ کافر ہی ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں کچھ ایسے ہیں جن پر کفر کے فتوے دئے گئے ہیں، مثلاً قادیانی ہیں، مہدوی ہیں۔ اگرچہ وہ سب کلمہ پڑھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، سب عبادات کرتے ہیں لیکن ان پر کفر یا گمراہی کا فتویٰ لگا ہوا ہے، کیونکہ اسلام کی قطعی اور واضح باتوں کا اور عقائد کا وہ انکار کرتے ہیں۔

کیا تکفیر کے لئے قطعی الثبوت کے ساتھ بدیہی ہونا بھی ضروری ہے؟

جو باتیں قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہوتی ہیں اس کے دو درجے ہیں، یا تو وہ بدیہی ہوں گی، یا بدیہی نہیں ہوں گی۔ بدیہی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جنہیں دلیل کی اور غور و فکر کر کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو اور وہ لوگوں میں معروف اور مشہور ہوں، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ اسلام کی یہ عبادتیں اور یہ احکام قطعی اور واضح طور پر ثابت ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ لوگوں میں معروف اور مشہور بھی ہیں، ایسی باتوں کو ضروریاتِ دین اور بدیہیات دین کہتے ہیں۔ اگر کوئی ان میں سے کسی بات کا بھی انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی انکار کے بعد یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا تو اس کو معذور نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ یہ "ضروریاتِ دین" میں سے ہے، اس آدمی کو اس کا معلوم کرنا ضروری تھا، اگر اس کو اس کا بھی علم نہ ہو تو اس کو معذور نہیں سمجھا جائے گا، اس لئے اس کو کافر قرار دیا جائے گا، اس کے لئے توبہ اور استغفار کرنا ضروری ہو گا، اور اگر شادی شدہ تھا تو تجدید نکاح بھی ضروری ہو گا۔ ایسے ہی چوری، شراب اور زنا کی حرمت بھی ثابت ہے، اب اگر کوئی ان کو حلال سمجھتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ جو چیزیں قطعی الثبوت ہوں، قطعی الدلالۃ ہوں، ضروریات اور بدیہیاتِ دین میں سے ہوں تو ان میں سے کسی کا انکار کفر کا سبب ہے۔

غیر بدیہی امور میں تکفیر سے قبل شرعی ہدایات:

دوسرا درجہ یہ ہے کہ شریعت کے کچھ احکام قطعی اور واضح طور پر ثابت تو ہوتے ہیں، لیکن لوگوں میں معروف اور مشہور نہیں ہوتے کیا ان کا انکار بھی کفر ہوتا ہے یا نہیں؟ علماء کی اس میں دو رائیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ ایسی چیزوں کا انکار بھی کفر ہے، لیکن دوسری رائے جو صحیح ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت علماء کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ اس آدمی کو کافر قرار نہ دیں، بلکہ اسے بتائیں اور سمجھائیں اور صحیح بات کی دعوت دیں۔ اور دلیل کے ذریعہ مسئلہ کو بیان کریں۔ اور پھر عوام کو بھی اس سے متنبہ کریں، اور دور رہنے کا حکم دیں، تاکہ عوام اس کے گمراہ عقائد اور نظریات میں مبتلا نہ ہوں۔ اس کے ساتھ معاملات اور مجالست سے بھی احتیاط کی

جائے تا کہ تنبیہ ہو۔ اگر وہ مان جائے تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں مانتا ہے تو پھر اس وقت اس پر اس کے عقائد اور نظریات کے اعتبار سے حکم لگائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو باتیں قطعی، اور واضح ہوں اور لوگوں میں معروف اور مشہور بھی ہوں تو ان میں سے کسی کا ایک کا انکار بھی کفر ہے، اور اگر وہ لوگوں میں معروف اور مشہور نہیں ہیں تو اولا اس انکار کرنے والے کی تفہیم کی جائے گی، اگر وہ مانتا ہے تو ٹھیک ہے، اور اگر حق سامنے آنے کے بعد اور دلائل سامنے آنے کے بعد انکار کرتا ہے تو پھر اس کی تکفیر کی جائے گی۔

ایسے ہی جو مسائل ایسے ہیں جن میں کفر کا تو حکم نہ ہو لیکن گمراہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہو تو وہاں بھی اولا یہی طریقہ اختیار کیا جاے، پہلے مسئلہ کی وضاحت کی جائے، صحیح بات ان کو بتائی جائے، اور دلائل سے مسئلہ کو ثابت کیا جائے، اگر وہ صحیح بات قبول کرتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان پر گمراہ ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اور لوگوں کو ان سے روکا جائے گا، اور ان سے برأت اور علاحدگی اختیار کی جائے گی۔

دینی امور کے بدیہی ہونے کا معیار:

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ لوگوں میں معروف اور مشہور ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر عام وخاص مسلمان اس سے واقف ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو دیندار لوگ ہیں، جن کا علماء اور صلحاء سے ربط اور تعلق ہوتا ہے، اگر وہ باتیں اس قسم کے لوگوں میں معروف اور مشہور ہوں تو ان کو بدیہیاتِ دین کہا جاتا ہے، اور اگر ان کو معلوم نہ ہوں تو غیر بدیہی کہا جاتا ہے۔ ہر ہر عامی کو معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ تو ایسے لوگوں کو جو دین کے قطعیات اور بدیہیات کا انکار کرتے ہیں اور ان میں تاویلات کرتے ہیں کافر اور زندیق کہا جاتا ہے، زندیقہ بھی دراصل کفر کی ایک قسم ہے:

زندیق کی تعریف؟

زندیق لغت میں بد دین اور بد عقیدہ والے کو کہتے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو اسلام ظاہر کرتا ہو اور باطن میں عقائد کفریہ رکھتا ہو، اور غلط تاویلات سے

اپنے ان کفریہ عقائد کو عقائد اسلام قرار دیتا ہو۔

”وَاِنْ کَانَ مَعَ اِعْتِرَافِهٖ بِنُبُوَّةِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَاِظْهَارِ شَعَائِرِ الْاِسْلَامِ یُبْطِنُ عَقَائِدَهٗ یُکْفَرُ بِالْاِتِّفَاقِ خُصَّ بِاسْمِ الذِّنْدِیْقِ“ (شرح المقاصد: ۲/۲۶۹)

اس لئے ایسے آدمیوں کو جو اسلام کے اظہار کے ساتھ کفریہ عقائد اختیار کرتے ہیں اور دین کے ان بدیہیات کا انکار کرتے ہیں جو قطعی طور پر دوٹوک الفاظ میں قرآن وحدیث میں موجود ہوتے ہیں اور اس میں من گھڑت تاویلات کرتے ہیں کافر اور زندیق کہتے ہیں۔

اس تفصیل سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ مسئلہ تکفیر یعنی کسی کو کافر قرار دینے کا مسئلہ کتنا اہم ہے، لیکن آج کچھ عوام اور کچھ دین کے نام لیوا رہنماؤں کی زبانیں ہر اس مسلمان کے بارے میں جو ان کے مسلک اور مذہب پر عمل پیرا نہیں ہیں کفر اور شرک سے تر رہتی ہیں۔ بلکہ بعض تو بالکل مسئلہ کی حقیقت سے ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں بلکہ دو چار مسئلوں کے بارے میں ناقص معلومات حاصل کرکے کسی کو کافر اور مشرک کہنے میں جھجکتے بھی نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں کو ذرا ان احادیث مبارکہ اور آیاتِ قرآنیہ کو پڑھنا چاہیے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

اسلام اور کفر کی اجمالی صورت:

اس سلسلہ میں ایک بات اور عرض کردوں کہ جیسے ایمان میں ایک حصہ اجمال کا ہوتا ہے اور ایک حصہ تفصیل کا ہوتا ہے۔ ایسے ہی کفر میں بھی ایک حصہ اجمال کا ہوتا ہے اور ایک حصہ تفصیل کا۔ اجمال کا مطلب یہ ہے کہ مجملا ایمان لایا جائے، جیسے آدمی قلب میں یہ اعتقاد رکھے کہ میرا اللہ پر اللہ کے رسول پر اور ان تمام چیزوں پر ایمان ہے جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے، البتہ جیسے جیسے تفصیلات اس کے سامنے آتی ہیں اُس کی تصدیق کرنا اس پر ضروری ہوتا ہے۔ ایسے ہی ایک کفر اجمالی ہوتا ہے اور ایک کفرِ تفصیلی۔ جیسے اگر کوئی کفریہ عقائد اختیار کرے، یا دین کے بدیہی اور قطعی باتوں کا انکار کرے تو یہ صریح کفر ہے، ایسے ہی جو صراحۃ کفر نہ کرے، دین کے بدیہی اور قطعی باتوں کا انکار نہ کرے لیکن اپنے آپ کو کفر کی طرف منسوب کرے، یا کفریہ عقیدہ رکھنے والوں کے ساتھ بتائے تو یہ بھی کفر ہے، لیکن یہ

اجمالی کفر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو اپنے آپ کو مسلمان اور اہلِ حق کی طرف منسوب کرتا ہے تو اُس پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے، اور جو اپنے آپ کو کفر کی طرف یا کفریہ فرقہ کی طرف منسوب کرتا ہے تو اُس پر کفر کا حکم لگایا جاتا ہے، اگرچہ اس کو ان کے تمام عقائد کی تفصیلات معلوم نہ ہوں۔ اس لئے کفر سے بری ہونے کے لئے اُن سے برائت ضروری ہوتی ہے۔ اور ہر قوم میں، ہر طبقے میں، ہر جماعت میں غفلت کا ایک دور آتا ہے اور آدمی کو خود معلوم نہیں ہوتا ہے کہ میرا کس جماعت سے تعلق ہے اور میرا کیا عقیدہ ہے؟ اہل السنۃ والجماعۃ سے تعلق رکھنے والوں کو نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے عقائد کیا ہیں اور ان کی تفصیلات کیا ہیں؟ امریکہ میں بھی بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو گمراہ فرقوں کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن اُن کو اس فرقے کے عقائد معلوم نہیں ہوتے، اس صورت میں فرقہ پر جو حکم ہوتا ہے ان افراد کا بھی وہی حکم ہوتا ہے۔

اگر کسی فرقے کے افکار و نظریات ایسے ہیں جن کے بارے میں علماء نے تردد فرمایا ہے اور ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا ہے تو ایسے فرقے کو اور اس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں کو ظاہر ہے کہ کافر نہیں کہا جائے گا، ان کو گمراہ قرار دیا جائے گا۔ یہ کچھ باتیں اصولی اختلاف یعنی اسلام اور کفر اور تکفیر کے اصولوں سے متعلق عرض کی گئیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کے ایمان کو سلامت رکھے، عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ فتنوں سے حفاظت فرمائے اور ہمیں مذہب حق کی پیروی کرنے والا بنادے۔ (آمین)

اختلاف کی اقسام اور ان کے احکام

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فتنوں اور اختلاف سے متعلق مضامین آپ کو سنائے جارہے تھے ان میں سے ایک اہم مضمون اختلاف کی قسموں سے متعلق ہے، جو علمی مضمون ہے، اس کا خلاصہ آپ کے سامنے بیان کرنے کی کوشش کروں گا، کچھ باتیں اس تعلق سے آپ کے سامنے ذکر کی گئیں تھیں، اب کچھ اور سماعت فرمائیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر مستقل طور پر ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام احکام الایتلاف فی احکام الاختلاف ہے، اس میں حضرت نے اختلاف کی دس قسمیں اور ان کے احکام بیان فرمائے ہیں۔

اختلاف کی بنیادی دو قسمیں:

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بنیادی طور پر اختلاف کی دو قسمیں ہیں۔(۱) حقیقی۔(۲) غیر حقیقی۔ واقعی اور غیر واقعی۔ حقیقی اختلاف اُس کو کہتے ہیں کہ جس میں ایک ہی چیز پر دو حکم ایک ساتھ نہ لگائے جاسکتے ہوں، دونوں ایک ساتھ صحیح نہیں ہوسکتے۔ غیر حقیقی سے مراد یہ ہے کہ دونوں حکموں میں تعارض نہ ہو بلکہ دونوں صحیح ہو سکتے ہوں، اور اس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ دو حکم دو متعدد چیزوں پر لگائے جائیں، دونوں حکموں کے محل میں تعدد ہو، یا ایک ہی چیز پر دو حکم لگائے جائیں لیکن اختلافِ زمان و مکان کے اعتبار سے، یعنی الگ الگ اوقات اور الگ الگ جگہوں کے اعتبار سے حکم لگائے جائیں۔

اختلاف کی دس قسمیں:

اختلاف کی ان بنیادی دو قسموں سے پھر دو قسمیں اور نکلتی ہیں، دنیوی امور میں اختلاف اور دینی امور میں میں اختلاف۔ پھر دنیوی امور میں اختلاف کی دو قسمیں ہیں ایک منشاء صحیح کی وجہ سے اختلاف، دوسرے منشاء غیر صحیح کی وجہ سے اختلاف، اسی طرح دینی معاملہ میں اختلاف کی دو قسمیں ہیں، ایک اصول کا اختلاف۔ دوسرے فروع کا اختلاف، فروعی اختلاف کی دو قسمیں ہیں، ایک دلیل کی بنیاد پر اختلاف، دوسرے بلا دلیل کے اختلاف، پھر اصولی اختلاف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ایمان و کفر کا اختلاف، دوسرے سنت و بدعت کا اختلاف، اختلاف کی یہ ساری قسمیں اختلاف حقیقی کی ہیں۔ اختلاف غیر حقیقی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بندہ کے فعل سے اختلاف ہو، اور دوسرے خالق کے فعل سے اختلاف ہو، خالق کے فعل سے جو اختلاف ہو اس کی دو قسمیں ہیں، ایک طبیعتوں کا اختلاف، دوسرے شریعتوں کا اختلاف، پھر شریعتوں کے اختلاف کی دو قسمیں ہیں، ایک ایک ہی شریعت میں اختلاف، دوسرے متعدد شریعتوں میں اختلاف۔

ان دس اقسام کو سمجھنے میں سہولت کے لئے اس ترتیب کے ساتھ ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) اختلاف حقیقی ہو، دینی امور میں اختلاف ہو، اور دین کے اصولوں میں ہو، جیسے ایمان اور کفر کا اختلاف۔

(۲) اختلاف حقیقی ہو، دینی امور میں اختلاف ہو، اور دین کے اصولوں میں ہو، ایمان اور کفر کا اختلاف نہ ہو بلکہ سنت اور بدعت کا اختلاف ہو۔

(۳) اختلاف حقیقی ہو، دینی امور میں ہو، اور فروع میں ہو، اور دلیل کی بنیاد پر ہو۔

(۴) اختلاف حقیقی ہو، دینی امور میں ہو، اور فروع میں ہو، اور بلا دلیل ہو۔

(۵) اختلاف حقیقی ہو، دنیوی امور میں ہو اور صحیح منشے کی بنیاد پر ہو۔

(۶) اختلاف حقیقی ہو، دنیوی امور میں ہو، غلط منشے کی بنیاد پر ہو۔ نفسانیت اور خواہشات کی اتباع کی بنیاد پر یہ اختلاف پیدا ہو۔

(۷) اختلاف غیر حقیقی ہو، اور اللہ کے فعل کی وجہ سے ہو، اور ایک ہی شریعت میں یہ اختلاف ہو۔

(۸) اختلاف غیر حقیقی ہو، اللہ کے فعل کی وجہ سے ہو، یہ اختلاف شریعتوں کا اختلاف ہو۔

(۹) اختلاف غیر حقیقی ہو، اللہ کے فعل سے اختلاف وجود میں آئے، لیکن یہ اختلاف طبیعتوں کا اختلاف ہو۔

(۱۰) اختلاف غیر حقیقی ہو، اور بندہ کے فعل سے وجود میں آئے۔ جیسے مختلف چیزیں بنانا، مختلف ملازمتیں اور تجارتیں اختیار کرنا۔

اخیر کی یہ چار قسمیں غیر حقیقی ہیں، یہ اختلاف مضر نہیں ہے، بلکہ یہ حق تعالیٰ کی حکمتِ الٰہی کے عین مطابق ہے، اس میں حق تعالیٰ کی قدرت کا اظہار بھی مقصود ہوتا ہے۔ ان اقسام کے اجمالی تذکرہ کے بعد اب ہم ان کا کچھ تفصیلی تذکرہ کرتے ہیں۔

اختلافِ حقیقی:

سب سے پہلی قسم یہ ہے کہ اختلاف حقیقی ہو، حقیقی اختلاف اُس کو کہتے ہیں کہ جس میں ایک ہی چیز پر دو حکم ایک ساتھ نہ لگائے جاسکتے ہوں، دونوں ایک ساتھ صحیح نہیں ہوسکتے، بلکہ دونوں میں سے ایک ہی حکم صحیح ہوتا ہے، مثلاً حلال اور حرام کا اختلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک چیز یا عمل یا تو حلال ہوگا یا حرام، حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو ایسا نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ اس کو حلال کہیں گے تو وہ حرام نہیں ہوگی۔ اور اگر حرام کہیں گے تو حلال نہیں ہوگی۔

اختلاف غیر حقیقی:

اختلاف کی بنیادی دوسری قسم اختلاف غیر حقیقی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ دونوں چیزیں یا دونوں حکم ایسے ہوں جن میں تعارض نہ ہو بلکہ دونوں صحیح ہوسکتے ہوں، اور اس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ دو حکم دو متعدد چیزوں پر لگائے جائیں، دونوں حکموں کے محل میں تعدد ہو، یا ایک ہی چیز پر دو حکم لگائے جائیں لیکن اختلافِ زمان و مکان یعنی الگ الگ اوقات

اور الگ الگ جگہوں کے اعتبار سے لگائے جائیں، جیسے ایک پتھر سیاہ ہے اور دوسرا سفید، یہاں اختلاف تو ہے لیکن یہ اختلاف کوئی مضر نہیں ہے، دونوں صحیح ہیں، کیونکہ دونوں کا محل الگ الگ ہے اس لئے دونوں حکم صحیح ہیں، یا جیسے ایک زمانہ میں شراب حلال تھی دوسرے زمانے میں حرام ہوگئی، ایک ہی چیز پر حکم مختلف لگایا جارہا ہے لیکن یہ صحیح ہے، کیونکہ یہ الگ الگ اوقات کے اعتبار سے لگایا جارہا ہے۔

اختلافِ حقیقی کی پہلی قسم اور اس کا حکم:

(۱) اختلاف حقیقی کی پہلی قسم یہ ہے کہ اختلاف دینی امور میں ہو، اور دین کے اصولوں میں ہو، جیسے ایمان اور کفر کا اختلاف۔ ایک مومن ہے، ایک کافر ہے، ایک قائل باللہ ہے، دوسرا منکرِ خدا دہریہ ہے، یہ اختلاف حقیقی ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اہل اسلام کو اہل کفر کے ساتھ اختلاف کرنا ضروری ہے، ان کے ساتھ روابط اور قلبی تعلق کی بالکل اجازت نہیں ہے، اور بلا شدید ضرورت کے یا بغیر شرعی مصلحت کے روابط رکھنا بھی درست نہیں ہے، البتہ معاملات و معاشرت اس سے خارج ہیں۔ اور اہل کفر کو اہل اسلام کے ساتھ اختلاف کرنے کا بالکل بھی حق نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے ایسے اختلاف کے بارے میں فرمایا:

”فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلٰكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ“ (المائدہ:۴۸)

ان کے باہمی معاملات میں اسی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئیے اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے (دور ہو کر) ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئیے تم میں سے ہر ایک کے لئیے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتے لیکن ایسا نہیں کیا تا کہ جو دین تم کو دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان فرماویں۔ تو مفید باتوں کی طرف دوڑو۔ اور دوسری آیت میں فرمایا:

”وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ“ (هود:۱۱۳)

اور (اے مسلمانو) ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے۔

ایک آیت میں ان کو اپنی طرف بلانے کا حکم دیا:

”ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ“ (النحل:۱۲۵)

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے سے بلائیے اور (اگر بحث آن پڑے تو) ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجیے (کہ اس میں شدت وخشونت نہ ہو۔ آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس رستے سے گم ہوا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

اختلاف کی دوسری قسم اور اس کا حکم:

اختلاف کی دوسری قسم یہ ہے کہ اختلاف حقیقی ہو اور دینی امور میں ہو، اور دین کے اصولوں میں ہو، لیکن ایمان اور کفر کا اختلاف نہ ہو بلکہ سنت اور بدعت کا اختلاف ہو۔ یہ اختلاف عقائد کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔ اور اعمال کے اعتبار سے بھی، اصطلاح میں ایسے لوگوں کو جو عقائدِ سلف اور عقائدِ اہل السنۃ والجماعۃ سے ہٹ کر ہوں کو بدعتی کہا جاتا ہے، اس اعتبار سے جتنے باطل فرقے پیدا ہوئے ہیں وہ سب بدعتی ہیں، معتزلہ بدعتی ہیں، روافض بدعتی ہیں، قدریہ بدعتی ہیں، جبریہ بدعتی ہیں، جہمیہ بدعتی ہیں، اور آج کے زمانے میں جتنے نئے فرقے ہیں جو قرآن وسنت سے دور ہیں وہ سب اسی قبیل سے ہیں، ان کا یہ اختلاف کفر اور اسلام کا تو نہیں ہے اس سے کم درجے کا ہے، یہ اصولی اختلاف تو ہے۔ لیکن ایمان اور کفر کا نہیں، بلکہ سنت وبدعت کا اختلاف ہے۔

اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ اہلِ حق کو ان سے اختلاف کرنا ضروری ہے، ان کی گمراہی لوگوں کو بتانا ضروری ہے، اور ان کی صحیح رہنمائی کرنا ضروری ہے، اور ان سے اجتناب کرنے اور ان سے روابط نہ رکھنے کا حکم ہے، ہاں ان کو اہلِ حق سے اختلاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اختلاف کی تیسری قسم اور اس کا حکم:

اختلاف کی تیسری قسم یہ ہے کہ اختلاف حقیقی ہو، دینی امور میں، اور فروع میں ہو، اور دلیل کی بنیاد پر ہو۔ اور دلیل خواہ نص ہو یا اجتہاد ہو یا قابلِ اتباع کسی مجتہد کا فتوی ہو۔ اور یہی وہ اختلاف ہے جو اس امت میں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے اس وقت تک چلا آرہا ہے۔ یہ اختلاف اسلام میں ناپسندیدہ نہیں ہے بلکہ یہ رحمت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

حدیث ''اختلاف امتی رحمۃ'' کی تحقیق:

اس حدیث کی سند پر کچھ کلام ہے، کچھ لوگ تو وہ ہیں جو بالکل اعتدال سے عاری ہیں، ہر حدیث کا معیاری درجہ برقرار رکھنے کے بجائے اس پر بہ آسانی ضعیف بلکہ موضوع اور بے اصل ہونے کا حکم لگادیتے ہیں، اور علوم میں اپنے عدمِ رسوخ کا اظہار کرتے ہیں، یہ حدیث بھی ان کے نزدیک کچھ ایسی ہی ہے، اس حدیث کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت کیا ہے، طبرانی اور دیلمی اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقطعا روایت کیاہے، عراقی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف مرسل ہے، اکثر ائمہ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں، خطابی کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حدیث بے اصل نہیں، بیضاوی کے حاشیہ میں ہے کہ اس حدیث کو سبکی وغیرہ نے ذکر کیاہے مگر محدثین کے طبقہ میں یہ حدیث معروف نہیں۔ (تذکرۃ الموضوعات: ۱/ ۹۱)

قال المناوي في الفيض (۱/ ۲۰۹) لم أقف له على سند صحيح وقال الحافظ العراقي: سنده ضعيف (کنز العمال: ۱۰/ ۱۳۶)

مناوی نے فیض میں لکھاہے کہ میں اس کی صحیح سند سے واقف نہیں ہوں، اور حافظ عراقی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیاہے۔

مولانا بدر عالم میرٹھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھاہے کہ ان چند نقول سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کا سندی پایہ اگرچہ کمزور ہے تاہم بے اصل بھی نہیں۔

”اختلاف امتی رحمۃ“ کی تشریح

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کا اختلاف رحمت ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے قاسم بن محمد فرماتے ہیں ”کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عملی اختلاف میں یہ بڑا فائدہ رکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ان میں کسی کے مطابق بھی عمل کرلے تو اس کے لیے اس کی گنجائش ہے۔ اور ابن وہب اس کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہیں کہ قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ مجھے خلیفۂ عدل عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بہت پسند ہے:

”مَاسُرَّنِیْ لَوْ اَنَّ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْتَلِفْ لِأَنَّہُمْ لَوْ لَمْ یَخْتَلِفْ لَمْ تَکُنْ رخفا“

مجھے خوشی نہیں ہوتی اگر اصحاب محمد (ﷺ) میں اختلاف نہ ہوتا کیونکہ اگر اختلاف نہ ہوتا اور تمام مسائل میں ایک ہی قول اور ایک ہی عمل ہوتا تو لوگوں کے لیے بعض صورتوں میں عملی تنگی کا باعث ہوجاتا، لیکن اب ان کے اختلاف سے دین میں عمل کی مختلف راہیں نکل آئیں ہیں اور وہ ہمارے مقتدیٰ ہیں اس لیے اب اگر ان میں کسی کا قول اختیار کرلیا جائے تو وہ بھی دین کی ایک سنت پر عمل سمجھا جائے گا۔ (الاعتصام: ج ۲، ص ۱۴۶)

صحابہ کرام چونکہ حضور کے تربیت یافتہ تھے، شریعت کے اغراض و مقاصد کو پوری طرح سمجھتے تھے، اور ان کی رعایت کرتے تھے، اور اللہ کے نبی نے ان کو بھی معیار اور اسوہ بتایا ہے اور ان کی قتداء کا حکم دیا ہے، اس لیے ان کے اختلاف کی وجہ سے ایک ہی عمل کی جو مختلف صورتیں پیدا ہوئیں وہ سب دین ہی کی راہیں کہلائیں گی اور سب مقبول ہوں گی، جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”سَأَلْتُ رَبِّي فيما تَخْتَلِفُ فِيهِ أَصْحَابِي مِنْ بَعْدِي فَأَوْحىٰ إِلَيَّ يَامُحَمَّدُ إِنَّ أَصْحَابَکَ عِنْدِي بِمَنْزِلَةِ النُّجُوْمِ فِي السَّمَآءِ بَعْضُهَا أَضْوَءُ مِنْ بَعْضٍ فَمَنْ أَخَذَ بِشَيْءٍ مِمَّا هُمْ عَلَيْهِ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ فَهُمْ عِنْدِیْ عَلَى هُدًى“ (الفردوس بماثور الخطاب: ۳۴۰۰۔ المدخل الی السنن الکبری للبیہقی: ۱۱۲) قال البيهقي رحمه الله: هذا حديث متنه مشهور، وأسانيده ضعيفة، لم يثبت في هذا إسناد والله أعلم۔ (المدخل الی السنن الکبری للبیہقی: ۱، ۱۱۴/۱۱۵)

میں نے پروردگار سے پوچھا کہ میرے بعد میرے صحابہ جن چیزوں میں اختلاف کریں گے اس وقت کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی کہ اے محمد! تمہارے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں، بعض ستارے بعض سے زیادہ قوی اور روشن ہیں۔ کوئی ستارہ آپ کو بے نور نہیں نظر آئے گا۔ کسی میں تاریکی نہیں ہوگی، ہاں نور کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہوگا، اسی طرح سب صحابہ ہیں، کوئی بے نور نہیں ہیں، سب ہدایت سے مالامال ہیں، اس لئے جو بھی ان میں سے کسی کے بھی طریق پر چلے گا وہ ہدایت پر ہوگا، وہ نور پر ہوگا۔ پھر اس کے بعد فرمایا: ”أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ“

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جن کی بھی تم اقتداء کروگے ہدایت پاجاؤ گے۔ فی نفسہ اگرچہ اس روایت میں کمزوری ہے، لیکن اس کا مضمون متعدد روایتوں سے ثابت ہے۔ پتہ چلا کہ صحابہ کے مختلف اعمال ہمارے لئے رحمت ہیں، اور ہمیں ان کی اتباع کا حکم ہے، اگر ان کے اختلاف کی ہمارے سامنے یہ مختلف صورتیں نہ آتیں اور ایک عمل کی ایک ہی صورت ہوتی تو بعض حالات میں اسی ایک صورت پر عمل کرنا دشوار ہو سکتا تھا، اس بنا پر ان کے اختلاف کے رحمت ہونے کا مطلب دین میں عملی وسعت ہوگا۔

حدیثِ مذکور کی مرجوح توجیہ:

بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں اختلاف سے مراد صحابہ کا اجتہاد مراد ہے، اس کو امت کے لئے رحمت بتایا گیا ہے، کیونکہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ مختلف واقعات اور مختلف مسائل کا حل ہمیشہ قرآن و حدیث میں صراحۃ ملنا دشوار رہے، اس لیے امت کے لیے دینی مسائل میں اجتہاد ایک ضروری امر تھا، اب اگر صحابہ اجتہاد نہ کرتے تو بعد والوں کے لئے مسئلہ کھڑا ہو جاتا کہ جب انہوں نے اجتہاد نہیں کیا ہے تو ہم کیسے کریں، لیکن چونکہ انہوں نے اجتہاد کیا اور اختلافات ان کے اجتہاد ہی کی وجہ سے پیدا ہوئے تو اب بعد والوں کے لئے بھی مسئلہ حل ہو گیا کہ وقت ضرورت اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ اور حدیث میں جو کہا گیا ہے کہ امت کا اختلاف رحمت ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ امت کا اجتہاد

رحمت ہے، اختلافات کے رحمت ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال یا افعال میں ہر شخص کو اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی قول یا عمل کو لینے کا حق ہے۔ کیونکہ اس صورت میں پھر شریعت پر نہیں بلکہ نفسانیت پر عمل ہوتا۔ (الموافقات: ۴/۱۴۲)

یہ بات اس حد تک تو درست ہے کہ ہر شخص کو واقعۃً اس بات کا حق نہیں ہے کہ حسب خواہش وہ جب چاہے جس صحابی کا قول چاہے اختیار کرلے، لیکن اس کا دائرہ اتنا تنگ بھی نہیں جتنا ان لوگوں نے بیان کیا ہے، بلکہ اس میں دونوں چیزیں داخل ہیں، اجتہاد بھی رحمت ہے، اور دوسرے صحابہ کے مختلف اقوال اور اعمال بھی امت کے لئے رحمت ہیں، جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت کی گئی ہے، لیکن ہر آدمی ان میں سے اپنی مرضی کے مطابق جس کو چاہے اختیار نہیں کرسکتا، بلکہ اس کے بھی کچھ اصول و ضوابط ہیں، ان کی روشنی میں ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس بناء پر علماء نے لکھا ہے کہ ائمۂ مجتہدین کا اختلاف بھی اسی قبیل کا ہے، وہ بھی امت کے لئے رحمت ہے۔

اختلاف کے رحمت ہونے کی مثال:

ہم یہ سوچتے ہیں کہ اختلاف ہونا ہی نہیں چاہیئے، اگر اختلاف نہ ہوتا تو بہتر ہوتا، مگر آدمی کی یہ اپنی ذاتی اور محدود سوچ ہے، کیونکہ اختلاف میں اللہ نے رحمت رکھی ہے، مخلوق کی نظر الگ ہوتی ہے، اور خالق کی نظر الگ ہوتی ہے۔ اُمتی کی نظر الگ ہوتی ہے اور نبی کی نظر الگ ہوتی ہے۔ آپ لوگوں کو میں نے ایک واقعہ سنایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اُن کی تمام ذرّیات کو نکالا، اور حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے ان کو پیش کیا تو حضرت آدم نے اُنہیں دیکھ کر دریافت فرمایا کہ اے پروردگار! یہ چھوٹی چھوٹی مخلوق کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہاری اولاد ہے جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے۔ ان میں کوئی تندرست تھا تو کوئی بیمار، کوئی لال تھا تو کوئی کالا، کوئی غریب تو کوئی امیر، کوئی لامبا تو کوئی پستہ قد، انہیں دیکھ کر حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! ”لَوْ لَا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ“ آپ نے اپنے تمام بندوں کو برابر کیوں نہیں کردیا، سب خوبصورت، مال دار، تندرست، اور عزت والے

ہوتے تو اچھا ہوتا۔ حضرت آدم ﷺ کی یہ تمنادر اصل اپنی اولاد پر شفقت کی وجہ سے تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ سب کچھ میں نے اس لیے کیا تاکہ میرا شکر ادا کیا جائے۔

"إِنِّي أَحْبَبْتُ أَنْ أُشْكَرَ" (مسند احمد: مسند الانصار، حدیث ابی العالیۃ عن ابی بن کعب، ۲۱۲۱۹۔ تہذیب الآثار: ۱۲۴)

اگر میں سب کو سب چیزیں دے دیتا اور سب کو برابر کر دیتا تو میرا شکر کون کرتا! یہ سب کچھ میں نے اس لیے کیا تاکہ بندے میرا شکر ادا کریں، انہیں نعمتوں کا احساس ہو، راحت اور تکلیف میں فرق سمجھ میں آئے، کیونکہ تندرستی بیماری سے پہچانی جاتی ہے، غربت مالداری سے پہچانی جاتی ہے، مالداری غربت سے پہچانی جاتی ہے، خوبصورتی بدصورتی سے پہچانی جاتی ہے، عزت ذلت سے سے پہچانی جاتی ہے، اندھیرا اُجالے سے پہچانا جاتا ہے، نعمت مصیبت سے پہچانی جاتی ہے، جب آدمی کو کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ مصیبت کو دیکھ کر اپنی نعمت کو پہچانتا ہے کہ اے اللہ! آپ کا شکر ہے، اگر آپ مجھے بیمار رکھتے تو میں کیا کرتا، اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے تندرست رکھا۔ اگر سب تندرست ہوتے تو لوگوں کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ تندرستی کیا ہے، کیونکہ تندرستی کو پہچاننے کے لیے ہمارے سامنے بیماری نہیں ہے۔ اگر سب امیر ہوتے تو لوگوں کو معلوم ہی نہیں چلتا کہ امیری کیا ہے کیونکہ امیری غریبی سے پہچانی جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر سب کو سب کچھ مل جاتا تو سب شکر ادا کرتے، آپس میں نہ لڑتے، ان میں اختلاف نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس اختلاف میں بہتری ہے، یہ رحمت ہے، یہ میرے شکر کا سبب ہے۔

ایسے ہی مسائل میں اختلاف ہمیں الجھن محسوس ہوتا ہے، لیکن وہ الجھن نہیں بلکہ رحمت ہے، اسی وجہ سے اس کو حدیث میں رحمت کہا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے اللہ کے نبی کے مختلف اعمال منقول ہیں، صحابہ کے مختلف اعمال منقول ہیں، اجتہاد کی بنیاد پر صحابہ کے دو عمل اللہ کے نبی کے سامنے آئے تو آپ نے کسی کو برا نہیں کہا، اگر وہ اختلاف برا ہوتا تو نبی منع فرمادیتے۔ اس لئے ائمہ کرام کے مابین دلیل کی بنیاد پر مسائل کا اختلاف ہے وہ ناپسندیدہ اور برا نہیں ہے۔

رفع یدین نہ کرنے کے دلائل اور وجوہات:

جیسے تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ دیگر ارکان میں رفع یدین کرنے نہ کرنے کا مسئلہ ہے، احناف کے ہاں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ایک مرتبہ ہاتھ اُٹھانا ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک رکوع میں جانے سے پہلے اور رکوع سے اُٹھنے کے بعد بھی رفع یدین ہے۔ وہ احادیث بھی صحیح ہیں جن میں ہاتھ اُٹھانے کا مضمون ہے، اور وہ احادیث بھی صحیح ہیں جس میں صرف ایک مرتبہ ہاتھ اُٹھانے کا ذکر ہے، دونوں حدیثیں ثابت ہیں۔ جب دونوں حدیثیں صحیح ہیں تو محدثین اور فقہاء کے ہاں احادیث پر عمل کرنے اور ان کو ترک کرنے سے متعلق کچھ اصول وضوابط اور قرائن متعین ہوتے ہیں، ان کی روشنی میں وہ کسی حدیث کو لیتے ہیں اور دوسری کی تاویل کرتے ہیں۔ مثلاً ہم رفع یدین نہیں کرتے ہیں تو اس کی بہت ساری وجوہات ہیں۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی احادیث موجود ہیں، احادیث میں اللہ کے نبی کا تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا ثابت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ تم آگاہ ہو جاؤ بے شک میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھا کر دکھاتا ہوں، یہ کہہ کر نماز پڑھائی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف اول تکبیر میں اٹھایا پھر پوری نماز میں نہیں اٹھایا۔ (سنن ترمذی: ۲۵۷ و سنن ابو داؤد: ۷۴۸)

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صرف شروع کی تکبیر میں دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، پھر اس کے بعد اخیر نماز تک نہیں اٹھاتے تھے۔ (سنن أبی داؤد: ۷۴۹)

(۲) جب صحابہ کو اللہ کے نبی نے رفع یدین کرتے دیکھا تو فرمایا کہ مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تم کو نماز کے اندر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں، ایسا لگتا ہے جیسا کہ بے چینی میں اونٹ اپنی دم کو اوپر اٹھا اٹھا کر ہلاتے ہیں، تم نماز کے اندر ایسا ہرگز مت کیا کرو، اسکنوا فی الصلاۃ۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔ (صحیح مسلم: ۴۳۰۔ سنن أبی داؤد: ۱۰۰۰)

(۳) رفع یدین منسوخ ہے۔ اوپر کی روایات نیز مندرجہ ذیل روایت بھی اس کی مؤید ہے۔

حضرت امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی تو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں کو نماز کی صرف پہلی تکبیر میں اٹھاتے تھے، اس کے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اٹھاتے تھے۔ (طحاوی شریف: ۱۳۲۳، ۱/۱۳۳)

یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا ہو اور پھر وہ خود رفع یدین نہ کریں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک رفع یدین کا حکم منسوخ ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے رفع یدین کو ترک کر دیا۔

ایسے ہی حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی، حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس پر ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے مغیرہ سے کہا کہ اگر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح رفع یدین کرتے ہوئے ایک مرتبہ دیکھا ہے تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور کو پچاس مرتبہ رفع یدین نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (شرح معاني الآثار: کتاب الصلاۃ، ۱۳۱۸)

(۴) رفع یدین خلفاء راشدین کا عمل نہیں تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے ان میں سے کسی نے اپنے ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اٹھایا۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہی منقول ہے کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(السنن الکبری للبیہقي: ۲۵۸۶۔ شرح معاني الآثار، کتاب الصلاۃ، باب التکبیرۃ للرکوع: ۱۳۲۰)

قال النووي: الصحابة، ومن بعدهم مختلفون في هذا الباب، وأما الخلفاء الأربعة فلم يثبت عنهم رفع اليدين في غير تكبيرة الإحرام۔ (آثار السنن ۱/۱۰۹)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خلفاء راشدین سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرنا ثابت نہیں ہے۔ یہ خلفاءِ راشدین ہیں، ہدایت یافتہ ہیں، نبی کے نائبین ہیں، صف اول میں کھڑے رہنے

والے ہیں، ہمیشہ نبی کے ساتھ رہنے والے ہیں، نبی کے مشوروں کے شریک ہیں، ان کے منشوں کے مطابق قرآنی آیات نازل ہونے والی ہیں، منشأ نبوت پر مکمل عمل کرنے والے ہیں، ایک ایک عمل میں نبی کی اقتدا کرنے والے ہیں، حضرت عبد اللہ ابن مسعود ہیں، جن کو فقیہ کا خطاب خود زبانِ نبوت سے ملا ہوا ہے، سفر و حضر میں حضور کے صاحب ہیں، صاحب السواک والمطہرۃ ہیں، اور یہ لوگ رفع یدین کو ترک کر رہے ہیں، اگر وہ حکم باقی ہوتا تو یہ خلفاء راشدین کیسے اس کر ترک فرماتے۔

(۵) بار بار رفع یدین خشوع کے بھی منافی ہے۔ جیسا کہ اوپر کی روایات بتلا رہی ہیں، سکون اختیار کرو، یعنی نماز میں زیادہ حرکت مت کرو، خشوع اور خضوع سے نماز پڑھو۔ ابتداء میں نماز میں بات چیت سلام کلام وغیرہ کیا جاتا تھا، چھینکے والے کا جواب دیا جاتا تھا، اشاروں میں باتیں کی جاتی تھیں، نماز کی رکعات اور تعداد پوچھی جاتی تھی، ضرورتیں نماز میں بتلادی جاتی تھیں،، بعد میں یہ سب چیزیں منسوخ ہو گئیں، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پہلے ہم نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا کرتے تھے۔ جب میں حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب ہی نہیں دیا۔ کہنے لگے کہ میں شک میں مبتلا ہو گیا کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں، جب نماز ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب نماز میں خاموشی کا حکم دیا گیا، بات کرنے کی اجازت نہیں، تب معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم: باب المساجد، ۱۲۲۷، ۲۱۳۱) ایسے ہی نماز میں کئی مرتبہ رفع یدین تھا، حتی کہ سجدہ میں بھی رفع یدین تھا، لیکن وہ منسوخ ہو گیا۔

ان دلائل اور قرائن کی بنیاد پر ائمۂ احناف کہتے ہیں کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرنا ہے۔ یہ تفصیل اس لئے بتائی جا رہی ہے تا کہ آپ لوگوں کو اندازہ ہو جائے کہ احناف کے ہاں رفع یدین نہ کرنے کا مسئلہ یوں ہی نہیں ہے، اس کے کئی دلائل ہیں، اس کی ٹھوس بنیادیں ہیں۔

مسئلۂ تیمم:

ایسے ہی ایک حکم تیمم سے متعلق ہے، جب آدمی کوئی نماز پڑھنا چاہے یا قرآن پاک کو چھونا چاہے، یا جنازہ پڑھنا چاہے اور وضو کے لیے پانی نہیں ہے یا پانی تو ہے مگر آدمی بیمار ہے تو قرآن کا حکم یہ ہے کہ وہ پانی استعمال کرنے کے بجائے تیمم کرکے نماز پڑھے۔

تیمم امت محمدیہ کی خصوصیت ہے:

تیمم اس اُمت کی خصوصیت ہے، پچھلی اُمتوں کو تیمم کی اجازت نہیں تھی۔ یہ حضور پاک ﷺ کی برکت ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے کہ چاہے کتنی ہی شدید سردی ہو، برف باری ہو رہی ہو، گرم پانی میسر نہ ہو، تم کو تیمم کرنا ہے تو امت مشکل میں پڑ جاتی، جیسے پچھلی اُمت والوں کے لیے تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اِس اُمت کے لیے تیمم کی سہولت رکھی اور عذر کی صورت میں تیمم کی اجازت دی۔

”وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا“ (النساء:۴۳)

اور اگر تم بیمار ہو، یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیوی سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اس زمین پر دوبارہ ہاتھ مار کر اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو۔

تیمم کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

امام شافعی کہتے ہیں کہ اس آیت میں مٹی سے جو پاکی کا حکم دیا جا رہا ہے وہ مجبوراً اور ضرورتاً ہے، یہ طہارتِ ضروریہ ہے، اصل پاکی پانی ہی سے ہوتی ہے، مٹی سے نہیں، بلکہ مٹی سے اور گندگی پھیلتی ہے، اگر آپ مٹی لے کر منہ پر مل لیں تو آپ کا منہ خراب ہو جائے گا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ حکم ضرورتاً ہے، اصل مٹی پاک کرنے والی نہیں ہے، اور جو چیز ضرورتاً ثابت ہوتی

ہے تو اُس کی اجازت بھی ضرورت کی حد تک ہوتی ہے، جیسے ایک آدمی بھوکا ہو، کھانے کے لئے کوئی حلال چیز اسے میسر نہیں، مرنے کے قریب ہے، تو ایسی صورت میں اگر حرام چیز اسے مل رہی ہو مثلاً خنزیر یا مردار تو اس کا کھانا اُس کے لیے جائز ہے، اُس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خنزیر کے کباب بنا کر کھائے جائیں، اُس کے لیے کھانے کی جو اجازت ہے وہ صرف جان بچانے کی حد تک ہے۔ جس چیز کی مجبوراً اجازت ہوتی ہے اُس کے استعمال کی بھی بقدرِ ضرورت گنجائش ہوتی ہے۔ اس بنیاد پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کئی مسائل متفرع فرمائے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے پس منظر اور سیاق و سباق کو دیکھا، اور اس کا مقصد اور سہولت دیکھی، یہ حکم اُمت کی شرافت اور کرامت اور اس پر خصوصی انعام اور خصوصی سہولتوں کے پیش نظر نازل کیا گیا، اور پھر صرف یہی حکمتیں پیش نظر ہیں ایسی بات نہیں، بلکہ اس سے پاکی بھی مقصود ہے، جیسا کہ فرمایا: ”وَلٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ“ اس لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح آدمی پانی سے پاک ہوتا ہے اسی طرح تیمم سے بھی پاک ہوتا ہے، یعنی تیمم طہارتِ مطلقہ ہے، اس لئے جب آدمی پانی قادر نہ ہو اور وہ تیمم کر رہا ہو تو اُس کو بالکل ویسے ہی پاکی حاصل ہو گی جیسے وضو کرنے کے بعد پاکی حاصل ہوتی ہے۔ الغرض احناف نے دونوں باتوں کو ملحوظ رکھا، اور دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے نتائج اور مسائل متفرع فرمائے۔ اولاً اس کی وجہ میں اختلاف ہوا، اس کی بنیاد پر کئی مسائل میں اختلاف ہوا، چونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تیمم ضرورتاً ثابت ہے، اور مجبوری اور ضرورت بقدرِ ضرورت ہوتی ہے، اس لئے وہ کہتے ہیں وقت سے پہلے چونکہ ضرورت نہیں اس لئے کوئی تیمم نہیں کر سکتا۔ چونکہ تیمم ضرورتاً ثابت ہے اس لئے ایک تیمم سے دو نمازیں ادا نہیں کی جاسکتیں، بلکہ ایک ہی نماز ادا کرنے کی اجازت ہو گی، کیونکہ تیمم کا حکم مجبوری کی وجہ سے تھا، جب مجبوری ختم ہو گئی تو اب تیمم بھی ختم ہو گیا۔ اب اُس کو دوسری نماز کے لیے نیا تیمم کرنا پڑے گا۔ اور مام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصول کی بنیاد پر مسائل متفرع فرمائے، اور فرمایا کہ چونکہ تیمم طہارتِ مطلقہ ہے، اس لئے اس کو بار بار وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی، ایک تیمم سے کئی نمازیں وہ ادا کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر آپ یہ مسائل تلاش کریں گے تو قرآن و حدیث میں یہ

مسائل نہیں ملیں گے، اور وہ لوگ یہ مسئلہ بخاری میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، کیونکہ ان کے زمانے میں بخاری نہیں تھی، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کے تقریباً دو سو سال گزرنے کے بعد بخاری شریف لکھی گئی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کے ایک سو پینتیس سال گزرنے کے بعد بخاری شریف لکھی گئی۔ اُس وقت ان دونوں اماموں کے پاس بخاری شریف نہیں تھی، استنباط کے ذریعہ ان مجتہدین نے یہ مسائل بیان فرمائے ہیں۔ یہ اختلاف در اصل اس مسئلہ کی بنیاد کی تعیین کے سلسلہ میں پیدا ہوا۔ اور ہر مجتہد نے اپنی اپنی قابلیت اور صلاحیت کے اعتبار سے اجتہاد کیا، ان کے پاس شرائطِ اجتہاد موجود تھے، ان کو قرآن وحدیث سے مسائل نکالنے کا حق تھا، اس لئے انہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اصول بھی مستنبط کئے، مسائل بھی مستنبط کئے، اور پھر ان اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کرکے مسائل بیان کئے، یہ صرف چند مسائل ہی نہیں بلکہ ایسے سینکڑوں مسائل ہیں جو ایک مسئلہ پر متفرع ہوتے ہیں، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ چاہے جو بھی مسئلہ ہو اس کے پیچھے لمبی چوڑی تفصیلات ہوتی ہیں، دلائل ہوتے ہیں اس لئے ان اختلافات کو مذموم نہیں کہا جاسکتا، ایسے اختلافات مذموم نہیں بلکہ باعث رحمت ہوتے ہیں۔ کیونکہ امت میں لوگوں کے مزاج اور صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں، قدرتیں اور قوتیں الگ الگ ہوتی ہیں، اگر ایک ہی حکم سب پر نافذ کردیا جائے تو عمل مشکل ہوجاتا ہے، جیسے قرأت سبعہ پر قرآن پاک کو نازل کیا گیا، قرأتوں کا یہ اختلاف محض آسانی اور رحمت کی بنیاد پر ہے، ایسے ہی اجتہادی مسائل میں اختلاف بھی رحمت اور آسانی کا باعث ہے۔

اجتہادی مسائل میں اصل فیصل اللہ تعالیٰ ہیں:

یہاں ایک بہت اہم بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ جو اجتہادی اختلاف ہوتا ہے اور اس میں مجتہدین اپنے اپنے اجتہاد سے جو مسئلہ بیان کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ان میں سے ایک ہی صحیح ہوتا ہے، اور دوسرا خطا ہوتا ہے، لیکن یہ صواب وخطا کا فیصلہ صرف حق تعالیٰ کے کرنے کا ہے، حق تعالیٰ محشر میں اس مجتہد کو جس کا اجتہاد صحیح تھا دوگنا ثواب عطا فرمائیں گے، اور اس مجتہد کو جس نے خطا کی ہے اس کو ایک ثواب دیں گے، اس لئے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے

سوا کسی کو اجتہادی اختلاف میں یہ کہنے کا حق نہیں کہ یقینی طور پر یہی صحیح ہے دوسرا غلط ہے، ہاں اپنی فہم و بصیرت کے اعتبار سے جس کو وہ قرآن و سنت کے قریب سمجھتا ہے اس کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے نزدیک یہ صواب ہے، مگر خطا کا بھی احتمال ہے، اور دوسری جانب خطا ہے، مگر صواب کا بھی احتمال ہے۔

اجتہادی مسائل منکر میں داخل نہیں:

اس تفصیل سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ اجتہادی اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی، کیونکہ اختلافی مسائل کا مدار قرآن و حدیث پر ہے، اس پر دلیل موجود ہے، اور اس پر اجر و ثواب ہے اس لئے اسے منکر نہیں کہا جاسکتا، اور جب وہ منکر نہیں تو غیر منکر پر نکیر خود امر منکر ہے، اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئیے، آج کل بہت سے اہل علم بھی اس سے غفلت کرتے ہیں، اور اپنے مخالف نظریہ رکھنے والوں پر سب و شتم کرتے ہیں، جس کا نتیجہ مسلمانوں میں جنگ و جدل اور انتشار و اختلاف کی صورت میں نظر آتا ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ نہ قرآن و حدیث میں اس طرح کے اختلاف مذموم بتائے گئے اور نہ یہ طرزِ عمل سلف، صحابہ و تابعین کا ہے، نہ اسلافِ امت نے اجتہادی مسائل میں اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح کی نکیر کی ہے، لیکن ہمارا طرز عمل ان کے ساتھ دشمن جیسا ہوتا ہے۔

اجتہاد کے شرائط:

یہ تمام باتیں اس اجتہاد کے بارے میں ہیں جو شریعت کے اصولِ اجتہاد کے تحت ہوں، جس کی پہلی شرط یہ ہے کہ اجتہاد صرف ان مسائل میں کیا جاسکتا ہے جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی فیصلہ موجود نہیں، یا ایسا مبہم ہے کہ اس کی تفسیریں مختلف ہوسکتی ہیں، یا چند آیات و روایات سے ظاہراً دو متضاد چیزیں سمجھی جاتی ہیں، ایسے مواقع میں صرف ان لوگوں کو اجتہاد کرنے کی اجازت ہے جن میں شرائط اجتہاد موجود ہیں۔ مثلاً قرآن و حدیث کے

متعلق تمام علوم وفنون کی مکمل مہارت، عربی زبان کی مکمل مہارت، صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کی مکمل واقفیت وغیرہ، اس کے برخلاف جو شخص کسی منصوص مسئلہ میں اپنی رائے چلاتا ہے تو وہ اجتہادی اختلاف میں داخل نہیں، بلکہ وہ قابل مذمت ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اختلاف کی چوتھی قسم:

(۴) اختلاف کی چوتھی قسم یہ ہے کہ اختلاف حقیقی ہو، دینی امور میں ہو، اور فروع میں ہو، اور بلادلیل ہو۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسے آج یہ عام مرض ہو گیا ہے کہ علم دین حاصل کئے بغیر مسائل دینیہ میں دخل دینا شروع کر دیتے ہیں، اور دلیل ان کے پاس کچھ نہیں ہوتی، بلکہ اپنی سمجھ کو اور اپنے کہنے کو کافی سمجھتے ہیں، اور کہتے بھی ہیں کہ ہمارا یہ خیال ہے، ایسا اختلاف انتہائی برا اور سخت گناہ کا باعث ہے، حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قربِ قیامت دنیا سے علم اٹھالیں گے، اور اٹھانے کی شکل یہ ہوگی کہ آہستہ آہستہ علماء وفات پاتے جائیں گے اور علم کم ہوتا جائے گا، اور لوگ جاہلوں کو سردار بنائیں گے، اور ان سے مسائل پوچھے جائیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے، ان پڑھ ہوں گے، یا پڑھے ہوں گے لیکن غلط پڑھ لیا ہوگا، یا صحیح پڑھا ہوگا لیکن غلط سمجھا ہوگا اس لئے معلوم نہ ہونے کے باوجود اپنی بڑائی رکھنے کے لئے غلط باتیں اور غلط مسائل بتا کر لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے، اور ایک روایت میں ہے، عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”أَعْظَمُهَا فِتْنَةً عَلٰى أُمَّتِيْ قَوْمٌ يَقِيْسُوْنَ الْأُمُوْرَ بِرَأْيِهِمْ فَيُحِلُّوْنَ الْحَرَامَ وَيُحَرِّمُوْنَ الْحَلَالَ“

(مستدرک حاکم: ۶۳۲۵)

میری امت کا بڑا فتنہ یہ ہوگا کہ لوگ اپنی رائے سے قیاس کرنے لگیں گے، اور حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتائیں گے۔

امریکہ میں یہ فتنہ بہت عام ہے، لوگ بغیر کسی دلیل کے علماء سے اُلجھتے ہیں، ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی دلیل بتا رہا ہوتا ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ

میری رائے میں ایسا نہیں ہے، یہ اختلاف بغیر دلیل کے ہوتا ہے۔ یہ انتہائی برا اور گناہ کا باعث ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

امت پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں لوگوں کی یہ حالت ہوگی:

”تَتَجَارىٰ بِهِمُ الْأَهْوَاءُ كما يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ فَلَا يَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَلا مَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهُ“

(مستدرک حاکم: ۴۴۳)

لوگوں میں خواہشات ایسی گھس جائیں گی جیسے کتّے کے کاٹنے سے اُس کا زہر رگوں میں گھس جاتا ہے۔ حیوانات کے ماہرین بتاتے ہیں کہ کتّے کے کاٹنے کے بعد اس کا زہر جب جسم میں سرایت کرتا ہے تو آدمی اپنی صفت کے اعتبار سے کتّا ہی بن جاتا ہے، حتیٰ کہ کتّے کی طرح بھونکنے لگتا ہے یہاں تک کہ اس کی موت ہو جاتی ہے، حضور پاک ﷺ نے یہاں خواہشات کے دلوں میں آنے کو کتے کے زہر کے سرایت کرنے سے تشبیہ دی ہے، یعنی جیسے رَگ رَگ میں اور خون کے ایک خلیے میں کتّے کا زہر گھس جاتا ہے ایسے ہی لوگوں میں خواہشات گھس جائیں گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خواہشات ہی کے پیچھے چل پڑیں گے، اور اگر وہ قرآن کو سامنے رکھیں گے تو خواہشات کے تناظر میں آیاتِ قرآنیہ کی توجیہ کریں گے، جب حدیث کو سامنے رکھیں گے تو اس کی توجیہ بھی من مانی کریں گے، یعنی اپنے فہم کے اعتبار سے قرآن و حدیث کو بدل دیں گے۔ اُس کا نام اصلاح اور اجتہاد رکھیں گے، اُس کا نام عمل بالقرآن اور عمل بالحدیث رکھیں گے۔

نفس پرست مسلمانوں کی دینی حالت کی مثال:

حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مثال دیا کرتے تھے کہ اس زمانے میں جو لوگ اپنی خواہش سے مسائل نکال کر چلتے رہتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کا شکار کے لیے پالا ہوا باز کسی بڑھیا کے مکان پر جا بیٹھا، بڑھیا نے اُس کو پکڑ لیا، اور دیکھا کہ اس کے ناخن بہت بڑھے ہوئے ہیں اور اُس کی چونچ بھی بہت بڑھی ہوئی ہے اور اُس کے پَر بھی بہت خراب ہوگئے ہیں، اس نے ترس کھا کر اُس کی چونچ کتر دی، ناخن کاٹ ڈالے، پَر کاٹ کر

سلیقے سے کردیے۔ بڑھیا اپنے ذہن کے اعتبار سے تو باز کے ساتھ خیر خواہی کر رہی ہے لیکن دنیا جانتی ہے کہ بڑھیا نے کیا کردیا، اس نے باز کی "بازیت" کو ختم کردیا۔ اب وہ کیسے شکار کرے گا؟ یہی صورتحال آج مسلمانوں کی ہوگئی ہے۔ اسلام اور دین کے نام پر ان کا اسلام اور ان کا دین چھینا جارہا ہے، اور ان کو پتہ نہیں ہے، اس کے بعد اگر وہ اپنے اسلام اور دین پر چلنا چاہیں گے تو اس باز کی طرح مجبور اور چلنے سے عاجز ہوجائیں گے۔

غرض اس طرح کے جو اختلافات ہوتے ہیں جن میں خواہش نفسانی کی اتباع ہوتی ہے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، وہ بالکل بے اعتبار اور گناہ کا باعث ہوتے ہیں۔

اختلاف کی پانچویں قسم:

اختلاف کی پانچویں قسم یہ ہے کہ اختلاف حقیقی ہو، دنیوی امور میں ہو اور صحیح منشے کی بنیاد پر ہو۔ کسی دنیوی امر میں منشاء صحیح کی وجہ سے اختلاف ہونا جیسے دو اطباء کا علاج کے طریقوں میں اختلاف کرنا۔ جیسے ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی اور یونانی ڈاکٹرس میں اختلاف کا ہونا۔ یا بعض مرتبہ ایک ہی شعبہ سے متعلق دو ڈاکٹروں کا تدبیر اور طریقۂ علاج میں اختلاف کرنا۔

مثلاً آپ نے کینسر کے اسپیشلسٹ ڈاکٹروں سے رائے لی، ہر ایک نے مختلف رائے دی، یا آپ نے پیٹ درد کے سلسلہ میں اس کے ماہرین سے مشورہ کیا تو ہر ایک نے الگ الگ رائے دی، اور ہر ایک نے الگ الگ دوا دی، یہ اختلاف دنیاوی امور میں ہے، اور صحیح بنیاد پر ہے، ایسے اختلاف کا حکم یہ ہے کہ جب تک حدود میں رہا جائے یہ برا نہیں، حدود سے خارج ہونے پر یہ اختلاف برا ہے، اگر اختلاف کا مقصد خیر خواہی نہ ہو صرف اپنی بات ہی منوانا، دوسرے کی تذلیل و تحقیر ہو تو برا ہے۔ ایسی صورت حال میں آدمی چاہتا بھی ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے کہ اس کو جس پر اعتماد زیادہ ہو اس کی تجویز کے مطابق عمل کرے، اگر کسی طریقۂ علاج میں نقصان ہو رہا ہو تو اس کو شرعی اعتبار سے اختیار کرنے کا حکم بھی نہیں ہے، بلکہ اس وقت وہ جس میں خیر اور نفع محسوس ہو رہا ہے اس کے مطابق عمل کرلے۔

اختلاف کی چھٹی قسم:

اختلاف کی چھٹی قسم یہ ہے کہ اختلاف حقیقی ہو، دنیوی امور میں ہو، غلط منشے کی بنیاد پر ہو۔ اس کی بنیاد نفسانیت اور خواہشات کی اتباع ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ یہ مذموم ہے خواہ ایک جانب سے ہو یا دونوں سے۔ اختلاف کی جتنی مذمت قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہے وہ سب اُنہی اختلافات سے متعلق ہے جو صحیح بنیاد پر نہ ہوں، ناحق ہوں، خواہشات اور نفس کی اتباع پر موقوف ہو، اس کی تفصیل آچکی ہے، ایسا اختلاف رکھنا جائز نہیں ہے، یہ سراسر مذموم ہے، یہ تمام نصوص اسی اختلاف سے متعلق ہیں۔

اختلاف کی ساتویں قسم:

اختلاف کی ساتویں قسم یہ ہے کہ اختلاف غیر حقیقی ہو، اور اللہ کے فعل کی وجہ سے ہو، اور شریعت سے متعلق اختلاف ہو، اور ایک ہی شریعت میں یہ اختلاف ہو۔ جیسے قرآن مجید کا سات مختلف قراٰتوں میں نازل کرنا اور پڑھنا۔ جیسے "مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" اور "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" دونوں طرح پڑھنا۔ یہ اختلاف بندوں کی سہولت اور حق تعالیٰ عین حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

اختلاف کی آٹھویں قسم:

اختلاف کی آٹھویں قسم یہ ہے کہ اختلاف غیر حقیقی ہو، اللہ کے فعل کی وجہ سے ہو، اور شریعت سے متعلق ہو ، یہ اختلاف مختلف شریعتوں کا اختلاف ہے۔ جیسے گزشتہ انبیاء کی شریعتوں کا اختلاف کہ مختلف انبیاء کو مختلف شریعتیں عطا کی گئیں، مختلف کتب ان پر نازل کئے گئے، مختلف صحیفے ان پر نازل کئے گئے، مختلف احکام ان پر نازل کئے گئے، ان میں بعد میں آنے والی شریعتیں پہلے والی کے لئے ناسخ ہوتی رہیں، اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ اس کے حق ہونے کا اعتقاد رکھنا فرض ہے۔ البتہ عمل صرف اس شریعت پر کیا جائے گا جو اس وقت موجود ہے۔ اور وہ آپ ﷺ کی شریعت ہے۔

اختلاف کی نویں قسم:

اختلاف کی نویں قسم یہ ہے کہ اختلاف غیر حقیقی ہو، اور اللہ کے فعل سے اختلاف وجود میں آئے، جیسے اللہ کا مخلوق کو مختلف صورتوں، مختلف شکلوں، مختلف رنگوں، مختلف مزاج اور مختلف طبیعتوں اور کیفیات کے ساتھ پیدا کرنا۔ اس کو اختلافِ طبائع بھی کہتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ " (فاطر:۲۷)

اے بندے! کیا تونے اس بات کو نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا، پھر اس سے مختلف رنگ کے پھل پیدا کئے اور پہاڑوں میں مختلف رنگتوں کے کچھ تو سفید اور کچھ سرخ اور کالے بھجنگ ہیں، ایسے ہی آدمیوں میں مختلف رنگ کے لوگ ہیں، ایک آدمی گورا ہے اور ایک آدمی کالا ہے۔ دونوں میں اختلاف ہے، جو گورا ہے وہ کالا نہیں ہے اور جو کالا ہے وہ گورا نہیں، گورا ہونا کالا ہونے کی نفی نہیں کرتا، ایسے ہی ایک موٹا ہے اور ایک دُبلا ہے، ایک تندرست ہے اور ایک بیمار ہے، یہ اختلاف غیر حقیقی اختلاف ہے۔ جو دیکھنے کے اعتبار سے تو مختلف ہے، لیکن حقیقتاً یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ اشیاء کا تعدد اور حق تعالیٰ کی حکمت پر مبنی اور اس کی قدرت کا ظہور ہے۔

اختلاف کی دسویں قسم:

اختلاف کی دسویں قسم یہ ہے کہ اختلاف غیر حقیقی ہو، اور بندہ کے فعل سے وہ وجود میں آئے۔ جیسے مختلف چیزیں بنانا، مختلف ملازمتیں اور تجارتیں اختیار کرنا۔ ظاہر ہے کہ یہ اختلاف حقیقی اختلاف نہیں، اور نہ اس کا کوئی نقصان ہے، اس طرح کا اختلاف مشائخ کی تدابیر میں ہوتا ہے جو اصلاح نفس کے لئے وہ تجویز کرتے ہیں کہ ہر شیخ مرید کی استعداد کے مطابق کسی خاص تدبیر یہ ہے اختیار کرتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ حقیقت میں اختلاف ہی نہیں ہے۔

یہ اختلافات، اس کی اقسام اور احکام سے متعلق کچھ تفصیل آپ کے سامنے ذکر کی گئی، اور اس سے قبل فتنوں کی قسمیں اور ان کی تفصیلات بھی ذکر کی گئیں ہیں، حق تعالیٰ ہمیں صحیح فہم عطا فرمائے۔ تمام فتنوں اور ناحق اختلافات سے ہم سب کی اور پوری امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)